فرض علوم پر مشتمل آسان اور دلچسپ کتاب

حصہ دوم

فیضانِ فرض علوم

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے

اہلسنت کے عقائد اور ان پر دلائل

نماز اور امامت کے ضروری مسائل

وقف اور چندے کے تفصیلی احکام

حلال اور حرام جانوروں کا بیان

ذبح، قربانی اور کھال کے احکام

مصنف

استاذ الفقہ والحدیث

مفتی محمد ہاشم خان العطاری المدنی مدظلہ العالی

مکتبہ امامِ اہلسنت

Cell:0332-1632626

فیضان

فرض علوم (دوم)

مؤلف

حضرت علامہ مفتی محمد ہاشم خان العطاری المدنی مدظلہ العالی

ناشر

مکتبہ بہار شریعت داتا دربار مارکیٹ، لاہور

فون: 0332-1632626

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ

نام کتاب ---------- فیضان فرض علوم (حصہ دوم)

مصنف ---------- حضرت علامہ مفتی محمد ہاشم خان العطاری المدنی مدظلہ العالی

ناشر ---------- مکتبہ بہار شریعت، لاہور

صفحات ---------- 400

قیمت ---------- 360

اشاعتِ اول ---------- شوال المکرم 1437ھ بمطابق جولائی 2016ء

ملنے کے پتے:

مکتبہ قادریہ، داتا دربار مارکیٹ، لاہور

مکتبہ اعلیٰ حضرت، داتا دربار مارکیٹ، لاہور

حسان پرفیومرز، کراچی

مکتبہ برکات مدینہ، کراچی

مکتبہ غوثیہ، کراچی

مکتبہ فیضان اسلام، فیصل آباد

امام احمد رضا کتب خانہ، لاہور

مکتبہ نوریہ رضویہ، لاہور

مکتبہ قادریہ، کراچی

مکتبہ غوثیہ، راولپنڈی

مکتبہ فیضان سنت، ملتان

فہرست

کتاب العقائد

علمِ غیب

سوال : کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب عطا فرمایا ہے؟

جواب : جی ہاں! قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کثیر علمِ غیب عطا فرمایا ہے۔ کچھ دلائل درج ذیل ہیں:

پسندیدہ رسولوں کو غیب:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ ترجمہ: غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے

(پ29، سورہ جن، آیت 26)

پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ رسولوں کو غیبوں پر مطلع فرماتا ہے اور کوئی مسلمان اس بات میں شک نہیں کرسکتا ہے کہ ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول اور حبیب ہیں۔

سب کچھ سکھادیا: سوال

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا﴾ ترجمہ: اور تمہیں سکھادیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

(پ5، سورہ النساء، آیت 113)

اس آیت کے تحت تفسیر جلالین میں ہے "ای من الاحکام والغیب" ترجمہ: یعنی احکام اور غیب کی جو باتیں نہ جانتے تھے سب سکھادیں۔

(تفسیر جلالین، ج1، ص122، دار الحدیث، القاہرہ)

اس آیت کے تحت تفسیر حسینی میں ہے "آں علم ما کان وما یکون ہست کہ حق سبحانہ در شب اسرا بداں حضرت

عطا فرمود چنانچہ در حدیث معراج ہست کہ من درزیر عرش بودم قطرہ در حلق من ریختند فعلمت ما کان وما یکون ‘‘ترجمہ: یہ ما کان وما یکون کا علم ہے کہ حق تعالیٰ نے شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا، چنانچہ حدیثِ معراج میں ہے کہ ہم عرش کے نیچے تھے، ایک قطرہ ہمارے حلق میں ڈالا گیا، پس ہم نے سارے گزشتہ اور آئندہ کے واقعات معلوم کر لیے۔ (تفسیر قادری اردو ترجمہ تفسیر حسینی، سورۃ النساء، آیت 113، ج 1، ص 192)

غیب بتانے میں بخیل نہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾ ترجمہ: اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔ (پ 30، سورۃ التکویر، آیت 24)

تفسیر خازن اور تفسیر بغوی میں اس آیت کریمہ کے تحت لکھا ہے ’’اَنَّهُ يَأْتِيهِ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلا يبخل به عليهم بَلْ يُعَلِّمُكُمْ وَيُخْبِرُكُمْ بِه‘‘ ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علم غیب آتا ہے، پس وہ اس میں بخل نہیں کرتے بلکہ تمہیں سکھاتے ہیں اور اس کی خبر دیتے ہیں۔

(تفسیر خازن، ج 4، ص 399، دار الکتب العلمیہ، بیروت ☆ تفسیر بغوی، ج 6، ص 1006، دار السلام للنشر والتوزیع، ریاض)

ابتداءِ خلق سے دخول جنت ونار تک:

صحیح بخاری شریف میں حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ((قَامَ فِينَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَقَامًا، فَأَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الخَلْقِ، حَتَّى دَخَلَ أَهْلُ الجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ، وَأَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ، حَفِظَ ذَلِكَ مَنْ حَفِظَهُ، وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ)) ترجمہ: ایک بار سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں کھڑے ہو کر ابتدائے آفرینش سے لے کر جنتیوں کے جنت اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے تک کا حال ہم سے بیان فرما دیا، یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور بھول گیا جو بھول گیا۔

(صحیح بخاری، باب ما جاء فی قولہ تعالی ﴿وَہُوَ الَّذِی یَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیدُہُ وَہُوَ أَہْوَنُ عَلَیْہِ﴾،

ج 4،ص 106،مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

ایک مجلس میں ہر چیز کا بیان معجزہ ہے:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں:
یہ حدیث پاک اس کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی مجلس میں تمام مخلوق کے احوال جب سے خلقت شروع ہوئی اور جب تک فنا ہوگی اور جب اٹھائی جائے گی سب بیان فرمادیا اور یہ بیان مبدأ (مخلوق کے آغازِ پیدائش)، معاش (رہنے سہنے) اور معاد (قیامت کے دن اٹھنے) سب کو محیط تھا، ان سب کو خرقِ عادت ایک ہی مجلس میں بیان کر دینا نہایت عظیم معجزہ ہے۔

(فتح الباری، باب ماجاء فی قولہ تعالی ﴿وہو الذی یبدأ ...﴾، ج 6، ص 291، دار المعرفۃ، بیروت)

علم ماکان ومایکون:

صحیح مسلم میں ہے: ((أَبُو زَيْدٍ يَعْنِي عَمْرَو بْنَ أَخْطَبَ، قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْفَجْرَ، وَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتَّى حَضَرَتِ الظُّهْرُ، فَنَزَلَ فَصَلَّى، ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ، فَخَطَبَنَا حَتَّى حَضَرَتِ الْعَصْرُ، ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى، ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ، فَخَطَبَنَا حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ، فَأَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ فَأَعْلَمُنَا أَحْفَظُنَا)) ترجمہ: حضرت ابو زید یعنی عمرو بن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر تشریف فرما ہو کر ہمیں خطبہ دیتے رہے یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہوگیا، اتر کر نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ دیتے رہے یہاں تک کہ عصر کا وقت ہوگیا، اتر کر عصر کی نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے، تو غروبِ آفتاب تک ہمیں خطبہ دیتے رہے، اس خطبہ (بیان) میں ہمیں علمِ ماکان ومایکون (یعنی جو ہو چکا اور جو ہونا ہے) کی خبر دے دی، ہم میں سے زیادہ علم والا وہ ہے جس نے اس خطبے کو سب سے زیادہ یاد رکھا۔

(صحیح مسلم، باب اخبار النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، ج 4، ص 2217، دار احیاء التراث

العربی، بیروت)

کوئی پرندہ پر مارنے والا نہیں:

امام احمد نے مسند اور طبرانی نے معجم میں بسند صحیح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، فرماتے ہیں: ((لَقَدْ تَرَكَنَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَمَا يَتَقَلَّبُ فِي السَّمَاءِ طَائِرٌ إِلَّا ذَكَّرَنَا مِنْهُ عِلْمًا)) ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس حال پر چھوڑا کہ ہوا میں کوئی پرندہ پر مارنے والا ایسا نہیں جس کا علم حضور نے ہمارے سامنے بیان نہ فرما دیا ہو۔

(مسند احمد بن حنبل، عن ابی ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج5، ص153، المکتب الاسلامی، بیروت ☆ المعجم الکبیر للطبرانی، باب من غرائب مسند ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج 2، ص155، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

جو چاہو پوچھو:

صحیح بخاری میں ہے: ((عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ أَشْيَاءَ كَرِهَهَا فَلَمَّا أُكْثِرَ عَلَيْهِ غَضِبَ، ثُمَّ قَالَ لِلنَّاسِ: سَلُونِي عَمَّا شِئْتُمْ قَالَ رَجُلٌ: مَنْ أَبِي؟ قَالَ: أَبُوكَ حُذَافَةُ فَقَامَ آخَرُ فَقَالَ: مَنْ أَبِي يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَقَالَ: أَبُوكَ سَالِمٌ مَوْلَى شَيْبَةَ فَلَمَّا رَأَى عُمَرُ مَا فِي وَجْهِهِ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا نَتُوبُ إِلَى اللَّهِ عز وجل)) ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے سوالات کیے گئے جو آپ کو ناپسند تھے، جب سوالات زیادہ ہونے لگے تو آپ ناراض ہو گئے، پھر لوگوں سے فرمایا: جو چاہو مجھ سے پوچھ لو۔ ایک شخص عرض گزار ہوا: میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: تیرا باپ حذافہ ہے، ایک دوسرا آدمی کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا والد کون ہے؟ فرمایا: تمہارا والد سالم شیبہ کا آزاد کردہ غلام ہے، جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر غضب کے آثار دیکھے تو عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اللہ عزوجل کی

طرف توبہ کرتے ہیں۔

(صحیح بخاری، باب الغضب فی الموعظۃ والتعلیم، ج1، ص30، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

ہر چیز کا علم:

جامع ترمذی شریف وغیرہ کتب کثیرہ میں باسانید عدیدہ وطرق متنوعہ دس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((فَرَأَيْتُهُ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهِ بَيْنَ ثَدْيَيَّ، فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ)) ترجمہ: میں نے اللہ عزوجل کا دیدار کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت میرے کندھوں کے درمیان رکھا، میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی، پس میرے لیے ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے ہر چیز کو پہچان لیا۔

(جامع ترمذی، ج5، ص 221، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

امام ترمذی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں ''هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .سَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ هَذَا الحَدِيثِ، فَقَالَ:هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ'' ترجمہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے، میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی، ج5، ص 222، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

زمین وآسمان کا علم:

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ((فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ))
ترجمہ: میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

(سنن الترمذی، ج5، ص 222، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

حیات الانبیاء

سوال: کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیا علیہم السلام زندہ ہیں؟

جواب: جی ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام حیات حقیقی دنیاوی روحانی جسمانی سے زندہ ہیں، اپنے مزارات طیبہ میں نمازیں پڑھتے ہیں، روزی دیے جاتے ہیں، جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں، زمین و آسمان کی سلطنت میں تصرف فرماتے ہیں۔ (فتاوی رضویہ، ج14، ص685، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اُسی طرح بحیاتِ حقیقی زندہ ہیں، جیسے دنیا میں تھے، کھاتے پیتے ہیں، جہاں چاہیں آتے جاتے ہیں، تصدیقِ وعدہ الٰہیہ کے لیے ایک آن کو اُن پر موت طاری ہوئی، پھر بدستور زندہ ہوگئے، اُن کی حیات، حیاتِ شہدا سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے، فلھذا شہید کا ترکہ تقسیم ہوگا، اُس کی بی بی بعدِ عدت نکاح کرسکتی ہے بخلاف انبیا کے، کہ وہاں یہ جائز نہیں۔ (بہار شریعت، حصہ1، ص58تا60، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

حیاتِ انبیاء پر کچھ دلائل

مردہ نہ کہو:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں۔

(پ2، سورۃالبقرۃ، آیت 154)

مردہ خیال بھی نہ کرو:

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے

ہیں۔ (پ4،سورہ ال عمران،آیت169)

مذکورہ آیات سے وجہِ استدلال:

مذکورہ آیات سے فقہاء ومحدثین نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پر دوطریقوں سے استدلال کیا ہے:

(1) جب شہید زندہ ہیں تو انبیاء علیہم السلام تو بدرجۂ اولیٰ زندہ ہیں۔

(2) اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شہادت سے سرفراز فرمایا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال زہر آلودہ بکری کھانے کی وجہ سے ہوا، لہذا آپ بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: ((کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُولُ فِی مَرَضِهِ الَّذِی مَاتَ فِیهِ: یَا عَائِشَةُ مَا أَزَالُ أَجِدُ أَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِی أَکَلْتُ بِخَیْبَرَ، فَهَذَا أَوَانُ وَجَدْتُ انْقِطَاعَ أَبْهَرِی مِنْ ذَلِکَ السُّمِّ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرضِ وفات میں فرمایا کرتے تھے: اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! میں نے خیبر میں جو زہر آلود کھانا کھایا تھا اس کی تکلیف ہمیشہ محسوس کرتا رہا ہوں، اور اس وقت میں محسوس کر رہا ہوں کہ اس زہر سے میری رگِ جان منقطع ہو رہی ہے۔

(صحیح بخاری،باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ،ج6،ص9،دار طوق النجاۃ)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((لَأَنْ أَحْلِفَ تِسْعًا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قُتِلَ قَتْلًا أَحَبُّ إِلَیَّ مِنْ أَنْ أَحْلِفَ وَاحِدَةً أَنَّهُ لَمْ یُقْتَلْ، وَذَلِکَ بِأَنَّ اللهَ جَعَلَهُ نَبِیًّا وَاتَّخَذَهُ شَهِیدًا)) ترجمہ: نو مرتبہ اس بات پر حلف اٹھانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کیے گئے میرے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں ایک مرتبہ اس بات پر حلف اٹھاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید نہیں ہوئے، کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت اور شہادت دونوں سے سرفراز فرمایا ہے۔

(مسند احمد بن حنبل،مسند عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ،ج6،ص115،موسسۃ

الرسالہ،بیروت☆المستدرک للحاکم،کتاب المغازی والسرایا،ج 3، ص 60،دارالکتب العلمیہ، بیروت☆المعجم الکبیر للطبرانی،باب من روی عن ابن مسعود انہ لم یکن مع الخ،ج 10، ص109، مکتبہ ابن تیمیہ،القاہرہ☆مسند ابی یعلی الموصلی،مسند عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ج 9،ص132،دارالمأمون للتراث،دمشق)

امام حاکم اورامام ذہبی نے اس روایت کو بخاری ومسلم کی شرط پرصحیح قراردیا ہے۔

(المستدرک للحاکم ،کتاب المغازی والسرایا،ج3،ص60،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

فقیہ ومحدث علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں''فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى قَالَ فِي حَقِّ الشُّهَدَاءِ مِنْ أُمَّتِهِ ﴿بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾فَكَيْفَ سَيِّدُهُمْ بَلْ رَئِيسُهُمْ :لِأَنَّهُ حَصَلَ لَهُ أَيْضًا مَرْتَبَةُ الشَّهَادَةِ مَعَ مَزِيدِ السَّعَادَةِ بِأَكْلِ الشَّاةِ الْمَسْمُومَةِ وَعَوْدِ سُمِّهَا الْمَغْمُومَةِ''ترجمہ:امت محمدی کے شہداء کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:(بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں،روزی پاتے ہیں)تو ان کے سردار بلکہ ان کے رئیس کے لیے کیا مرتبہ ہوگا کیونکہ انہیں دیگر فضیلتوں کے ساتھ ساتھ شہادت کا مرتبہ بھی حاصل ہوا ہے کہ ایک دفعہ زہر آلود بکری کا گوشت تناول فرمالیا تھا جس کا زہر آخری عمر میں لوٹ آیا تھا۔

(مرقاۃ المفاتیح،باب الجمعۃ،ج 3،ص 1020،دارالفکر،بیروت)

عظیم محدث امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کولکھ کرفرماتے ہیں''وَالْأَنْبِيَاءُ أَوْلَى بِذَلِكَ، فَهُمْ أَجَلُّ وَأَعْظَمُ، وَمَا نَبِيٌّ إِلَّا وَقَدْ جَمَعَ مَعَ النُّبُوَّةِ وَصْفَ الشَّهَادَةِ، فَيَدْخُلُونَ فِي عُمُومِ لَفْظِ الْآيَةِ''ترجمہ:انبیاء بدرجہ اولیٰ زندہ ہیں کہ وہ مرتبے میں ان سے بڑھ کر ہیں،(بلکہ)کوئی ایسا نبی نہیں جس کے وصفِ نبوت کے ساتھ شہادت جمع نہ ہوئی ہو پس انبیاء بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہوں گے۔

(الحاوی للفتاوی،الانباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء،ج2،ص180،دارالفکر،بیروت)

اللہ کا نبی زندہ ہے:

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:((إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ، فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ

یُـــرْزَق)) ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام کھانے کو حرام کر دیا ہے، پس اللہ کا نبی زندہ ہے رزق دیا جاتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ، باب ذکر وفاتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج 1، ص 524، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

قبر میں نماز:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَرَرْتُ عَلَى مُوسَى وَهُوَ يُصَلِّي فِي قَبْرِه)) ترجمہ: (معراج کی رات) میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح مسلم، باب من فضائل موسی علیہ السلام، ج 4، ص 1845، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

تمام انبیاء مسجد اقصیٰ میں:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ((ثُمَّ دَخَلْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَجُمِعَ لِيَ الْأَنْبِيَاءُ علیہم السلام فَقَدَّمَنِي جِبْرِيلُ حَتَّى أَمَمْتُهُمْ)) ترجمہ: پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا، پس میرے لیے انبیاء علیہم السلام کو جمع کیا گیا، تو مجھے جبریل علیہ السلام نے آگے کیا یہاں تک کہ میں نے سب کی امامت کروائی۔

(سنن نسائی، فرض الصلوۃ وذکر الاختلاف، ج 1، ص 221، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

انبیاء زندہ ہیں:

امام بزار ''مسند بزار'' میں، امام ابویعلیٰ موصلی ''مسند ابی یعلیٰ'' میں اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''حیاۃ الانبیاء فی قبورھم'' میں روایت نقل کرتے ہیں: ((الْأَنْبِيَاءُ فِي قُبُورِهِمْ أَحْيَاءٌ يُصَلُّونَ)) ترجمہ: انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں

نمازیں پڑھتے ہیں۔

(مسند بزار، مسند ابی حمزہ انس، ج 13، ص 62، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورہ☆مسند ابی یعلی، ثابت البنانی عن انس رضی اللہ عنہ، ج 6، ص 147، دارالمامون للتراث، دمشق☆حیاۃ الانبیاء فی قبورہم للبیہقی، باب الانبیاء فی قبورہم احیاء یصلون، ج 1، ص 74، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورہ)

شیخ محقق کا موقف:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''مدارج النبوۃ'' میں فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کی حیات وزندگی کا ثبوت علماءِ امت کا اجماعی مسئلہ ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں، اس لیے کہ انبیاء کی زندگی شہداء اور مجاہدین کی زندگی سے زیادہ کامل اور قوی تر ہے، شہداء کی زندگی تو معنوی اور اخروی ہے مگر انبیاء کی زندگی حسی اور دنیاوی زندگی ہے، اس بارے میں احادیث وآثار وارد ہیں۔ (مدارج النبوہ مترجم، ج 2، ص 747)

محبوبانِ خدا کا وسیلہ

سوال : کیا اللہ تعالی کی بارگاہ میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرحمۃ کا وسیلہ پیش کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟

جواب : جی ہاں! وسیلہ کا ثبوت قرآن وحدیث میں موجود ہے۔اس پر کچھ دلائل درج ذیل ہیں:

وسیلہ تلاش کرو:

قرآن پاک میں ہے﴿یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوا إِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ﴾ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

(سورۃ المائدہ، سورت 5، آیت 35)

اعمال کا مقبول ہونا یقینی نہیں ۔جب ان کو وسیلہ بنا سکتے ہیں تو وہ ہستیاں جو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں یقیناً مقبول ہیں ان کا وسیلہ بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔تفسیر روح البیان میں اس آیت کی تفسیر میں ہے"واعلم ان الآیۃ الکریمۃ صرحت بالامر بابتغاء الوسیلۃ ولا بد منھا البتۃ فان الوصول الی اللہ تعالی لا یحصل الا بالوسیلۃ وھی علماء الحقیقۃ ومشایخ الطریقۃ "ترجمہ: جان لو کہ اس آیت میں وسیلہ ڈھونڈنے کی صراحت ہے ،بغیر اس کے چارہ نہیں اور اللہ عزوجل تک پہنچنا بغیر وسیلہ کے حاصل نہیں ہوتا اور وسیلہ علماءِ حقیقت اور مشائخ طریقت ہیں۔

(روح البیان ،فی التفسیر،سورۃ المائدہ،سورت 5،آیت 35،ج 2،ص 387،دارالفکر،بیروت)

بعثت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل یہودی ان کے توسل سے دعا کرتے تھے۔قرآن پاک میں ہے﴿وَلَمَّا جَاءَ ھُمْ کِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ وَکَانُوا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوا﴾ترجمہ کنزالایمان: اور جب ان

کے پاس اللہ کی وہ کتاب (قرآن) آئی جو ان کے ساتھ والی کتاب (توریت) کی تصدیق فرماتی ہے اور اس سے پہلے وہ اسی نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔

(سورۃ البقرۃ، سورت 2، آیت 89)

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 310ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اوس اور خزرج قبیلوں پر فتح حاصل کرنے کے لیے دعائیں کرتے تھے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں مبعوث ہوئے تو انہوں نے آپ کے ساتھ کفر کیا اور جو کہتے تھے اس کا انکار کر دیا۔ حضرت معاذ بن جبل اور بنی سلمہ کے بھائی بشر بن براء بن معرور نے کہا: اے یہودیو! اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کر لو، تم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہم پر فتح مانگتے رہے ہو اور اس وقت ہم مشرک تھے اور تم ہمیں بتاتے تھے کہ وہ مبعوث ہونے والے ہیں اور ہمیں ان کی صفات بیان کرتے تھے۔

(تفسیر طبری، تحت آیت مذکورہ، ج 2، ص 332، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آجاؤ:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ ترجمہ: اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو اے محبوب آپ کی بارگاہ میں آجائیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائیں گے۔

(پ 5، سورۃ النساء، آیت 64)

امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی 671ھ) نے اس آیت پاک کے تحت یہ روایت نقل کی ہے:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کرنے کے تین دن بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا، اور روضہ شریفہ کی خاک پاک اپنے سر پر ڈالی اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو آپ نے فرمایا ہم نے سنا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے یاد کیا اور ہم نے آپ سے یاد کیا، اور جو آپ پر نازل ہوا اس میں یہ آیت بھی ہے ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا﴾ میں نے بے شک اپنی جان پر ظلم کیا اور آپ کے حضور میں اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہنے حاضر ہوا تو میرے رب سے میرے گناہ کی بخشش کرائیے، اس پر قبر شریف سے ندا آئی کہ تیری بخشش کی گئی۔

(الجامع لاحکام القرآن لقرطبی، تحت الآیۃ ولو انھم اذ ظلموا۔۔۔، ج5، ص265 266 دار الکتب المصریہ، القاہرہ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا توسل کرنا:

صحیح البخاری میں ہے: ((أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صلی اللہ علیہ وسلم فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ: فَيُسْقَوْنَ)) ترجمہ: بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قحط کے زمانہ میں حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگتے اور عرض کرتے ہم تیری طرف اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بناتے تھے تو تو سیراب فرماتا تھا۔ اب ہم تیری بارگاہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا (حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو وسیلہ بناتے ہیں تو ہمیں سیراب فرمادے۔ تو راوی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سیراب (بارش نازل) فرمادیتا تھا۔

(صحیح البخاری، ج1، ص137، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود وسیلہ سکھانا:

حدیث پاک میں ہے:((عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ أَنَّ رَجُلًا ضَرِيرَ الْبَصَرِ أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ :ادْعُ اللَّهَ لِي أَنْ يُعَافِيَنِي فَقَالَ :إِنْ شِئْتَ أَخَّرْتُ لَكَ وَهُوَ خَيْرٌ، وَإِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ فَقَالَ :ادْعُهُ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ وُضُوءَهُ وَيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ، وَيَدْعُو بِهَذَا الدُّعَاءِ:اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ لِتُقْضَى، اللَّهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ))ترجمہ:حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،ایک نابینا آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی: میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے عافیت دے۔فرمایا: اگر تو چاہے تو میں تمہارے لیے دعا کو مؤخر کردوں اور یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر چاہے تو دعا کروں۔اس نے عرض کیا:دعا فردیں۔تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور اس طرح دعا کرو: اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں بوسیلہ تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ مہربانی کے نبی ہیں، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں توجہ کرتا ہو کہ میری حاجت روا ہو۔الٰہی ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

(سنن ابن ماجہ،باب ماجاء فی صلوۃ الحاجۃ،ج 1،ص 441،دار احیاء الکتب العربیہ،بیروت ☆ جامع ترمذی، کتاب الدعوات،باب فی دعاء الضیف،ج 5،ص 461،دار الغرب الاسلامی، بیروت ☆ مسند احمد بن حنبل،حدیث عثمان بن حنیف،ج 28،ص 478،مؤسسۃ الرسالہ،بیروت ☆ صحیح ابن خزیمہ،باب صلوۃ الترغیب والترہیب ،ج 2،ص 225،المکتب الاسلامی،بیروت ☆ المستدرک ،کتاب صلوۃ التطوع،باب دعاء ردالبصر،ج 1،ص 458،دار الکتب العلمیہ،بیروت ☆ دلائل النبوہ،باب مافی تعلیمہ الضریر ماکان فیہ،ج 6،ص 166،دار الکتب العلمیہ،بیروت)

سنن ابن ماجہ میں اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے"قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ :هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ"ترجمہ:امام ابو اسحٰق نے کہا:یہ صحیح حدیث ہے۔

(سنن ابن ماجہ،باب ماجاء فی صلوۃ الحاجۃ،ج 1،ص 441،دار احیاء الکتب العربیہ،بیروت)

امام حاکم نے اس حدیث کے بارے میں لکھا "هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ" ترجمہ: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

(المستدرك، كتاب صلوة التطوع، باب دعاء رد البصر، ج1، ص458، دار الكتب العلميه، بيروت)

امام ترمذی نے اس کے بارے میں کہا "هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ" ترجمہ: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(جامع ترمذى، كتاب الدعوات، باب فى دعاء الضيف، ج5، ص461، دار الغرب الاسلامى، بيروت)

وصالِ ظاہری کے بعد وسیلہ:

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((أَنَّ رَجُلًا، كَانَ يَخْتَلِفُ إِلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ فِي حَاجَةٍ لَهُ فَكَانَ عُثْمَانُ لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهِ وَلَا يَنْظُرُ فِي حَاجَتِهِ فَلَقِيَ ابْنَ حُنَيْفٍ فَشَكَى ذٰلِكَ إِلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ عُثْمَانُ بْنُ حُنَيْفٍ: ائْتِ الْمِيضَأَةَ فَتَوَضَّأْ، ثُمَّ ائْتِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ قُلْ: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي فَتَقْضِي لِي حَاجَتِي وَتَذْكُرُ حَاجَتَكَ وَرُحْ حَتَّى أَرُوحَ مَعَكَ، فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ فَصَنَعَ مَا قَالَ لَهُ، ثُمَّ أَتَى بَابَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ، فَجَاءَ الْبَوَّابُ حَتَّى أَخَذَ بِيَدِهِ فَأَدْخَلَهُ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ، فَأَجْلَسَهُ مَعَهُ عَلَى الطِّنْفِسَةِ فَقَالَ: حَاجَتُكَ؟ فَذَكَرَ حَاجَتَهُ وَقَضَاهَا لَهُ، ثُمَّ قَالَ لَهُ: مَا ذَكَرْتُ حَاجَتَكَ حَتَّى كَانَ السَّاعَةُ وَقَالَ: مَا كَانَتْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ فَأْذْكُرْهَا، ثُمَّ إِنَّ الرَّجُلَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهِ فَلَقِيَ عُثْمَانَ بْنَ حُنَيْفٍ فَقَالَ لَهُ: جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا مَا كَانَ يَنْظُرُ فِي حَاجَتِي وَلَا يَلْتَفِتُ إِلَيَّ حَتَّى كَلَّمْتَهُ فِيَّ، فَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ حُنَيْفٍ: وَاللّٰهِ مَا كَلَّمْتُهُ، وَلٰكِنِّي شَهِدْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَتَاهُ ضَرِيرٌ فَشَكَى إِلَيْهِ ذَهَابَ بَصَرِهِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم: فَتَصَبَّرْ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، لَيْسَ لِي قَائِدٌ وَقَدْ شَقَّ عَلَيَّ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم: ائْتِ الْمِيضَأَةَ فَتَوَضَّأْ، ثُمَّ

صَلِّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ ادْعُ بِهٰذِهِ الدَّعَوَاتِ قَالَ ابْنُ حُنَيْفٍ .فَوَاللهِ مَا تَفَرَّقْنَا وَطَالَ بِنَا الْحَدِيثُ حَتّٰى دَخَلَ عَلَيْنَا الرَّجُلُ كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِهِ ضُرٌّ قَطُّ)) ترجمہ:ایک حاجتمند اپنی حاجت کے لیے امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آتا جاتا، امیر المومنین نہ اس کی طرف التفات فرماتے نہ اس کی حاجت پر نظر فرماتے، اس نے عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس امر کی شکایت کی، انہوں نے فرمایا وضو کر کے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ پھر دعا مانگ :الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے توجہ کرتا ہوں، یارسول اللہ! میں حضور کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ میری حاجت روا فرمایئے۔اور اپنی حاجت ذکر کر، پھر شام کو میرے پاس آنا کہ میں بھی تیرے ساتھ چلوں۔ حاجتمند نے (کہ وہ بھی صحابی یا کبار تابعین میں سے تھے۔) یوں ہی کیا، پھر آستانِ خلافت پر حاضر ہوئے، دربان آیا اور ہاتھ پکڑ کر امیر المومنین کے حضور لے گیا، امیر المومنین نے اپنے ساتھ مسند پر بٹھالیا، مطلب پوچھا، عرض کیا، فوراً روا فرمایا، اور ارشاد کیا اتنے دنوں میں اس وقت اپنا مطلب بیان کیا، پھر فرمایا: جو حاجت تمہیں پیش آیا کرے ہمارے پاس چلے آیا کرو۔ یہ صاحب وہاں سے نکل کر عثمان بن حنیف سے ملے اور کہا اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے امیر المومنین میری حاجت پر نظر اور میری طرف توجہ نہ فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ نے ان سے میری سفارش کی، عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں نے تو تمہارے معاملے میں امیر المومنین سے کچھ بھی نہ کہا مگر ہوا یہ کہ میں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا حضور کی خدمتِ اقدس میں ایک نابینا حاضر ہوا اور نابینائی کی شکایت کی حضور نے یونہی اس سے ارشاد فرمایا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے پھر یہ دعا کرے۔ خدا کی قسم ہم اُٹھنے بھی نہ پائے تھے باتیں ہی کر رہے تھے کہ وہ ہمارے پاس آیا گویا کبھی وہ اندھا نہ تھا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، ما اسند عثمان بن حنیف، ج9، ص30، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

امام منذری اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں ''قَالَ الطَّبَرَانِيُّ بعد ذکر

طرقه والحَدِیث صَحِیح ”ترجمہ: امام طبرانی نے اس کے طرق ذکر کرنے کے بعد کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(الترغیب والترہیب، کتاب النوافل الترغیب فی المحافظۃ، ج 1، ص273، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

نور وبشر

سوال: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو تخلیق فرمایا۔

سوال: یہ مضمون کس حدیث پاک میں موجود ہے؟

جواب: امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استاذ اور امام بخاری و امام مسلم کے استاذ الاستاذ حافظ الحدیث عبدالرزاق ابوبکر بن ہمام نے اپنی مصنف میں روایت بیان کی ہے: ((عبد الرزاق عن معمر عن ابن المنکدر عن جابر قال: سألت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن اول شئی خلقه الله تعالیٰ؟ فقال: هو نور نبیك یا جابر خلقه الله۔۔۔۔ الخ)) ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا؟ آپ نے فرمایا: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا۔

(الجزء المفقود من المصنف عبد الرزاق، حدیث نمبر 18، ص 63،64، مؤسسۃ الشرف، لاہور)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1052ھ) مدارج النبوۃ میں نقل کرتے ہیں "در حدیث صحیح وارد شدہ کہ ((اول ما خلق الله نوری))" ترجمہ: صحیح حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔

(مدارج النبوۃ، قسم دوم، باب اول، ج 2، ص 2، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد)

امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں "یہ حدیث (1) امام بیہقی نے بھی "دلائل النبوۃ" میں بنحوہٖ (اسی طرح) روایت کی، اجلہ ائمہ دین مثل (2) امام قسطلانی "مواہب لدنیہ" اور (3) امام ابن حجر مکی "افضل القریٰ" اور (4) علامہ فاسی

''مطالع المسرات'' اور (5) علامہ زرقانی ''شرح مواہب'' اور (6) علامہ دیار بکری ''خمیس'' اور (7) شیخ محقق دہلوی ''مدارج'' وغیرہا میں اس حدیث سے استناد اور اس پر تعویل واعتماد فرماتے ہیں۔

بالجملہ اس روایت کو تلقی امت بالقبول کا منصب جلیل حاصل ہے تو بلاشبہ حدیث حسن صالح مقبول معتمد ہے۔ تلقی علماء بالقبول وہ شئے عظیم ہے جس کے بعد ملاحظۂ سند کی حاجت نہیں رہتی بلکہ سند ضعیف بھی ہو تو حرج نہیں کرتی۔

(فتاوی رضویہ، ج30، ص659، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: کیا قرآن مجید میں بھی کسی مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کہا گیا ہے؟

جواب: جی ہاں! اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿قَدْ جَاءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ﴾ ترجمہ: یقیناً آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب۔

(سورۃ المائدہ، آیت 15)

جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں نور سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ((﴿قَدْ جَاءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ﴾ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم)) ترجمہ: تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

(تفسیر ابن عباس، ج1، ص90، مطبوعہ لبنان)

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 310ھ) ''تفسیر طبری'' میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: ''یعنی بالنور، محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم'' ترجمہ: یعنی نور سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا مراد ہے۔

(تفسیر طبری، جلد10، صفحہ143، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 468ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں'' ﴿قَدْ جَاءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ﴾ یعنی: النبی صلی اللہ علیہ وسلم '' ترجمہ: تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف

لائے۔

(الوجیز، ج1، ص313، دار القلم، بیروت)

محی السنہ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 510ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں "﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ﴾ يَعْنِي: مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقِيلَ: الْإِسْلَامُ " ترجمہ: یہاں نور سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ یہاں نور سے مراد اسلام ہے۔

(تفسیر بغوی، ج2، ص32، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

سوال: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بشر ہونے کا انکار کرنا کیسا؟

جواب: حضور سراپا نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشری صورت ہی میں دنیا میں تشریف لائے، جو مطلقاً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بشر ہونے کا انکار کرے کافر ہے، مگر آپ کی بشریت بے شمار فضائل و برکات کی جامع ہے، اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان مقدس ہستیوں کو اپنی مثل بشر کہتا پھرے، کیونکہ انہوں نے جو کلمات اپنے لیے ادا کیے وہ بطور تواضع تھے، اگر کسی نے گستاخی اور توہین کے طور پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی مثل بشر کہا تو کافر ہے، قرآن مجید فرقان حمید میں انبیاء کو بے ادبی اور تنقیص شان کے طور بشر کہنے والوں کو کافر قرار دیا دیکھیے سورہ ہود، سورہ یاسین، حم سجدہ ان مبارک سورتوں میں متعدد مقامات پر کفار کا قول بیان کیا گیا کہ یہ انبیاء کرام کو اپنی طرح کا بشر کہتے تھے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جو یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت ظاہری بشری ہے حقیقت باطنی بشریت سے ارفع و اعلیٰ ہے یا یہ کہ حضور اوروں کی مثل بشر نہیں وہ سچ کہتا ہے اور جو مطلقاً حضور سے بشریت کی نفی کرے وہ کافر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قل سبحٰن ربی ھل کنت الا بشرا رسولا﴾ ترجمہ: تم فرماؤ پاکی ہے میرے رب کو میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا۔

(فتاوی رضویہ، ج14، ص359، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مزید فرماتے ہیں:

واقعی جب ان خبثاء (کفار) کے نزدیک وحی نبوت باطل تھی تو انہیں اپنی اسی بشریت کے سوا کیا نظر آتا لیکن ان سے زیادہ دل کے اندھے وہ کہ وحی ونبوت کا اقرار کریں اور پھر انہیں اپنا ہی سا بشر جانیں، زید کو ﴿قل انما انا بشر مثلکم﴾ سوجھا اور ﴿یوحی الی﴾ نہ سوجھا جو غیر متناہی فرق ظاہر کرتا ہے، زید نے اتنا ہی ٹکڑا لیا جو کافر لیتے تھے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملکیت سے اعلیٰ ہے وہ ظاہری صورت میں ظاہر بینوں کی آنکھوں میں بشریت رکھتے ہیں جس سے مقصود خلق کا ان سے انس حاصل کرنا اوران سے فیض پانا، ولہذا ارشاد فرماتا ہے ﴿ولو جعلناہ ملکا لجعلنہ رجلا وللبسنا علیھم مایلبسون﴾ اور اگر ہم فرشتے کو رسول کر کے بھیجتے تو ضرور اسے مرد ہی کی شکل میں بھیجتے اور ضرور انھیں اسی شبہہ میں رکھتے جس دھوکے میں اب ہیں۔

ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی ظاہری صورت دیکھ کر انھیں اوروں کی مثل سمجھنا ان کی بشریت کو اپنا سا جاننا ظاہر بینوں کور باطنوں کا دھوکا ہے یہ شیطان کے دھوکے میں پڑے ہیں ----- ان کا کھانا پینا سونا یہ افعال بشری اس لئے نہیں کہ وہ ان کے محتاج ہیں حاشا، ((لست کاحدکم انی ابیت عندربی یطعمنی ویسقینی)) ترجمہ: میں تمہاری طرح نہیں ہوں میں اپنے رب کے ہاں رات بسر کرتا ہوں وہ مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔

(مسند امام احمد بن حنبل، از مسند ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج2، ص244، دارالفکر بیروت)

ان کے یہ افعال بھی اقامت سنت وتعلیم امت کے لئے تھے کہ ہر بات میں طریقہ محمودہ لوگوں کو عملی طور سے دکھائیں۔

(فتاوی رضویہ، جلد14، صفحہ662، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: کیا ایک شخصیت نور و بشر ہو سکتی ہے، کیا نور لباسِ بشریت میں آسکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! نور لباس بشریت میں آسکتا ہے، جبرئیل علیہ السلام نور ہیں،

اس میں کسی کا اختلاف نہیں، یہ بات قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ آپ علیہ السلام کئی بار لباس بشریت میں تشریف لائے، بلکہ قرآن مجید میں آپ پر بشر کا اطلاق کیا گیا۔

(1) حضرت جبریل علیہ السلام جب حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے، اللہ تعالیٰ حضرت جبریل علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ﴿فتمثل لها بشرا سویا﴾ ترجمہ: تو وہ اس کے سامنے تندرست بشر کی شکل میں ظاہر ہوا۔

(پ16، سورۃ مریم، آیت17)

(2) حضرت جبریل علیہ السلام بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں آتے۔

(صحیح بخاری، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، ج4، ص206، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

(3) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بیٹھے تھے: ((إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعَرِ، لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ، وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ)) ترجمہ: اچانک ایک شخص سفید لباس میں ملبوس، کالے سیاہ بالوں والا آیا، اس پر سفر کے اثرات بھی نہ تھے اور ہم میں سے کوئی پہچانتا بھی نہ تھا۔

وہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں دوزانو ہوکر بیٹھ گیا، سولات کیے، اس کے بعد چلا گیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جانتے ہو یہ سائل کون تھا، عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، ارشاد فرمایا: ((فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ)) ترجمہ: وہ جبرئیل علیہ السلام تھے، تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

(صحیح مسلم، باب معرفۃ الایمان والاسلام، ج1، ص36، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

جب جبریل علیہ السلام کے لباس بشریت میں آنے اور قرآن مجید میں آپ پر بشر کا اطلاق ہونے سے آپ کی نورانیت میں فرق نہیں آیا تو حضور نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس بشریت میں آنے اور قرآن مجید میں آپ پر بشر کہنے سے آپ کی نورانیت میں کیسے فرق آسکتا ہے۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے تو کھاتے پیتے کیوں تھے؟

جواب :اصول ہے کہ جو چیز جس لباس میں ہوتی ہے اس کے لوازم بھی اس کے ساتھ ہوتے ہیں، یہ اصول بھی قرآن مجید سے ماخوذ ہے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کے سانپوں کے سامنے اپنا عصا پھینکا، وہ اژدھے کی شکل اختیار کر گیا اور سانپوں کو کھا گیا، پھر جب پکڑا تو دوبارہ عصا بن گیا۔ قرآن مجید میں ہے ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ﴾ ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ اپنا عصا ڈال تو ناگاہ ان کی بناوٹوں کو نگلنے لگا۔ (سورۃ الاعراف، آیت 117)

دیکھیں عصا (لاٹھی) کا کام کھانا پینا نہیں، مگر جب وہ اژدھے کے لباس میں ہے تو سانپوں کو کھاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جو چیز جس لباس میں ہوتی اس کے لوازم بھی اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔

کھانا پینا بشریت کے لوازم میں سے ہے، نور کھاتا پیتا نہیں، مگر جب نور لباسِ بشریت میں آتا ہے تو بشریت کے لوازم بھی ساتھ ہوتے ہیں، بھوک بھی لگتی ہے، پیاس بھی لگتی ہے۔ ہاں جب نورانیت کا غلبہ ہوتا ہے تو یوم وصال کے روزے رکھتے ہیں یعنی بغیر افطار کے لگاتار روزے رکھتے ہیں، صحابہ کرام اجازت مانگتے ہیں تو ان کو ارشاد ہوتا ہے: ((أَيُّكُمْ مِثْلِي)) ترجمہ: تم میں سے میری مثل کون ہے۔

(صحیح بخاری، باب التنکیل لمن اکثر الوصال، ج3، ص 37، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

ندا کرنا

سوال: کیا دور و نزدیک سے محبوبانِ خدا کو ندا کرنا بالخصوص "یارسول اللہ" کہنا جائز ہے؟

جواب: جی ہاں، محبوبانِ خدا کو دور و نزدیک سے ندا کرنا، "یارسول اللہ" کہنا بالکل جائز و درست اور حصول برکات کا ذریعہ ہے، اس پر کچھ دلائل درج ذیل ہیں:

حیاتِ ظاہری میں یا کے ساتھ ندا:

صحیح مسلم میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ پاک میں داخل ہوئے تو: ((فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ فَوْقَ الْبُيُوتِ وَتَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخَدَمُ فِي الطُّرُقِ، يُنَادُونَ: يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللهِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللهِ)) ترجمہ: عورتیں اور مرد چھتوں پر چڑھ گئے، بچے اور غلام گلی کوچوں میں متفرق ہو گئے نعرے لگاتے پھرتے تھے یا محمد یارسول اللہ یا محمد یارسول اللہ۔

(صحیح مسلم، ج2، ص419، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اے نبی آپ پر سلام ہو:

صحیح بخاری میں ہے: ((قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قُلْنَا: السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّلَامُ، فَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ، فَلْيَقُلْ: التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ، فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمُوهَا أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلَّهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ)) ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب ہم نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے تو (قعدہ میں) کہتے کہ حضرت جبریل ومیکائیل پر سلام ہو، فلاں اور فلاں پر سلام ہو۔ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: بے شک اللہ ہی سلام ہے، جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اس طرح کہے: التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، **السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ** وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، جب تم اس طرح کہو گے تو تمہارا سلام زمین وآسمان میں موجود اللہ کے ہر نیک بندے کو پہنچ جائے گا (پھر کہو) أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُه۔

(صحیح بخاری، باب التشہد فی الآخیرہ، ج1، ص166، مطبوعہ دارطوق النجاۃ)

اس حدیث پاک سے چند فائدے حاصل ہوئے:

(1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی بارگاہ میں ندا کر کے سلام کرنے کی تعلیم ارشاد فرمائی ہے۔

(2) اس حدیث پاک کی رو سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات ظاہری میں، وصال ظاہری کے بعد، قریب سے، دور سے، ہر طرح ندا کی جاسکتی ہے۔

(3) ''السلام علیك ایها النبی'' اور'' الصلوة والسلام علیك یارسول الله'' خطاب کر کے حرف ندا کے ساتھ حضور کی بارگاہ میں سلام بھیجنے میں یکساں ہیں، جب پہلا درست ہے تو دوسرا بھی صحیح ہے۔

(4) امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ''حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نداء کرنے کے عمدہ دلائل سے'' التحیات'' ہے جسے ہر نمازی ہر نماز کی دو رکعت پر پڑھتا ہے اور اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم سے عرض کرتا ہے: السلام علیك ایهاالنبی و رحمة اللّٰہ وبرکاته ۔سلام آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔

اگر ندا معاذ اللہ شرک ہے، تو یہ عجب شرک ہے کہ عین نماز میں شریک و داخل

ہے۔ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(فتاوی رضویہ، ج29، ص566، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

روضہ اقدس پر یارسول اللہ کہہ کر پکارنا:

حضرت مالک الدار سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((**أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَنِ عُمَرَ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ** صلی اللہ علیہ وسلم **فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! اسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا، فَأَتَى الرَّجُلَ فِي الْمَنَامِ فَقِيلَ لَهُ: ائْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ، وَأَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مُسْتَقِيمُونَ وَقُلْ لَهُ: عَلَيْكَ الْكَيْسُ، عَلَيْكَ الْكَيْسُ "، فَأَتَى عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ فَبَكَى عُمَرُ ثُمَّ قَالَ: يَا رَبِّ لَا آلُو إِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ**)) ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں لوگوں پر قحط پڑھ گیا۔ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آیا اور کہا **یارسول اللہ** صلی اللہ علیہ وسلم ! اللہ عزوجل سے اپنی امت کے لئے بارش طلب کریں کہ یہ ہلاک ہورہے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آدمی کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا عمر کو میرا اسلام کہنا اور اسے خبر دینا کہ بارش ہوگی، اور یہ بھی کہنا کہ نرمی اختیار کرے، اس شخص نے حاضر ہوکر خبر دی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر روئے، پھر کہا: اے میرے رب! میں کوتاہی نہیں کرتا مگر اس چیز میں جس سے میں عاجز ہوں۔

(مصنف ابن شیبہ، کتاب الفضائل، ماذکر فی فضل عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جلد 12، صفحہ 32، الدار السلفیہ، الہندیہ)

بیابان جنگل میں اکیلے مدد کے لئے پکارنا:

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((**إِذَا أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ أَحَدُكُمْ عَوْنًا وَهُوَ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا أَنِيسٌ، فَلْيَقُلْ: يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونِي، يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونِي، فَإِنَّ لِلَّهِ عِبَادًا لَا نَرَاهُمْ**))وَقَدْ جُرِّبَ ذَلِكَ۔ترجمہ: جب تم میں سے کوئی شخص کسی چیز کو گم کردے یا اسے مدد کی

حاجت ہو اور وہ ایسی جگہ ہو جہاں کوئی ہمدم نہیں تو اسے چاہئے یوں پکارے: اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ کہ اللہ کے کچھ بندے ہیں جنھیں یہ نہیں دیکھتا وہ اس کی مدد کرینگے۔ یہ پکار مجرب (تجربہ شدہ) ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، ماأسند عتبہ بن غزوان، ج17، ص117، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور نداء:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 256ھ) نے "الادب المفرد" میں روایت نقل کی ہے: ((خَدِرَتْ رِجْلُ ابْنِ عُمَرَ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: اذْكُرْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْكَ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّد)) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پاؤں سو گیا، ایک آدمی نے ان سے کہا: انہیں یاد کیجئے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ حضرت نے کہا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)!۔

(الادب المفرد، باب مایقول الرجل اذا خدرت رجلہ، ج1، ص335، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت)

حاضر وناظر

سوال: کیا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر وناظر ہیں؟

جواب: جی ہاں! اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں۔

سوال: حاضر وناظر کا مطلب کیا ہے؟

جواب: حاضر وناظر کا مطلب یہ ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر انور میں موجود ہیں اور تمام عالم کو اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے ہتھیلی میں کوئی چیز اور جس جگہ چاہتے ہیں تشریف لے جاتے ہیں۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حاضر وناظر کا معنی بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں "جہاں تک ہماری نظر کام کرتی ہے وہاں تک ہم ناظر ہیں اور جس جگہ تک ہماری دسترس ہو کہ تصرف کرلیں وہاں ہم حاضر ہیں۔۔۔ عالم میں حاضر وناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ قوتِ قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کفِ دست (ہاتھ کی ہتھیلی) کی طرح دیکھے اور۔۔۔ ایک ہی آن میں تمام عالم کی سیر کرے اور صدہا کوس پر حاجتمندوں کی حاجت روائی کرے۔"

(جاء الحق ،ص349،مکتبہ غوثیہ، کراچی)

معلوم ہوا کہ حاضر وناظر کی دو شقیں ہیں:

(1) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روضہ انور میں رہ کر تمام عالم کو دیکھ رہے ہیں۔

(2) جہاں چاہیں، جب چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں۔

نوٹ: اہل سنت کا یہ عقیدہ نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جسم اقدس کے ساتھ ہر جگہ تشریف فرما ہیں، ہاں جہاں چاہتے ہیں تشریف لے جاتے ہیں۔

<u>پہلی شق پر دلائل</u>:

سوال: پہلی شق پر کیا دلائل ہیں؟

جواب :اس پر قرآن وحدیث سے متعدد دلائل موجود ہیں،جن میں سے چند دلائل درج ذیل ہیں:

حاضر وناظر بنا کر بھیجا:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشادفرماتا ہے:﴿یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ إِنَّا أَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِیرًا o وَدَاعِیًا إِلَی اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُنِیرًا ﴾ترجمۂ کنز الایمان:اے غیب کی خبریں بتانے والے(نبی)!بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتااور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکادینے والا آفتاب۔

(پ22،سورۃ الاحزاب،آیت45,46)

علامہ ابوسعود العمادی (متوفی 982ھ) نے تفسیر ابوسعود میں،علامہ محمود آلوسی(متوفی 1270) نے تفسیر روح المعانی میں شاہد کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے''(شاهداً)علی مَن بُعثتَ إلیهم تُراقبُ أحوالهم وتُشاهدُ أعمالَهم وتتحمَّلُ منهم الشَّهادةَ بما صدرَ عنهُم منَ التَّصدیقِ والتَّکذیبِ وسائرِ ما هُم علیهِ من الهدی والضَّلالِ وتُؤدِّیها یومَ القیامةِ أداءً مقبولاً فیما لهم وما علیهم ''ترجمہ:آپ جن کی طرف بھیجے گئے ہیں ان پر شاہد ہیں(کہ)ان کے احوال کو دیکھتے اوراعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں،اور جو بھی ان سے تصدیق یا تکذیب صادر ہوتی ہے آپ اس پر گواہ بن رہے ہیں،اسی طرح وہ ہدایت اور گمراہی جس پر وہ ہیں آپ اس کے(بھی)گواہ بن رہے ہیں،اورآپ یہ گواہی قیامت کے دن ادافرمائیں گے جو کہ ان کے حق میں بھی قبول ہوگی اوران کے خلاف بھی۔

(روح المعانی،تحت آیت مذکورہ،ج 11،ص222،دارالکتب العلمیہ،بیروت☆تفسیر ابی سعود،تحت آیت مذکورہ،ج 7،ص107،داراحیاء التراث العربی،بیروت)

مشرق ومغرب سامنے:

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،نبی مختارصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ اللهَ زَوَىٰ لِي الْأَرْضَ، فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا)) ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے میری لیے زمین کو اٹھا دیا تو میں نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھ لیا۔

(صحیح مسلم، باب ہلاک ہذہ الامۃ بعضہم ببعض، ج 4، ص2215، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

ساری دنیا ایسے جیسے ہتھیلی:

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ اللهَ عزوجل قَدْ رَفَعَ لِيَ الدُّنْيَا فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا هُوَ كَائِنٌ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى كَفِّي هٰذِهِ)) ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے میری لیے زمین کو اٹھا دیا، تو میں اس کو اور اس میں موجود ہر چیز کو قیامت تک دیکھ رہا ہوں، جیسا کہ اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم، حدیث حدیر بن کریب، ج 6، ص 101، دارالکتاب العربی، بیروت ☆ کنز العمال بحوالہ طبرانی، ج 11، ص559، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ☆ مواہب اللدنیہ، الفصل الثالث فی انباء، ج3، ص129، المکتبۃ التوفیقیہ، القاہرہ)

مدینہ منورہ سے مقام موتہ:

مدینہ منورہ سے بہت دور مقام موتہ میں جنگ ہو رہی تھی، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنگ کی باتیں مدینہ منورہ میں اپنے صحابہ کو بتا رہے ہیں، حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((انَّ النَّبِيَّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نَعَى زَيْدًا وَجَعْفَرًا وَابْنَ رَوَاحَةَ لِلنَّاسِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهُمْ خَبَرُهُمْ، فَقَالَ :أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ ثُمَّ أَخَذَ جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ ثُمَّ أَخَذَ ابْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ:حَتَّى أَخَذَ الرَّايَةَ سَيْفٌ مِنْ سُيُوفِ اللّٰهِ حَتَّى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس جنگ کرنے والے لشکر کے سپہ سالاروں حضرت زید، حضرت جعفر، حضرت ابن رواحہ کی شہادت کی خبر آنے سے پہلے ہی ان کی شہادت کی خبر اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو (مدینہ

منوہ ہی میں) دے دی ،فرمایا:اب زید نے جھنڈا پکڑا اور وہ شہید ہو گئے ، پھر جھنڈا جعفر نے پکڑ لیا اور وہ شہید ہو گئے ، پھر جھنڈا ابن رواحہ نے پکڑ لیا اور وہ شہید ہو گئے ،حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ بتا بھی رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہیں ،(پھر فرمایا:) یہاں تک کہ جھنڈا اللہ کی تلوار خالد ابن ولید نے پکڑ لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا فرمادی۔

(صحیح بخاری،باب غزوہ موتۃ من ارض الشام،ج5،ص143،مطبوعہ دارطوق النجاۃ)

دنیا سے حوض کوثر کو دیکھنا:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((اِنِّی وَاللّٰہِ لَاَنْظُرُ اِلٰی حَوْضِی الآنَ)) ترجمہ: اللہ کی قسم میں اپنے حوض کو اس وقت دیکھ رہا ہوں۔

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز،باب الصلوۃ علی الشہید،ج2،ص91،مطبوعہ دارطوق النجاۃ)

شیخ محقق اور ان سے پہلے کے علماء کا موقف:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں''با چندیں اختلاف وکثرت مذاہب کہ درعلماء امت است یک کس رادریں مسئلہ خلافی نیست کہ آنحضرت علیہ السلام بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز وتوہم تاویل دائم وباقی است وبراعمال امت حاضر وناظراست ومرطالبان حقیقت راد متوجہان آنحضرت را مفیض ومربی است ''ترجمہ:اس اختلاف ومذاہب کے باوجود جوعلمائے امت میں ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ حضور علیہ السلام حقیقی زندگی کے ساتھ بغیر تاویل ومجاز کے احتمال کے باقی ودائم ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر وناظر ہیں اور حقیقت کے طلبگاروں اور حاضرین بارگاہ کو فیض پہنچاتے اور ان کی تربیت فرماتے ہیں۔

(مکتوبات برحاشیہ اخبار الاخیار،ص155،مطبوعہ مکتبہ نوریہ،سکھر)

دوسری شق پر دلائل:

سوال: حاضر و ناظر کی دوسری شق پر کیا دلائل ہیں؟

جواب: حاضر و ناظر کی دوسری شق یعنی ہمارے پیارے آقا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جہاں چاہیں جب چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں اس پر کچھ دلائل درج ذیل ہیں:

مجھے بیداری میں دیکھے گا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَنْ رَآنِی فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِی فِی الْیَقْظَةِ، وَلَا یَتَمَثَّلُ الشَّیْطَانُ بِی)) ترجمہ: جس نے مجھے خواب میں دیکھا عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا، شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔

(صحیح بخاری، باب من رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام، ج 9، ص 33، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

اولاً تو اس حدیث پاک سے یہ پتا چلا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے مختلف کونوں میں بسنے والے لوگوں کو خواب میں تشریف لا کر دیدار کراتے ہیں، کیونکہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اس نے یقیناً آپ ہی کو دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَنْ رَآنِی فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِی، فَإِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَخَیَّلُ بِی)) ترجمہ: جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے مجھ ہی کو دیکھا کہ شیطان میری مشابہت اختیار نہیں کرسکتا۔

(صحیح بخاری، باب من رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام، ج 9، ص 33، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

ثانیاً یہ کہ جسے خواب میں زیارت کراتے ہیں اس کے لیے بشارت ہے کہ اسے بیداری میں بھی زیارت کرائیں گے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کے تحت بعض بزرگوں کے

بارے میں نقل کرتے ہیں: انہوں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی، اور وہ اس حدیث پاک کی تصدیق کرنے والے تھے، پھر اس کے بعد انہوں نے بیداری میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی اور اُن اشیاء کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا جن وہ تشویش کا شکار تھے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی مشکلات کو دور فرمایا اور ان کو مشکلات سے نجات کے طریقے بتائے، تو بغیر کمی بیشی کے ویسا ہی ہوا (جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا)۔

(الحاوی للفتاوی، تنویر الحلک فی امکان رؤیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج 2، ص 308، دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت)

موسیٰ علیہ السلام کہاں سے کہاں:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، شفیع امت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیثِ معراج میں ارشاد فرماتے ہیں: ((مَرَرْتُ عَلَى مُوسَى وَهُوَ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ)) ترجمہ: میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح مسلم، باب من فضائل موسی علیہ السلام، ج 4، ص 1845، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

پھر جب مسجد اقصیٰ پہنچے تو وہاں دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام بھی موجود تھے، جن کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امامت فرمائی۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((وَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي جَمَاعَةٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، فَإِذَا مُوسَى قَائِمٌ يُصَلِّي۔۔۔إِذَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ يُصَلِّي۔۔۔إِذَا إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ يُصَلِّي۔۔۔فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَأَمَمْتُهُمْ)) ترجمہ: میں نے اپنے آپ کو انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں دیکھا، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، جب نماز (کی جماعت) کا وقت ہوا تو میں نے ان کی امامت کروائی۔

(صحیح مسلم، باب ذکر المسیح ابن مریم والمسیح الدجال، ج 1، ص 156، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

پھر جب آسمانوں پر تشریف لے کر گئے تو موسیٰ علیہ السلام وہاں پر بھی موجود تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: ((ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتّٰی انْتَهَيْنَا اِلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةِ فَاَتَيْتُ عَلٰى مُوسٰى علیہ السلام فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ)) ترجمہ: پھر ہم چلے یہاں تک کہ چھٹے آسمان تک پہنچ گئے، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور ان کو سلام کیا، انہوں نے عرض کیا: صالح بھائی اور صالح نبی کو خوش آمدید۔

(صحیح مسلم، باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، ج 1، ص 149، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

سنن نسائی میں ہے: ((ثُمَّ صُعِدَ بِي اِلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةِ فَاِذَا فِيهَا مُوسٰى علیہ السلام)) ترجمہ: پھر میں چھٹے آسمان پر چڑھا تو اس میں موسیٰ علیہ السلام تھے۔

(سنن نسائی، فرض الصلوۃ وذکر اختلاف الناقلین، ج 1، ص 221)

جب موسیٰ علیہ السلام جہاں چاہتے ہیں تشریف لے جاتے ہیں تو جو سید الانبیاء ہیں، نبی الانبیاء ہیں، امام الانبیاء ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ان کے پاس یہ طاقت نہ ہو، یقیناً وہ بھی جہاں چاہتے ہیں تشریف لے جاسکتے ہیں۔

ہر شخص کی قبر میں:

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتَوَلّٰى عَنْهُ اَصْحَابُهُ وَاِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ، اَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهِ فَيَقُولَانِ: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُولُ: اَشْهَدُ اَنَّهُ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ)) ترجمہ: بے شک بندے کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے، اس کے ساتھی لوٹتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے، پھر دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں: تو ان صاحب یعنی محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا؟ اگر وہ

مؤمن ہے تو کہتا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

(صحیح بخاری، باب ماجاء فی عذاب القبر، ج2، ص98، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

اشعۃ اللمعات میں ہے "یا باحضار ذات شریف دے دو عیانے بہ ایں طریق کہ در قبر مثالے دے علیہ السلام حاضر ساختہ باشد دور دریں جا بشارتے است عظیم مر مشتاقان غمزدہ راہ کہ بر امید ایں شادی جاں دہندہ وزندہ در گور روند جانے دارد"

ترجمہ: یا قبر میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بذاتِ خود تشریف لاتے ہیں اس طرح کہ قبر میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وجودِ مثالی کے ساتھ تشریف لاتے ہیں، اس جگہ عاشقانِ غمزدہ کے لیے بڑی بشارت ہے کہ اگر اس شادی کی امید پر جان دے دیں اور زندہ قبروں میں چلے جائیں تو اس کا موقع ہے۔ (اشعۃ اللمعات، ج1، ص115، مطبوعہ لکھنو ہند)

قبر میں سرکار آئیں تو میں قدموں پر گروں
گر فرشتے بھی اٹھائیں تو میں ان سے یوں کہوں
اب تو پائے ناز سے میں اے فرشتو کیوں اٹھوں
مر کے پہنچا ہوں یہاں اس دلربا کے واسطے

مدینہ سے کربلا:

حضرت سلمٰی (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ) فرماتی ہیں: ((دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ وَهِيَ تَبْكِي، فَقُلْتُ: مَا يُبْكِيكِ؟ قَالَتْ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، تَعْنِي فِي الْمَنَامِ، وَعَلَى رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ التُّرَابُ فَقُلْتُ: مَا لَكَ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: شَهِدْتُ قَتْلَ الْحُسَيْنِ آنِفًا))

ترجمہ: میں ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہ میں حاضر ہوئی تو وہ رو رہی تھیں، میں نے عرض کیا: آپ کیوں رو رہی ہیں؟ جواب دیا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر مبارک اور داڑھی

شریف پر گردوغبار لگی ہوئی تھی، میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ کا کیا حال ہے یعنی آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟ ارشادفرمایا: میں ابھی ابھی حسین کی شہادت گاہ میں تشریف لے گیا تھا۔

(جامع الترمذی، باب مناقب ابو محمد الحسن بن علی، ج6، ص120، دارالغرب الاسلامی، بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((رَأَیْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فِیمَا یَرَی النَّائِمُ بِنِصْفِ النَّهَارِ وَهُوَ قَائِمٌ أَشْعَثَ أَغْبَرَ، بِیَدِهِ قَارُورَةٌ فِیهَا دَمٌ، فَقُلْتُ: بِأَبِی أَنْتَ وَأُمِّی یَا رَسُولَ اللَّهِ مَا هَذَا؟ قَالَ: هَذَا دَمُ الْحُسَیْنِ وَأَصْحَابِهِ لَمْ أَزَلْ أَلْتَقِطُهُ مُنْذُ الْیَوْمِ فَأَحْصَیْنَا ذَلِكَ الْیَوْمَ فَوَجَدُوهُ قُتِلَ فِی ذَلِكَ الْیَوْمِ)) ترجمہ: میں نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دوپہر کے وقت خواب میں دیکھا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس حال میں کھڑے تھے کہ آپ کے بال بکھرے ہوئے تھے اور گردآلود تھے اور آپ کے دست اقدس میں بوتل تھی جس میں خون تھا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان یہ کیا چیز ہے، فرمایا: یہ حسین اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے، میں آج اسے اٹھاتا رہا ہوں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: میں نے وہ دن یادرکھا، تو اسی دن امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا گیا۔

(مسند امام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عباس، ج4، ص336، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

میلاد شریف

سوال: کیا میلاد شریف منانے قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟

جواب: جی ہاں! ثابت ہے۔ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی خوبیوں کے بیان واظہار کا نص قطعی سے ہمیں حکم ہوا اور کارِ خیر میں جس قدر مسلمان کثرت سے شامل ہوں اسی قدر زائد خوبی اور رحمت کا باعث ہے، اسی مجمع میں ولادت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر کرنے کا نام مجلس ومحفل میلاد ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، ج23، ص754، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

میلاد مبارک وقیام کے آج کل منکر وہابیہ ہیں اور وہابیہ گمراہ بے دین۔ میلاد شریف قرآن عظیم کی متعدد آیات کریمہ اور حدیث صحیح سے ثابت ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، ج23، ص744، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائش مولیٰ کی دھوم
مثل فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے

سوال: میلاد شریف منانے پر کیا دلائل ہیں؟

جواب: میلاد شریف منانے پر چند دلائل درج ذیل ہیں:

دلیل نمبر (1):

اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے بیان واظہار کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ ترجمہ: اور اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو۔

(پ30، سورۃ الضحیٰ، آیت 11)

ایک مقام پر فرماتا ہے ﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ﴾ ترجمہ: تمہارے رب کی تم پر جو نعمت ہے اسے یاد کرو۔

(پ6، سورۃ المائدہ، آیت 7)

سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقیناً اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں۔صحیح بخاری میں ہے:((محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نعمة))ترجمہ:محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نعمت ہیں۔

(صحیح بخاری،باب قتل ابی جہل،ج5،ص76،مطبوعہ دار طوق النجاة)

بلکہ ولادتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام نعمتوں کی اصل ہے،اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ترجمہ: بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔

(پ4،سورۂ آل عمران،آیت258)

دلیل نمبر(2):

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل ورحمت پر خوشی منانے کا حکم دیا ہے،اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا﴾ترجمہ:اے محبوب! فرمادیجئے کہ اللہ کے فضل اوراس کی رحمت(کے ملنے)پر چاہئے کہ(لوگ)خوشی کریں۔

(پ11،سورۂ یونس،آیت58)

اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقیناً اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ترجمہ:اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کے لئے۔ (پ17،سورۃ الانبیاء،آیت107)

اورآپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات مبارکہ شاھد،مبشر،نذیر،داعی باذن اللہ اورسراجِ منیر بیان کر کے فرماتا ہے﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا﴾ترجمۂ کنزالایمان:ایمان والوں کوخوشخبری دو کہ ان کے لیے اللہ کا بڑا فضل ہے۔

(پ22،سورۃالاحزاب،آیت47)

معلوم ہوا حضور جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی رحمت اوراس کا فضل ہیں اور فضل ورحمت ملنے پر خوشی کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دیا ہے۔

دلیل نمبر(3):

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: ((تَذَاكَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وَأَبُو بَكْرٍ رضی اللہ عنہ مِيلَادَهُمَا عِنْدِي)) ترجمہ: میرے سامنے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے میلاد کا ذکر کیا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، سن ابی بکر وخطبتہ، ج1، ص58، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

دلیل نمبر(4):

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر پیر کو روزہ رکھا کرتے تھے، حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا تو جواباً ارشاد فرمایا: ((ذَاكَ يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيهِ وَيَوْمٌ بُعِثْتُ أَوْ أُنْزِلَ عَلَيَّ فِيهِ)) ترجمہ: یہ دن میری ولادت کا دن ہے، اسی دن میں مبعوث کیا گیا اور اسی دن مجھ پر قرآن نازل کیا گیا۔

(صحیح مسلم، کتاب الصیام، ج2، ص819، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

دلیل نمبر(5):

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں: ((إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خَرَجَ عَلَى حَلْقَةٍ يَعْنِي مِنْ أَصْحَابِهِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک محفل میں تشریف لائے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ارشاد فرمایا: ((مَا أَجْلَسَكُمْ؟)) ترجمہ: کس چیز نے تمہیں یہاں بٹھایا ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: ((جَلَسْنَا نَدْعُو اللّٰهَ وَنَحْمَدُهُ عَلَى مَا هَدَانَا لِدِينِهِ وَمَنَّ عَلَيْنَا بِكَ)) ہم یہاں اس لیے بیٹھے ہیں، (یہ محفل سجانے کا مقصد یہ ہے) کہ ہمیں جو اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی دولت عطا فرمائی ہے اور آپ کو بھیج کر ہم پر احسان فرمایا اس پر اس کا ذکر کریں اور اس کا شکر ادا کریں۔

فرمایا: ((آللّٰہُ مَا أَجْلَسَکُمْ اِلَّا ذٰلِکَ؟)) اللہ کی قسم! تم صرف اسی لیے بیٹھے ہو؟ عرض کی: ((آللّٰہُ مَا أَجْلَسَنَا اِلَّا ذٰلِکَ)) ترجمہ: اللہ کی قسم ہم صرف اسی لیے بیٹھے ہیں کہ دین اسلام کی دولت اور آپ کی آمد کی نعمت عظمی پر اللہ کا شکر ادا کریں۔

ارشاد فرمایا: ((أَمَا اِنِّی لَمْ أَسْتَحْلِفْکُمْ تُھْمَةً لَکُمْ، وَاِنَّمَا أَتَانِی جِبْرِیلُ علیہ السلام فَأَخْبَرَنِی أَنَّ اللّٰہَ عزوجل یُبَاھِی بِکُمُ الْمَلَائِکَةَ)) ترجمہ: اے میرے صحابہ! میں تم سے قسم اس لیے نہیں لے رہا کہ مجھے تم پر شک ہے بلکہ (معاملہ یہ ہے کہ) میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور مجھے خبر دی کہ تمہارے اس عمل پر اللہ تعالیٰ فرشتوں پر فخر فرما رہا ہے۔ (سنن نسائی، کیف یستحلف الحاکم، ج8، ص249، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

دلیل نمبر (6):

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 597ھ) فرماتے ہیں: "لازال اھل الحرمین الشریفین و المصر و الیمن و الشام و سائر بلاد العرب من المشرق و المغرب یحتفلون بمجلس مولد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و یفرحون بقدوم ھلال شھر ربیع الاول و یھتمون اھتماماً بلیغاً علی السماع و القرأۃ لمولد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و ینالون بذلک اجراً جزیلاً و فوزاً عظیماً" ترجمہ: اہل مکہ، اہل مدینہ، اہل مصر، اہل یمن و شام اور مشرق و مغرب میں تمام بلاد عرب ہمیشہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میلاد کی محافل کا انعقاد کرتے چلے آئے ہیں، اور ربیع الاول کا چاند نظر آنے پر خوشیاں مناتے ہیں، اور نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میلاد شریف پڑھنے اور سننے کا بہت زیادہ اہتمام کرتے اور اس کے ذریعے عظیم اجر اور بڑی کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ (المیلاد النبوی، ص58)

ایمانِ ابوین

سوال: کیا سرورِ کائنات فخرِ موجودات رسولِ خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماں باپ مومن تھے؟

جواب: جی ہاں! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین مومن تھے، بلکہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آپ کے والدین تک سارے آباء وامہات ہر زمانہ اور ہر طبقہ میں صاحبِ ایمان تھے ان میں سے کوئی بھی مشرک نہیں تھا۔

سوال: حضور سراپا نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان پر قرآن و حدیث سے دلائل ارشاد فرمادیں۔

جواب: قرآن وسنت میں سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کے مومن ہونے پر متعدد دلائل موجود ہیں، جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

دلیل نمبر 1:

اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِکٍ﴾ ترجمہ: بیشک مسلمان غلام بہتر ہے مشرک سے۔ (پ2، سورۃ البقرۃ، آیت 221)

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((بُعِثْتُ مِنْ خَیْرِ قُرُوْنِ بَنِی آدَمَ، قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰی کُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِی کُنْتُ فِیْهِ)) ترجمہ: میں ہر قرن وطبقہ میں تمام قرون بنی آدم کے بہتر سے بھیجا گیا یہاں تک کہ اس قرن میں ہوا جس میں میں پیدا ہوا۔

(صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج 1، ص503، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی حدیث صحیح میں ہے ((لم یزل علی وجه الدهر (الارض) سبعة مسلمون فصاعداً فلولاذلك هلكت الارض ومن علیها)) ترجمہ: روئے زمین پر ہر زمانے میں کم سے کم

سات مسلمان ضرور رہے ہیں، ایسا نہ ہوتا تو زمین و اہلِ زمین سب ہلاک ہو جاتے۔

(شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ عبدالرزاق وابن المنذر، المقصد الاول، ج 1، ص 174، دار المعرفۃ، بیروت)

حضرت عالم القرآن حبر الامۃ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کی حدیث میں ہے((ماخلت الارض من بعد نوح من سبعة يدفع الله بهم عن اهل الارض))ترجمہ: نوح علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد زمین کبھی سات بندگانِ خدا سے خالی نہ ہوئی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہلِ زمین سے عذاب دفع فرماتا ہے۔

(شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ احمد فی الزہد الخ، المقصد الاول، ج 1، ص 174، دار المعرفۃ، بیروت)

جب صحیح حدیثوں سے ثابت کہ ہر قرن و طبقے میں روئے زمین پر کم از کم سات مسلمان بندگان مقبول ضرور رہے ہیں، اور خود صحیح بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جن سے پیدا ہوئے وہ لوگ ہر زمانے میں ہر قرن میں خیارِ قرن سے تھے، اور آیت قرآنیہ ناطق کہ کوئی کافر اگرچہ کیسا ہی شریف القوم، بالانسب ہو، کسی غلام مسلمان سے بھی خیر و بہتر نہیں ہو سکتا تو واجب ہوا کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے آباء وامہات ہر قرن اور طبقہ میں انہیں بندگان صالح و مقبول سے ہوں ورنہ معاذ اللہ صحیح بخاری میں ارشادِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم و قرآن عظیم میں ارشادِ حق جل وعلا کے مخالف ہوگا۔

دلیل نمبر 2:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ترجمہ: کافر تو ناپاک ہی ہیں۔

(پ 10، سورۃ التوبۃ، آیت 28)

اور حدیث میں ہے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں((لَمْ يَزَلِ اللّٰهُ عزوجل يُنَقِّلُنِي مِنْ أَصْلَابٍ طَيِّبَةٍ إِلَى أَرْحَامٍ طَاهِرَةٍ صَافِيًا، مُهَذَّبًا لَا تَتَشَعَّبُ

شُعْبَتَانِ إِلَّا كُنْتُ فِي خَيْرِهِمَا)) ترجمہ: ہمیشہ اللہ تعالیٰ مجھے پاک پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل فرماتا رہا صاف ستھرا آراستہ جب دوشاخیں پیدا ہوئیں، میں ان میں سے بہتر شاخ میں تھا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم، الفصل الثانی، ص11,12، عالم الکتب، بیروت)

اور ایک حدیث میں ہے، فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ((لَمْ أَزَلْ أُنْقَلُ مِنْ أَصْلَابِ الطَّاهِرِينَ إِلَى أَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ)) ترجمہ: میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک بیبیوں کے پیٹوں میں منتقل ہوتا رہا۔

(شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ ابی نعیم عن ابن عباس، المقصد الاول، ج1، ص174، دارالمعرفۃ، بیروت☆ الحاوی للفتاوی، مسالک الحنفاء فی والدی المصطفی، ج2، ص210، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

دوسری حدیث میں ہے، فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ((لم يزل الله تعالى يَنْقُلُنِي مِنَ الْأَصْلَابِ الكريمة والأرحام الطاهرة حتى أخرجني من أَبَوَيَّ)) ترجمہ: ہمیشہ اللہ عزوجل مجھے کرم والی پشتوں اور طہارت والے شکموں میں نقل فرماتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے میرے ماں باپ سے پیدا کیا۔

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، فصل واما شرف نسبہ، المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ فی البلاد العثمانیہ، ج1، ص286 ☆ نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض، بحوالہ ابن ابی عمرو العدنی، ج1، ص435، مرکز اہلسنت برکات رضا، گجرات، ہند)

تو ضرور ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آبائے کرام طاہرین وامہاتِ کرام طاہرات سب اہلِ ایمان وتوحید ہوں کہ بنصِ قرآن عظیم کسی کافرو کافرہ کے لئے کرم وطہارت سے حصہ نہیں۔

دلیل نمبر 3:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ۝﴾ ترجمہ: بھروسا کر زبردست مہربان پر جو تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہوا، اور تیرا کروٹیں بدلنا سجدہ کرنیوالوں میں۔

(پ19، سورۃ الشعراء، آیت217تا219)

امام رازی فرماتے ہیں'' آیت کے معنی یہ ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور پاک ساجدوں سے ساجدوں کی طرف منتقل ہوتا رہا۔

(مفاتیح الغیب تحت آیت 219، ج 24، 149)

تو آیت اس پر دلیل ہے کہ سب آبائے کرام مسلمین تھے۔

امام سیوطی و امام ابن حجر و علامہ زرقانی وغیرہم اکابر نے اس کی تقریر و تائید و تشیید فرمائی۔

(شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ، المقصد الاول، باب وفات امہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج 1، ص 174، دار المعرفہ، بیروت)

محبوبانِ خدا سے مدد طلب کرنا

سوال: اولیا سے مدد طلب کرنا کیسا ہے؟

جواب: ان سے استمد اد وا ستعانت (مدد طلب کرنا) محبوب ہے، یہ مدد مانگنے والے کی مدد فرماتے ہیں چاہے وہ کسی جائز لفظ کے ساتھ ہو۔ ان کو دور ونزدیک سے پکارنا سلف صالح کا طریقہ ہے۔ رہا ان کو فاعل مستقل جاننا یہ وہابیہ کا فریب ہے مسلمان کبھی ایسا خیال نہیں کرتا مسلمان کے فعل کو خواہ مخواہ قبیح پرڈھالنا وہابیت کا خاصہ ہے۔

(بہار شریعت، حصہ 1، ص 271 تا 274، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اولیاء اللہ اور انبیائے کرام سے مدد مانگنا جائز ہے جبکہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی امداد تو رب تعالیٰ ہی کی ہے، یہ حضرات اس کے مظہر ہیں اور مسلمان کا یہ ہی عقیدہ ہوتا ہے ،کوئی جاہل بھی کسی ولی کو خدا نہیں سمجھتا۔ (جاء الحق، ص 464، مکتبۃ غوثیہ، کراچی)

محبوبانِ خدا سے استعانت پر کچھ دلائل:

سوال: محبوبانِ خدا سے استعانت کے جواز پر کچھ دلائل بیان کر دیں؟

جواب: محبوبانِ خدا سے استعانت کے جواز پر قرآن وحدیث سے متعدد دلائل موجود ہیں، ان میں سے کچھ دلائل درج ذیل ہیں:

نیک مسلمان اور فرشتے مددگار ہیں:

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد پاک ہے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ﴾ ترجمہ: بے شک اللہ اپنے نبی کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد سب فرشتے مدد پر ہیں۔

(پ 28، سورۃ تحریم، آیت نمبر 4)

ایمان والے مددگار ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ

يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴾ترجمہ: اے مسلمانو! تمہارا مددگار نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور وہ ایمان والے جو نماز قائم رکھتے اور زکاۃ دیتے اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔ (پ6، سورۃ المائدہ، آیت نمبر55)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عطا فرمانے والے ہیں:

ایک اور مقام پر فرماتا ہے ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ﴾ترجمہ: اور کیا خوب تھا اگر وہ راضی ہوتے خدا اور رسول کے دیئے پر اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے، اب دے گا اللہ ہمیں اپنے فضل سے اور اس کا رسول، بے شک ہم اللہ کی طرف رغبت والے ہیں۔ (پ10، سورہ نمبر9، آیت 59)

اس آیت میں اللہ رب العزت نے اپنے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دینے والا فرمایا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مدد طلب کرنا:

قرآن مجید میں ہے: ﴿قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ ﴾ترجمہ: (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) بولے کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف، حواریوں نے کہا ہم دینِ خدا کے مددگار ہیں۔ (پ3، سورۂ آل عمران، آیت 52)

جبریل بیٹا دینے والے:

قرآن مجید میں ہے ﴿قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ﴾ترجمہ: حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم سے کہا: اے مریم! میں تمہارے رب کا قاصد ہوں آیا ہوں تا کہ تمہیں پاکیزہ فرزند دوں۔ (پ16، سورۂ مریم، آیت19)

بے جان کو جان اور اندھوں کو آنکھیں دینا:

قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول موجود ہے: ﴿أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ترجمہ: میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی شکل بنا کر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جاتی ہے۔ میں مادرزاد اندھوں اور کوڑھ کے مریضوں کو شفا دیتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے۔

(پ3، سورۂ آل عمران، آیت 49)

معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی عطا سے بے جان کو جان بخشنے والے، اندھوں کو آنکھیں عطا فرمانے والے اور کوڑھی کے مریضوں کو شفا دینے والے ہیں۔

اپنے فضل سے غنی کر دیا:

قرآن مجید میں ہے ﴿أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ترجمہ: ان کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ (پ10، سورہ التوبہ، آیت 74)

روشن چہرے والوں سے مدد مانگو:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اُطْلُبُوا الْخَيْرَ وَالْحَوَائِجَ مِنْ حِسَانِ الْوُجُوهِ)) ترجمہ: بھلائی اور اپنی حاجتیں ان لوگوں سے مانگو جن کے چہرے عبادت الٰہی سے روشن ہیں۔

(المعجم الکبیر، مجاہد عن ابن عباس، ج 11، ص 81، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

لوگ ان کے پاس حاجتیں لاتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فرماتے ہیں:((ان لله تعالى عباد ااختصهم لحوائج الناس يفزع الناس اليهم في حوائجهم اولئك الآمنون من عذاب الله)) ترجمہ:اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حاجت روائی خلق کے لئے خاص فرمایا ہے ،لوگ گھبرائے ہوئے اپنی حاجتیں ان کے پاس لاتے ہیں، یہ بندے عذاب الٰہی سے امان میں ہیں۔

(کنز العمال بحوالہ طب عن ابن عمر، حدیث 16007، جلد6،صفحہ350، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

بارش ہوگی:

حضرت مالک الدار سے روایت ہے،فرماتے ہیں:((اَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَنِ عُمَرَ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فَقَالَ:يَا رَسُولَ اللَّهِ! اسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا، فَأَتَى الرَّجُلَ فِي الْمَنَامِ فَقِيلَ لَهُ: ائْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ، وَأَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مُسْتَقِيمُونَ وَقُلْ لَهُ:عَلَيْكَ الْكَيْسُ، عَلَيْكَ الْكَيْسُ، فَأَتَى عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ فَبَكَى عُمَرُ ثُمَّ قَالَ:يَا رَبِّ لَا آلُو إِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ)) ترجمہ:حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں لوگوں پر قحط پڑ گیا۔ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آیا اور کہا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اللہ عزوجل سے اپنی امت کے لئے بارش طلب کریں کہ یہ ہلاک ہورہے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس آدمی کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا عمر کو میرا اسلام کہنا اور اسے خبر دینا کہ بارش ہوگی،اور یہ بھی کہنا کہ نرمی اختیار کرے،اس شخص نے حاضر ہوکر خبر دی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر روئے ، پھر کہا:اے میرے رب! میں کوتاہی نہیں کرتا مگر اس چیز میں جس سے میں عاجز ہوں۔

(مصنف ابن شیبہ، کتاب الفضائل ،ماذکر فی فضل عمر بن الخطاب رضی الله تعالى عنه، جلد12،صفحہ32،الدار السلفیہ، الہندیہ)

مانگ کیا مانگتا ہے:

سیدنا ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ((كُنْتُ أَبِيتُ مَعَ

رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فَاَتَیْتُہٗ بِوَضُوْئِہٖ فَقَالَ لِیْ سَلْ (ولفظ الطبرانی فقال یوماً یا ربیعۃ سلنی فاعطیک رجعنا الی لفظ مسلم) فَقُلْتُ اَسْأَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّۃِ قَالَ اَوْ غَیْرَ ذٰلِکَ قَالَ قُلْتُ ھُوَ ذَاکَ قَالَ فَاَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِکَ بِکَثْرَۃِ السُّجُوْدِ)) ترجمہ: میں حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس رات کو حاضر رہتا ایک شب حضور کے لیے آب وضو وغیرہ ضروریات لایا (رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بحر رحمت جوش میں آیا) ارشاد فرمایا: مانگ کیا مانگتا ہے کہ ہم تجھے عطا فرمائیں۔ میں نے عرض کی: میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں اپنی رفاقت عطا فرمائیں۔ فرمایا: کچھ اور؟ میں نے عرض کی: میری مراد تو صرف یہی ہے۔ فرمایا: تو میری اعانت کر اپنے نفس پر کثرت سجود سے۔

(صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب فضل السجود، ج 1، ص 193، قدیمی کتب خانہ، کراچی ☆ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب وقت قیام النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اللیل، ج 1، ص 187، آفتاب عالم پریس، لاہور ☆ المعجم الکبیر، ج 5، ص 57.58، المکتبۃ الفیصلیۃ، بیروت)

آج لے اُن کی پناہ آج مدد مانگ اُن سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

شیخ شیوخ علماء الہند سیدی شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوۃ شریف میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں ''از اطلاق سوال کہ فرمودش بخواہ تخصیص نکرد بمطلوبے خاص معلوم میشود کہ کار ہمہ بدست ہمت و کرامت اوست صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر چہ خواہد و کرا خواہد باذن پروردگار خود دہد'' ترجمہ: مطلق سوال سے کہ آپ نے فرمایا: مانگ۔ اور کسی خاص شے کو مانگنے کی تخصیص نہیں فرمائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمام معاملہ آپ کے دست اقدس میں ہے، جو چاہیں جسے چاہیں اللہ تعالیٰ کے اذن سے عطا فرما دیں۔

(اشعۃ اللمعات، کتاب الصلوۃ، باب السجود وفضلہ، الفصل الاول، ج 1، ص 396، مکتبہ نوریہ)

رضویہ، سکھر)

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں:

الحمدللہ یہ جلیل و نفیس حدیث صحیح اپنے ہر ہر جملے سے وہابیت کش ہے۔ حضور اقدس خلیفۃ اللہ الاعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مطلقاً بلا قید و بلا تخصیص ارشاد فرمانا: سل، مانگ کیا مانگتا ہے، جان وہابیت پر کیسا پہاڑ ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور ہر قسم کی حاجت روائی فرما سکتے ہیں دنیا و آخرت کی سب مرادیں حضور کے اختیار میں ہیں جب تو بلا تقیید ارشاد ہوا: مانگ کیا مانگتا ہے یعنی جو جی میں آئے مانگو کہ ہماری سرکار میں سب کچھ ہے۔

گر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیا و ہر چہ میخواہی تمنا کن

ترجمہ: اگر تو دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کی بارگاہ میں آ اور جو چاہتا ہے مانگ لے۔

یہ شعر حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے کہ قصیدہ نعتیہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کیا ہے۔

پھر اس حدیث جلیل میں سب سے بڑھ کر جان وہابیت پر یہ کیسی آفت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود حضور سے جنت مانگتے ہیں کہا: ((أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ!)) میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں رفاقت والا عطا ہو۔

وہابی صاحبو! یہ کیسا کھلا شرک وہابیت ہے جسے حضور مالک جنت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ قبول فرما رہے ہیں۔

(فتاوی رضویہ ملتخصاً، ج 30، ص 494,495,496، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاہ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں ''یؤخذ من اطلاقہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الامر بسؤال ان اللہ تعالیٰ مکنہ من اعطاء کل ما ارادمن خزائن الحق ''یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مانگنے کا حکم مطلق دیا اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضور کو عام قدرت بخشی ہے کہ خدا کے خزانوں سے جو چاہیں عطا فرما دیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتب الصلوۃ، باب السجود وفضلہ، الفصل الاول،ج 2،ص615، المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ)

حاکم حکیم دادودوا دیں یہ کچھ نہ دیں
مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے

بیابان جنگل میں اکیلے مدد کے لئے پکارنا:

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((إِذَا أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ أَحَدُكُمْ عَوْنًا وَهُوَ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا أَنِيسٌ، فَلْيَقُلْ:يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونِي، يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونِي، فَإِنَّ لِلَّهِ عِبَادًا لَا نَرَاهُمْ))وَقَدْ جُرِّبَ ذَلِكَ۔ترجمہ:جب تم میں سے کوئی شخص کسی چیز کو گم کردے یا اسے مدد کی حاجت ہو اور وہ ایسی جگہ ہو جہاں کوئی ہمدم نہیں تو اسے چاہئے یوں پکارے:اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔کہ اللہ کے کچھ بندے ہیں جنھیں یہ نہیں دیکھتا وہ اس کی مدد کرینگے۔یہ پکار مجرب(تجربہ شدہ)ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی،ماسند عتبہ بن غزوان،ج17،ص117،مکتبہ ابن تیمیہ،القاہرہ)

محدثین کا عقیدہ:

(21)عظیم محدث امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:''وروی عن أبی بکر بن أبی علی قال کان ابن المقرء یقول کنت أنا والطبرانی وأبو الشیخ بالمدینۃ فضاق بنا الوقت فواصلنا ذلک الیوم فلما کان وقت العشاء حضرت

القبر وقلت یا رسول اللہ الجوع؛ فقال لی الطبرانی اجلس فإما أن یکون الرزق أو الموت، فقمت أنا وأبو الشیخ فحضر الباب علوی ففتحنا له فإذا معه غلامان بقفتین فیهما شیء کثیر وقال شکوتمونی إلی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأیته فی النوم فأمرنی بحمل شیء إلیکم "ترجمہ: حضرت ابی بکر بن ابو علی فرماتے ہیں کہ میں طبرانی اور ابوشیخ رحمہم اللہ مدینہ میں رہا کرتے تھے، ہمارا خرچ ختم ہو گیا اور ہم تنگدستی کا شکار ہو گئے، ایک دن عشاء کے وقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ پاک پر حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم بھوک سے نڈھال ہیں۔ امام طبرانی کہنے لگے بیٹھ جاؤ یا ہمیں کھانا مل جائے گا یا موت آ جائے گی۔ میں اور ابوشیخ اٹھ کر دروازے کے پاس آئے اور دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک علوی اپنے دو غلاموں کے ساتھ تھا، وہ ٹوکرے میں بہت سی چیزیں لئے کھڑے تھے۔ علوی بولا تم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی ہے اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں آکر تمہیں کچھ دینے کا حکم دیا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد3، صفحہ122، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

اختیارات مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سوال:اختیارات کی کتنی اقسام ہیں؟

جواب:اختیارات کی دو قسمیں ہیں:

(1) تشریعیہ:

یعنی کسی فعل کو فرض یا حرام یا واجب یا مکروہ یا مستحب یا مباح کر دینا۔

(2) تکوینیہ:

یعنی کائنات میں تصرف کرنا جیسا کہ زندہ کرنا، مارنا، کسی کی حاجت پوری کر دینا ،کسی سے مصیبت دور کر دینا وغیرہ وغیرہ۔

سوال:رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیارات کے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ کیا ہے؟

جواب:اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کے اختیارات (تشریعیہ اور تکوینیہ) اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے ہیں۔

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے نائبِ مطلق ہیں، تمام جہان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تحتِ تصرّف کر دیا گیا، جو چاہیں کریں، جسے جو چاہیں دیں، جس سے جو چاہیں واپس لیں، تمام جہان میں اُن کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں، تمام جہان اُن کا محکوم ہے اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں، تمام آدمیوں کے مالک ہیں جو اُنھیں اپنا مالک نہ جانے حلاوتِ سنّت سے محروم رہے، تمام زمین اُن کی مِلک ہے، تمام جنت اُن کی جاگیر ہے، ملکوت السمٰوات والارض حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زیرِ فرمان ہیں، جنت و نار کی کنجیاں دستِ اقدس میں دیدی گئیں، رزق و خیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں، دنیا و آخرت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عطا کا ایک حصہ ہے۔

احکامِ تشریعیہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قبضہ میں کر دیے گئے، کہ جس پر جو چاہیں حرام فرما دیں اور جس کے لیے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں معاف فرما دیں۔ (بہار شریعت، حصہ 1، ص80تا85، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

تشریعی اختیارات پر کچھ دلائل:

سوال: تشریعی اختیارات پر کیا دلائل ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تشریعی اختیارات عطا فرمائے ہیں اس پر متعدد دلائل قرآن و حدیث میں موجود ہیں، ان میں کچھ درج ذیل ہیں:

اللہ اور اس کا رسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب حکم کریں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ﴾ ترجمہ: نہیں پہنچتا کسی مسلمان مرد نہ کسی مسلمان عورت کو کہ جب حکم کریں اللہ و رسول کسی بات کا کہ انہیں کچھ اختیار رہے اپنی جانوں کا اور جو حکم نہ مانے اللہ و رسول کا وہ صریح گمراہی میں بہکا۔ (پ22، سورۃ الاحزاب، آیت22)

یہاں ائمہ مفسرین فرماتے ہیں حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبل طلوعِ آفتابِ اسلام زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خرید کر آزاد فرمایا اور متبنّٰی (لے پالک بیٹا) بنایا تھا، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی امیہ بنت عبد المطلب کی بیٹی تھیں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کا پیغام دیا، اول تو راضی ہوئیں اس گمان سے کہ حضور اپنے لئے خواستگاری فرماتے ہیں، جب معلوم ہوا کہ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے طلب ہے انکار کیا اور عرض کر بھیجا کہ یا رسول اللہ! میں حضور کی پھوپھی کی بیٹی ہوں ایسے شخص کے ساتھ اپنا نکاح پسند نہیں کرتی، اور ان کے بھائی عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی بنا پر انکار

کیا، اس پر یہ آیہ کریمہ اتری، اسے سن کر دونوں بہن بھائی رضی اللہ تعالی عنہما تائب ہوئے اور نکاح ہوگیا۔

(الجامع لاحکام القرآن (امام قرطبی) ج 14، ص165، دارالکتاب العربی، بیروت)☆(الدرالمنثور، ج 6، ص638.537، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

ظاہر ہے کہ کسی عورت پر اللہ عزوجل کی طرف سے فرض نہیں کہ فلاں سے نکاح پرخواہی نخواہی راضی ہوجائے خصوصاً جبکہ وہ اس کا کفو نہ ہو خصوصاً جبکہ عورت کی شرافت خاندان کواکب ثریا سے بھی بلند و بالاتر ہو، اس کے باوجود اپنے حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا دیا ہوا پیغام نہ ماننے پر رب العزۃ جل جلالہ نے بعینہٖ وہی الفاظ ارشاد فرمائے جو کسی فرضِ الٰہ کے ترک پر فرمائے جاتے اور رسول کے نام پاک کے ساتھ اپنا نام اقدس بھی شامل فرمایا یعنی رسول جو بات تمہیں فرمائیں وہ اگر ہمارا فرض نہ تھی تو اب ان کے فرمانے سے فرض قطعی ہوگئی مسلمانوں کو اس کے نہ ماننے کا اصلاً اختیار نہ رہا جو نہ مانے گا صریح گمراہ ہوجائے گا دیکھو رسول کے حکم دینے سے کام فرض ہوجاتا ہے اگرچہ فی نفسہ خدا کا فرض نہ تھا ایک مباح وجائز امر تھا

روزے کا کفارہ:

صحاح ستہ اور دیگر کتب احادیث میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ اقدس میں حاضر ہوکر عرض کی: یارسول اللہ! میں ہلاک ہوگیا۔ فرمایا: کیا ہے؟ عرض کی: میں نے رمضان میں اپنی عورت سے نزدیکی کی۔ فرمایا: غلام آزاد کرسکتا ہے؟ عرض کی: نہیں، فرمایا: لگاتار دو مہینے کے روزے رکھ سکتا ہے؟ عرض کی: نہیں، فرمایا: ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاسکتا ہے؟ عرض کی: نہیں، اتنے میں کھجوریں خدمت اقدس میں لائی گئیں، حضور نے فرمایا: انہیں خیرات کردے، عرض کی: اپنے سے زیادہ کسی محتاج پر؟ مدینے بھر میں کوئی گھر ہمارے برابر محتاج نہیں: ((فَضَحِكَ النَّبِيُّ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ وَقَالَ: اذْهَبْ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ)) رحمت عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یہ سن کر

ہنسے یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہوئے، اور فرمایا: جا اپنے گھر والوں کو کھلا دے۔

(صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب اذا جامع فی رمضان الخ، ج 1، ص259، قدیمی کتب خانہ، کراچی ☆ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب تغلیظ تحریم الجماع فی نہار الخ، ج 1، ص314، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

صرف دو نمازیں:

مسند امام احمد میں بسندِ ثقات رجال صحیح مسلم ہے: ((ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرَ ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ نَصْرِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ رَجُلٍ مِّنْهُمْ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اَنَّهُ اَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فَاَسْلَمَ عَلٰى اَنَّهُ لَا يُصَلِّي اِلَّا صَلٰوتَيْنِ فَقَبِلَ ذٰلِكَ مِنْهُ)) ترجمہ: ایک صاحب خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر اس شرط پر اسلام لائے کہ صرف دو ہی نمازیں پڑھا کروں گا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔

(مسند احمد بن حنبل، حدیث رجال من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج 5، ص25، المکتب الاسلامی، بیروت)

پوری امت کے لیے حکم یہ ہے کہ روزانہ پانچ وقت کی نماز فرض ہے، مگر نبی مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کو اس حکم عام سے مستثنیٰ فرمادیا۔

چھ ماہ کی بکری کی قربانی جائز فرمادی:

صحیحین (بخاری و مسلم) میں براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے ماموں ابو بردہ بن نیاز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز عید سے پہلے قربانی کرلی تھی جب معلوم ہوا یہ کافی نہیں عرض کی: یارسول اللہ! وہ تو میں کرچکا اب میرے پاس چھ مہینے کا بکری کا بچہ ہے مگر سال بھر والے سے اچھا ہے۔ فرمایا: ((اِجْعَلْهَا مَكَانَهَا وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ اَحَدٍ بَعْدَكَ)) ترجمہ: اس کی جگہ اسے کردو اور ہرگز اتنی عمر کی بکری تمہارے بعد کسی دوسرے کی قربانی میں کافی نہ ہوگی۔

(صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب الخطبۃ بعد العید، ج 1، ص132، قدیمی کتب خانہ، کراچی ☆ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب وقتہا، ج2، ص154، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

تکوینی اختیارات پر کچھ دلائل:

سوال: تکوینی اختیارات پر کیا دلائل ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکوینی اختیارات عطا فرمائے ہیں، اس پر قرآن وحدیث میں متعدد دلائل موجود ہیں، ان میں سے کچھ دلائل درج ذیل ہیں:

اپنے فضل سے غنی کردیا:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ترجمہ: منافقوں کو یہی برا لگا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کردیا۔

(پ10، سورۃ التوبۃ، آیت 74)

اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم نے غنی کردیا:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جب ابن جمیل نے زکوٰۃ دینے میں کمی کی سید عالم مغنی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا يَنْقِمُ ابْنُ جَمِيلٍ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ فَقِيرًا، فَأَغْنَاهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ)) ترجمہ: ابن جمیل کو کیا برا لگا یہی نا کہ وہ محتاج تھا اللہ ورسول نے اسے غنی کردیا، جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(صحیح البخاری، کتاب الزکوۃ، باب قول اللہ تعالی وفی الرقاب والغارمین، ج1، ص198، قدیمی کتب خانہ، پشاور)

حافظہ عطا فرمادیا:

امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! ((إِنِّي أَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيثًا كَثِيرًا أَنْسَاهُ؟ قَالَ: ابْسُطْ رِدَاءَكَ فَبَسَطْتُهُ قَالَ: فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: ضُمَّهُ فَضَمَمْتُهُ فَمَا نَسِيتُ شَيْئًا بَعْدَهُ)) ترجمہ: میں نے آپ سے بہت سی حدیثیں سنیں لیکن

وہ سب بھول گئیں، حضور نے فرمایا اپنی چادر پھلاؤ میں نے پھیلا دی تو آپ نے لپ بھر کر اس میں ڈال دیا پھر فرمایا اسے سینے سے لگالو میں نے لگالی، پس میں اس کے بعد کسی حدیث کو نہیں بھولا۔ (صحیح البخاری، ج1،ص35،دارطوق النجاۃ)

چاند کو دو ٹکڑے فرمادیا:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ((انَّ أَهْلَ مَكَّةَ سَأَلُوا رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أَنْ يُرِيَهُمْ آيَةً فَأَرَاهُمُ الْقَمَرَ شِقَّتَيْنِ، حَتَّى رَأَوْا حِرَاءً بَيْنَهُمَا)) ترجمہ: مکہ والوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ کوئی معجزہ دکھائیں، تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چاند کے دو ٹکڑے فرما کر انہیں دکھادیا، یہاں تک کہ مکہ والوں نے حراء پہاڑ کو چاند کے دو ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

(بخاری، باب انشقاق القمر، ج5،ص49،دارطوق النجاہ)

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

دیدارِالٰہی عزوجل

سوال: کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیداری میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے؟

جواب: جی ہاں! شب معراج نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جاگتے ہوئے چشمانِ سر سے اپنے رب عزوجل کا دیدار کیا۔

دیدارِالٰہی پر کچھ دلائل:

سوال: سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا اس پر کیا دلائل ہیں؟

جواب: اس پر کچھ دلائل درج ذیل ہیں:

(1) اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی﴾ ترجمۂ کنزالایمان: آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔

(پ 27، سورۃ النجم، آیت 17)

اس آیتِ پاک کے تحت علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1127ھ) فرماتے ہیں: ﴿مازاغ البصر﴾ کے فرمان سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اللہ عزوجل کو دیکھنا جاگتے ہوئے ظاہری آنکھوں کے ساتھ تھا کیونکہ بصر کو عدمِ زیغ سے موصوف کرنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ معاملہ جاگتے ہوئے تھا، اور اگر رؤیت قلبیہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ (﴿مازاغ البصر﴾ کے بجائے "مازاغ قلبہ" فرماتا، بہر حال یہ کہنا کہ یہاں بصر سے مراد بصرِ قلبی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مراد کے لئے کسی قرینہ کا ہونا ضروری ہے اور وہ یہاں معدوم ہے۔

(تفسیر روح البیان، ج 9، ص 228، دار الفکر، بیروت)

(2) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

((قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأیت ربی عزوجل)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔

(مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، ج 1، ص 285، المکتب الاسلامی،

بیروت)

امام جلال الدین سیوطی خصائص کبریٰ اور علامہ عبدالرؤف مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں"یہ حدیث بسند صحیح ہے۔"

(الخصائص الکبری، حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما،ج 1،ص161، مرکز اہلسنت برکات رضا، گجرات ہند☆ التیسیر شرح الجامع الصغیر، تحت حدیث رأیت ربی،ج2،ص25، مکتبۃ الامام الشافعی، ریاض)

(3) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:((فَرَأَيْتُهُ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهِ بَيْنَ ثَدْيَيَّ، فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ)) ترجمہ: میں نے اللہ عزوجل کا دیدار کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت میرے کندھوں کے درمیان رکھا، میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی، پس میرے لیے ہر چیز روشن ہوگئی اور میں نے ہر چیز کو پہچان لیا۔

(سنن الترمذی ،ج5، ص221، دارالغرب الاسلامی ،بیروت)

امام ترمذی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں"هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .سَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ هَذَا الحَدِيثِ، فَقَالَ:هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ "ترجمہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے، میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی ،ج5 ،ص 222، دارالغرب الاسلامی ،بیروت)

(4) ابن عساکر نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((لان اللہ اعطی موسی الکلام واعطانی الرؤیۃ لوجھہ وفضلنی بالمقام المحمود والحوض المورود)) ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو دولت کلام بخشی اور مجھے اپنا دیدار عطا فرمایا مجھ کو شفاعت کبریٰ وحوض کوثر سے فضیلت بخشی۔

(کنز العمال بحوالہ ابن عساکر ،عن جابر حدیث،ج14،ص447، مؤسسۃ الرسالہ ،بیروت)

(5) وہی محدث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: ((قال رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لی ربی نخلت ابرٰھیم خلتی وکلمت موسٰی تکلیماً واعطیتك یا محمد کفاحاً))
ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مجھے میرے رب عزوجل نے فرمایا: میں نے ابراہیم کو اپنی دوستی دی اور موسٰی سے کلام فرمایا اور تمہیں اے محمد! مواجہہ بخشا کہ بے پردہ وحجاب تم نے میرا جمال پاک دیکھا۔

(تاریخ دمشق الکبیر، باب ذکر عروجہ الی السماء واجتماعہ بجماعۃ من الانبیاء، ج 3، ص 296، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

مجمع البحار میں ہے " کفاحا ای مواجھۃً لیس بینھما حجاب ولا رسول "ترجمہ: کفاح کا معنٰی بالمشافہ دیدار ہے جبکہ درمیان میں کوئی پردہ اور قاصد نہ ہو۔

(مجمع بحار الانوار، باب کف ع تحت اللفظ کفح، ج 4، ص 424، مکتبہ دارالایمان، مدینہ منورہ)

(6) صحیح مسلم میں ہے: ((عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ، قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي ذَرٍّ، لَوْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لَسَأَلْتُهُ فَقَالَ: عَنْ أَيِّ شَيْءٍ كُنْتَ تَسْأَلُهُ؟ قَالَ: كُنْتُ أَسْأَلُهُ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟ قَالَ أَبُو ذَرٍّ: قَدْ سَأَلْتُ، فَقَالَ: رَأَيْتُ نُورًا)) ترجمہ: عبداللہ بن شقیق سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھتا تو آپ سے سوال کرتا، انہوں نے فرمایا: تم کس چیز کے بارے میں سوال کرتے، کہا: میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ سوال کرتا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے یہ سوال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا تھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: میں نے نور ہی نور دیکھا۔

(صحیح مسلم، باب فی قولہ علیہ السلام نور انی، ج 1، ص 161، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

(7) ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((أَمَّا نَحْنُ بَنُو هَاشِمٍ فَنَقُولُ: إِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ رَأَى رَبَّهُ مَرَّتَيْنِ))

ترجمہ: ہم بنی ہاشم اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ بیشک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو بار دیکھا۔

(جامع الترمذی ،ابو اب التفسیر، سورئہ نجم،ج 2،ص161، امین کمپنی اردو بازار، دہلی☆ الشفا، بتعریف حقوق المصطفی، فصل وامارؤیة لربه،ج 1،ص159، المطبعة الشرکة الصحافیة فی البلاد العثمانیه)

ایصالِ ثواب

سوال: ایصال ثواب کرنا کیسا ہے؟ بعض لوگ اسے بدعت کہتے ہیں۔

جواب: ایصال ثواب یعنی قرآن مجید یا درود شریف یا کلمہ طیبہ یا کسی نیک عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچانا جائز ہے۔ عبادتِ مالیہ یا بدنیہ فرض و نفل سب کا ثواب دوسروں کو پہنچایا جا سکتا ہے، زندوں کے ایصال ثواب سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ کتب فقہ و عقائد میں اس کی تصریح مذکور ہے، ہدایہ اور شرح عقائد نسفی میں اس کا بیان موجود ہے اس کو بدعت کہنا ہٹ دھرمی ہے۔ حدیث سے بھی اس کا جائز ہونا ثابت ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا جب انتقال ہوا، انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی، یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سعد کی ماں کا انتقال ہوگیا، کون سا صدقہ افضل ہے؟ ارشاد فرمایا: پانی۔ انھوں نے کوآں کھودا اور یہ کہا کہ یہ سعد کی ماں کے لیے ہے۔ معلوم ہوا کہ زندوں کے اعمال سے مردوں کو ثواب ملتا اور فائدہ پہنچتا ہے۔

اب رہیں تخصیصات مثلاً تیسرے دن یا چالیسویں دن یہ تخصیصات نہ شرعی تخصیصات ہیں نہ ان کو شرعی سمجھا جاتا ہے، یہ کوئی بھی نہیں جانتا کہ اسی دن میں ثواب پہنچے گا اگر کسی دوسرے دن کیا جائے گا تو نہیں پہنچے گا۔ یہ محض رواجی اور عرفی بات ہے جو اپنی سہولت کے لیے لوگوں نے کر رکھی ہے بلکہ انتقال کے بعد ہی سے قرآن مجید کی تلاوت اور خیر خیرات کا سلسلہ جاری ہوتا ہے اکثر لوگوں کے یہاں اسی دن سے بہت دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اس کے ہوتے ہوئے کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ مخصوص دن کے سوا دوسرے دنوں میں لوگ ناجائز جانتے ہیں۔ یہ محض افترا ہے جو مسلمانوں کے سر باندھا جاتا ہے اور زندوں مُردوں کو ثواب سے محروم کرنے کی بیکار کوشش ہے۔

(بہار شریعت، حصہ 16، ص 642، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

ایصالِ ثواب کی کچھ مروجہ صورتیں:

سوال: ایصالِ ثواب کی رائج کچھ صورتیں بیان کردیں۔

جواب: ہمارے ہاں رائج ایصالِ ثواب کی کچھ صورتیں درج ذیل ہیں:

سوم یعنی تیجہ جو مرنے سے تیسرے دن کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید پڑھوا کر یا کلمہ طیبہ پڑھوا کر ایصالِ ثواب کرتے ہیں اور بچوں اور اہلِ حاجت کو چنے، بتاسے یا مٹھائیاں تقسیم کرتے ہیں اور کھانا پکوا کر فقراء و مساکین کو کھلاتے ہیں یا ان کے گھروں پر بھیجتے ہیں جائز و بہتر ہے۔

پھر ہر پنج شنبہ (جمعرات) کو حسبِ حیثیت کھانا پکا کر غربا کو دیتے یا کھلاتے ہیں، پھر چالیسویں دن کھانا کھلاتے ہیں، پھر چھ مہینے پر ایصال کرتے ہیں، اس کے بعد برسی ہوتی ہے۔ یہ سب اسی ایصالِ ثواب کی فروع ہیں اسی میں داخل ہیں مگر یہ ضرور ہے کہ یہ سب کام اچھی نیت سے کیے جائیں نمائشی نہ ہوں، نمود مقصود نہ ہو، ورنہ نہ ثواب ہے نہ ایصالِ ثواب۔

بعض لوگ اس موقع پر عزیز و قریب اور رشتہ داروں کی دعوت کرتے ہیں، یہ موقع دعوت کا نہیں بلکہ محتاجوں فقیروں کو کھلانے کا ہے جس سے میت کو ثواب پہنچے۔ اسی طرح شب براءت میں حلوا پکتا ہے اور اس پر فاتحہ دلائی جاتی ہے، حلوا پکانا بھی جائز ہے اور اس پر فاتحہ بھی اسی ایصالِ ثواب میں داخل۔

ماہ رجب میں بعض جگہ سورہ ملک چالیس مرتبہ پڑھ کر روٹیوں یا چھوہاروں پر دم کرتے ہیں اور ان کو تقسیم کرتے ہیں اور ثواب مردوں کو پہنچاتے ہیں یہ بھی جائز ہے۔

اسی ماہ رجب میں حضرت جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے کونڈے ہوتے ہیں کہ چاول یا کھیر پکوا کر کونڈوں میں بھرتے ہیں اور فاتحہ دلا کر لوگوں کو کھلاتے ہیں یہ بھی جائز ہے، ہاں ایک بات مذموم ہے وہ یہ کہ جہاں کونڈے بھرے جاتے ہیں وہیں کھلاتے ہیں وہاں سے ہٹنے نہیں دیتے، یہ ایک لغو حرکت ہے مگر یہ جاہلوں کا طریق عمل ہے، پڑھے لکھے لوگوں

میں یہ پابندی نہیں۔

اسی طرح ماہ رجب میں بعض جگہ حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایصالِ ثواب کے لیے پوریوں کے کونڈے بھرے جاتے ہیں یہ بھی جائز مگر اس میں بھی اسی جگہ کھانے کی بعضوں نے پابندی کر رکھی ہے یہ بے جا پابندی ہے۔ اس کونڈے کے متعلق ایک کتاب بھی ہے جس کا نام داستانِ عجیب ہے، اس موقع پر بعض لوگ اس کو پڑھواتے ہیں اس میں جو کچھ لکھا ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں وہ نہ پڑھی جائے فاتحہ دلا کر ایصالِ ثواب کریں۔

ماہ محرم میں دس دنوں تک خصوصاً دسویں کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ و دیگر شہدائے کربلا کو ایصال ثواب کرتے ہیں کوئی شربت پر فاتحہ دلاتا ہے، کوئی شیر برنج (چاولوں کی کھیر) پر، کوئی مٹھائی پر، کوئی روٹی گوشت پر، جس پر چاہو فاتحہ دلاؤ جائز ہے، ان کو جس طرح ایصال ثواب کرو مندوب ہے۔ بہت سے پانی اور شربت کی سبیل لگا دیتے ہیں، جاڑوں (سردیوں) میں چائے پلاتے ہیں، کوئی کھچڑا پکواتا ہے جو کارِ خیر کرو اور ثواب پہنچاؤ ہو سکتا ہے، ان سب کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔ بعض جاہلوں میں مشہور ہے کہ محرم میں سوائے شہدائے کربلا کے دوسروں کی فاتحہ نہ دلائی جائے ان کا یہ خیال غلط ہے، جس طرح دوسرے دنوں میں سب کی فاتحہ ہو سکتی ہے ان دنوں میں بھی ہو سکتی ہے۔

ماہ ربیع الآخر کی گیارہویں تاریخ ہر مہینہ کی گیارہویں کو حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ دلائی جاتی ہے، یہ بھی ایصالِ ثواب کی ایک صورت ہے بلکہ غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب بھی فاتحہ ہوتی ہے کسی تاریخ میں ہو، عوام اسے گیارہویں کی فاتحہ بولتے ہیں۔

ماہ رجب کی چھٹی تاریخ بلکہ ہر مہینہ کی چھٹی تاریخ کو حضور خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ بھی ایصال ثواب میں داخل ہے۔

اصحاب کہف کا توشہ یا حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا توشہ یا حضرت شیخ احمد

عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کا توشہ بھی جائز ہے اور ایصال ثواب میں داخل ہے۔

عرس بزرگانِ دین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جو ہر سال ان کے وصال کے دن ہوتا ہے یہ بھی جائز ہے، کہ اس تاریخ میں قرآن مجید ختم کیا جاتا ہے اور ثواب اون بزرگ کو پہنچایا جاتا ہے یا میلاد شریف پڑھا جاتا ہے یا وعظ کہا جاتا ہے، بالجملہ ایسے امور جو باعث ثواب وخیر وبرکت ہیں جیسے دوسرے دنوں میں جائز ہیں ان دنوں میں بھی جائز ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال کے اول یا آخر میں شہدائے احد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زیارت کو تشریف لے جاتے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عرس کو لغو وخرافات چیزوں سے پاک رکھا جائے، جاہلوں کو نامشروع حرکات سے روکا جائے، اگر منع کرنے سے باز نہ آئیں تو ان افعال کا گناہ ان کے ذمہ۔

(بہار شریعت، حصہ 16، ص643تا644، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

ایصالِ ثواب پر کچھ دلائل:

سوال: ایصالِ ثواب کے ثبوت پر کچھ دلائل بیان کر دیں۔

جواب: ایصالِ ثواب کے ثبوت پر چند دلائل درج ذیل ہیں:

قرآن مجید سے ثبوت:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾ ترجمہ: اور وہ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔

(پ28، سورۃ حشر، آیت10)

اس آیت میں فوت شدہ مسلمان بھائیوں کے لیے دعا کا ذکر ہے، جس طرح مسلمانوں کی دعاؤں سے فوت شدگان کو فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح مسلمانوں کے دیگر نیک اعمال اور ان کے ایصالِ ثواب سے بھی ان کو فائدہ پہنچتا ہے۔

میت کی طرف سے صدقہ:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے:((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا: أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم: إِنَّ أُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا، وَأَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ، فَهَلْ لَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ)) ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا کہ میری والدہ اچانک فوت ہوگئیں اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ کلام کرتیں تو تصدق کرتیں، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کو ثواب پہنچے گا، فرمایا: ہاں۔

(صحیح بخاری، باب موت الفجاۃ البغتۃ، ج2، ص102، مطبوعہ دار طوق النجاۃ☆صحیح مسلم، باب وصول ثواب الصدقۃ عن المیت الیہ، ج2، ص696، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

میت کی طرف سے باغ کا صدقہ:

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں:((أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ رضی اللہ عنہ تُوُفِّيَتْ أُمُّهُ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أُمِّي تُوُفِّيَتْ وَأَنَا غَائِبٌ عَنْهَا، أَيَنْفَعُهَا شَيْءٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنِّي أُشْهِدُكَ أَنَّ حَائِطِيَ المِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا)) ترجمہ: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالی عنہ کی والدہ فوت ہوگئیں اور وہ موجود نہ تھے، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم! میری والدہ میری غیر موجودگی میں وفات پاگئیں، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ان کو فائدہ پہنچے گا؟ فرمایا: ہاں، انہوں نے عرض کیا: میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اپنا پھلوں والا باغ اپنی والدہ کی طرف سے صدقہ کیا۔

(صحیح بخاری، باب اذا قال ارضی اوبستانی صدقۃ للہ، ج4، ص7، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

نیک اولاد جو دعا کرے:

صحیح مسلم میں ہے:((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، قَالَ: إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ

يَنْتَفِعُ بِهٖ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ)) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے مگر تین صورتوں میں اسے مرنے کے بعد بھی عمل کا ثواب ملتا ہے: ایک صدقہ جاریہ کی صورت میں، دوسرا نفع والا علم اور تیسرا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔

(صحیح مسلم، باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ، ج 3، ص1255، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

مرنے کے بعد ثواب:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((انَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهٖ وَ حَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْمًا عَلَّمَهُ وَنَشَرَهُ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهُ، وَمُصْحَفًا وَرَّثَهُ أَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ أَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيلِ بَنَاهُ أَوْ نَهْرًا أَجْرَاهُ أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهٖ فِي صِحَّتِهٖ وَحَيَاتِهٖ، يَلْحَقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهٖ)) ترجمہ: بے شک مومن کو مرنے کے بعد اس کے اعمال اور نیکیوں میں سے جن کا ثواب پہنچتا ہے ان میں سے وہ علم جو اس نے سکھایا اور پھیلایا، نیک اولاد جو اس نے چھوڑی، قرآن مجید جو وراثت میں چھوڑا، جو مسجد اس نے بنوائی، جو مسافر خانہ اس نے بنوایا، جو نہر اس نے کھدوائی، اور جو اپنی صحت اور زندگی میں اپنے مال سے صدقہ کیا مرنے کے بعد بھی اس کا ثواب اسے ملتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ، باب ثواب معلم الناس الخیر، ج 1، ص88، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت)

یہ ام سعد کے لیے ہے:

سنن ابی داؤد میں ہے: ((عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ أُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ، فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟، قَالَ: الْمَاءُ، قَالَ: فَحَفَرَ بِئْرًا، وَقَالَ: هٰذِهٖ لِأُمِّ سَعْدٍ)) ترجمہ: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے عرض

کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ام سعد وفات پا گئی ہیں، کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا: پانی، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کنواں کھدوایا اور کہا کہ یہ سعد کی والدہ (کے ایصالِ ثواب) کے لیے ہے۔

(سنن ابی داؤد، فی فضل سقی الماء، ج2، ص130، المکتبة العصریہ، بیروت)

بدعت کا بیان

سوال: بدمذہب مسلمانوں میں رائج کئی معمولات کو بدعت کہتے ہیں، اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: بدمذہب مسلمانوں کے ان معمولات کو جن کی اصل قرآن وحدیث سے ثابت ہے انہیں بدعت کہتے ہیں اور ''شرعاً ممنوع ہونے پر دلیل دینے کے بجائے'' یہ کہہ کر رد کردیتے ہیں کہ اس خاص ہیئت کے ساتھ اس کا ثبوت قرونِ ثلٰثہ (دورِ نبوی، دورِ صحابہ، دورِ تابعین) میں نہیں تھا حالانکہ

اولاً تو قرون وزمانہ کو حاکم بنانا (فلاں زمانے میں تھا تو جائز اور فلاں زمانے میں نہ تھا تو ناجائز) جہالت اور اپنی طرف سے شریعت گھڑنا ہے، ہمیں تو صاحبِ شریعت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول دیا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے حلال کی وہ حلال اور جو حرام فرمائی وہ حرام اور جس کے بارے میں سکوت کیا وہ بھی کرسکتے ہیں، ترمذی وابن ماجہ و حاکم نے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((اَلْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ فِی کِتَابِہٖ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ فِی کِتَابِہٖ وَمَا سَکَتَ عَنْہُ فَھُوَ مِمَّا عَفَا عَنْہ)) ترجمہ: حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حرام بتایا اور جس سے سکوت فرمایا وہ معاف ہے یعنی اس پہ کچھ مواخذہ نہیں۔

(جامع الترمذی ابواب اللباس، باب ماجاء فی لبس الفراء، ج 3، ص 272، دارالغرب الاسلامی، بیروت ☆ سنن ابن ماجہ، باب اکل الجبن والسمن، ج 2، ص 1117، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت ☆ المستدرک للحاکم، کتاب الاطعمہ، ج 4، ص 129، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

ثانیاً ہر نئے کام کو بدعتِ سیئہ (بری بدعت) کہنا بھی جہالت ہے، ہمیں تو صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا: ((مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا بَعْدَہٗ)) ترجمہ: جس نے اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو اپنے

ایجاد کرنے کا ثواب بھی ملے گا اور جو اس طریقے پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی اسے ملے گا۔

(صحیح مسلم، کتاب العلم، باب من سنّ سنة حسنة الخ، ج 2، ص 341، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ثالثاً بدعت کو بدعتِ سیئہ میں منحصر کرنا بھی شریعت پر افتراء ہے، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تراویح (کی جماعت) کے متعلق فرماتے ہیں: ((نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ)) ترجمہ: یہ اچھی بدعت ہے۔

(صحیح بخاری، باب فضل من قام رمضان، ج 3، ص 45، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

ثابت ہوا کہ ہر نیا کام اگر موافق اصول شرعی کے ہے تو وہ بدعت حسنہ ہے اور حدیث پاک: ((مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً)) کے عموم میں داخل ہو کر محمود و مقبول ہوگا اور اگر مخالف اصول شرعی ہو تو مذموم اور مردود ہوگا۔

بدعت اچھی بھی ہوسکتی ہے:

سوال: کیا بدعت اچھی بھی ہوسکتی ہے؟

جواب: جی ہاں، بدعت اچھی بھی ہوسکتی ہے۔ بدمذہب یہ گمراہ کن نظریہ پھیلاتے ہیں کہ بدعت بری ہی ہوتی ہے، اچھی نہیں ہوسکتی ہے، حالانکہ ان کا یہ نظریہ احادیث مبارکہ، اقوال صحابہ اور اقوال ائمہ کے خلاف ہے، بدعت ہر اس کام کو کہتے ہیں جو نیا ہو، پہلے نہ ہو، اگر وہ نیا کام قرآن وسنت سے ٹکراتا ہو تو بدعتِ سیئہ (بری بدعت) ہے اور اگر قرآن وحدیث سے ٹکراتا نہ ہو تو وہ بدعتِ مباحہ اور بدعتِ حسنہ کی قبیل سے ہے، اس پر درج ذیل دلائل ہیں:

اللہ کی رضا کے لئے:

قرآن مجید میں ہے: ﴿وَ رَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور راہب بننا تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی

طرف سے نکالی ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی پھر اسے نہ نباہا جیسا اس کے نباہنے کا حق تھا تو ان کے ایمان والوں کو ہم نے ان کا ثواب عطا کیا اور ان میں سے بہتیرے فاسق ہیں۔ (سورۃ الحدید، آیت 27)

اس آیت مبارکہ کے تحت صدرالافاضل سید مفتی نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس آیت سے معلوم ہوا کہ بدعت یعنی دِین میں کسی بات کا نکالنا اگر وہ بات نیک ہو اور اس سے رضائے الٰہی مقصود ہو تو بہتر ہے، اس پر ثواب ملتا ہے، اور اس کو جاری رکھنا چاہئے ایسی بدعت کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں البتہ دِین میں بُری بات نکالنا بدعتِ سیئہ کہلاتا ہے، وہ ممنوع اور ناجائز ہے اور بدعتِ سیئہ حدیث شریف میں وہ بتائی گئی ہے جو خلافِ سنّت ہو اس کے نکالنے سے کوئی سنّت اٹھ جائے اس سے ہزار ہا مسائل کا فیصلہ ہو جاتا ہے جن میں آج کل لوگ اختلاف کرتے ہیں اور اپنی ہوائے نفسانی سے ایسے امورِ خیر کو بدعت بتا کر منع کرتے ہیں جن سے دِین کی تقویت و تائید ہوتی ہے اور مسلمانوں کو اخروی فوائد پہنچتے ہیں اور وہ طاعات و عبادات میں ذوق و شوق کے ساتھ مشغول رہتے ہیں ایسے امور کو بدعت بتانا قرآنِ مجید کی اس آیت کے صریح خلاف ہے۔''

(تفسیر خزائن العرفان، تحت الآیۃ المذکورہ)

اس آیت پاک کے تحت علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تفسیر روح البیان میں بھی بدعت حسنہ کا جواز ثابت کیا ہے۔

(تفسیر روح البیان، تحت الآیۃ المذکورہ، ج9، ص384، دار الفکر، بیروت)

جس نے اچھا طریقہ ایجاد کیا:

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً، فَلَہٗ اَجْرُھَا، وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا بَعْدَہٗ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْءٌ، وَمَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً سَیِّئَۃً کَانَ عَلَیْہِ وِزْرُھَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ بَعْدِہٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِھِمْ شَیْءٌ)) ترجمہ: جس نے اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو

اپنے ایجاد کرنے کا ثواب بھی ملے گا اور جو اس طریقے پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی اسے ملے گا بغیر اس کے کہ ان کے اجر سے کچھ کم ہو، اور جس نے اسلام میں برا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو اپنے ایجاد کرنے کا گناہ بھی ملے گا اور جو اس طریقے پر عمل کریں گے ان کا گناہ بھی اسے ملے گا بغیر اس کے کہ ان کے گناہ سے کچھ کم ہو۔

(صحیح مسلم، کتاب العلم، باب من سنّ سنة حسنة الخ، ج 2، ص 341، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

بدعت ضلالہ:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((وَمَنْ ابْتَدَعَ بِدْعَةَ ضَلَالَةٍ لَا تُرْضِي اللّٰهَ وَرَسُولَهُ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أَوْزَارِ النَّاسِ شَيْئًا)) ترجمہ: جس نے بدعتِ ضلالہ جس سے وہ اللہ (عزوجل) اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو راضی نہیں کرتا شروع کی تو جو جو اس پر عمل کریں گے ان کا گناہ اسے ملے گا اور ان کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(جامع الترمذی، ماجاء فی الاخذ بالسنة واجتناب البدع، ج 5، ص 45، مصطفی البابی حلبی، مصر)

معلوم ہوا کہ ہر بدعت ممنوع نہیں ہے، صرف وہ ہی ممنوع ہے جو بدعتِ ضلالہ (گمراہی والی بدعت) ہو، جو قرآن وحدیث کے خلاف ہو، جس سے اللہ و رسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو راضی نہ کیا جائے اور اس کے برعکس اگر کوئی نیا کام جو قرآن وحدیث کے خلاف نہ ہو، جس کی اصل قرآن وحدیث سے ثابت ہو وہ بدعتِ ضلالہ اور ممنوع نہیں بلکہ بدعتِ مباحہ اور بدعتِ حسنہ کی قبیل سے ہے۔

محدث وفقیہ علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1014ھ) اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''وَقَيْدُ الْبِدْعَةِ بِالضَّلَالَةِ لِإِخْرَاجِ الْبِدْعَةِ الْحَسَنَةِ كَالْمَنَارَةِ، كَذَا ذَكَرَهُ ابْنُ الْمَلَكِ'' ترجمہ: ضلالہ کی قید بدعتِ حسنہ کو نکالنے کے لیے ہے جیسا کہ منارہ، ایسا ہی ابن الملک نے ذکر کیا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنہ، ج 1، ص 256، دار الفکر، [illegible])

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1031ھ) اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں: ''وفیہ إشارة إلى أن بعض البدع غیر ضلالة ''ترجمہ: اس حدیث پاک میں یہ اشارہ ہے کہ بعض بدعتیں ضلالت (گمراہی والی) نہیں ہیں۔

(فیض القدیر، حرف الہمزہ، ج2، ص9، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

امام شافعی اور بدعت:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مَا أُحْدِثَ مِمَّا يُخَالِفُ الْكِتَابَ أَوِ السُّنَّةَ أَوِ الْأَثَرَ أَوِ الْإِجْمَاعَ فَهُوَ ضَلَالَةٌ، وَمَا أُحْدِثَ مِنَ الْخَيْرِ مِمَّا لَا يُخَالِفُ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَلَيْسَ بِمَذْمُومٍ ''ترجمہ: وہ نئی باتیں جو قرآن، حدیث، آثار یا اجماع کے خلاف ہوں وہ تو بدعت وگمراہی ہیں۔ اور وہ نئی باتیں جو بھلائی کے کاموں سے نکالی جائے اور اس میں ان (مذکورہ) چیزوں کا خلاف نہ ہو تو وہ بری نہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنہ، ج1، ص224، دارالفکر، بیروت)

امام بیہقی نے امام شافعی کے اس فرمان کو اپنی کتاب ''المدخل الی السنن الکبری'' میں نقل کیا ہے اور علامہ نووی نے بھی ''تہذیب الاسماء واللغات'' میں نقل کیا ہے۔

(المدخل الی السنن الکبری، باب مایذکر من ذم الرأی وتکلف القیاس، ج1، ص206، دارالخلفاء للکتاب الاسلامی، الکویت ☆ تہذیب الاسماء واللغات، حرف الباء، ج3، ص23، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

شیخ عز الدین اور بدعت:

سلطان العلماء شیخ عز الدین بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 660ھ) فرماتے ہیں:

بدعت وہ کام ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں رائج نہ ہوا ہو اس کی پانچ قسمیں ہیں: (1) بدعت واجبہ (2) بدعت محرمہ (3) بدعت مندوبہ (4) بدعت مکروہہ (5) بدعت مباحہ، ان کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ جو بھی نیا کام ہوا سے قواعد

شرعیہ پر پیش کیا جائے گا اگر وہ وجوب کے قواعد کے تحت آتی ہو تو وہ بدعت واجبہ ہے، اور اگر وہ حرمت کے قواعد تحت آتی ہو تو وہ بدعت محرمہ ہے، اور اگر وہ استحباب کے قواعد کے تحت آتی ہو تو وہ بدعت مندوبہ ہے، اور اگر وہ کراہت کے قواعد کے تحت آتی ہو تو وہ بدعت مکروہہ، اور اگر وہ اباحت کے قواعد کے تحت داخل ہوتی ہو تو وہ بدعت مباحہ ہے۔

چند واجب بدعتوں کی مثالیں: (1) علم نحو سیکھنے میں مشغول ہونا کہ یہ ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعے کلام الٰہی (عزوجل) اور کلام مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سمجھا جاتا ہے ،اس کے واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حفظِ شریعت واجب ہے اور شریعت کا حفظ بغیر علم نحو کی معرفت کے ممکن نہیں اور قاعدہ ہے کہ جس چیز کے ذریعے واجب مکمل ہوتا ہو وہ چیز بھی واجب ہے۔(2) قرآن وسنت کے غرائب لغویہ کی حفاظت۔(3) اصول فقہ کی تدوین ۔(4) صحیح کو غلط سے جدا کرنے کے لئے جرح وتعدیل میں کلام۔قواعد شرعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جو چیزیں قدر متعین سے زائد ہیں ان میں حفظ شریعت واجب ہے ،اور اوپر ہماری بیان کردہ مثالیں ایسی ہیں کہ ان کے بغیر حفظ شریعت ممکن نہیں۔

حرام بدعتوں کی مثالیں: (1) مذہب قدریہ (2) مذہب جبریہ (3) مذہب مرجئہ (4) مذہب مجسمہ۔

اور ان میں سے ہر ایک کا رد کرنا بدعت واجبہ ہے۔

مستحب بدعتوں کی چند مثالیں: (1) سرائے، مدارس اور پلوں کی تعمیر (2) ہر وہ اچھا کام جو پہلے زمانے میں نہ ہوتا ہو۔(3) تراویح کی جماعت۔(4) تصوف کی باریکیوں میں کلام۔(5) اللہ کی رضا کے لئے محافل کے اندر مسائل سے استدلال کے لئے مناظرانہ کلام۔

مکروہ بدعتوں کی چند مثالیں: (1) مساجد کی تزیین و آرائش۔(2) قرآن مجید کی زیب وآرائش۔بہرحال قرآن میں اس طرح لحن کرنا کہ قرآن مجید کے الفاظ عربی وضع سے نکل جائیں تو صحیح یہ ہے کہ ایسا کرنا ایسی بدعت ہے جو کہ حرام ہے۔

مباح بدعتوں کی مثالیں: (1) صبح اور عصر کے بعد مصافحہ۔ (2) کھانے پینے کی اشیاء، کپڑوں اور گھروں کی آسائش میں وسعت، سبز چادریں پہننا اور آستینوں کا کھلا رکھنا۔

بعض اوقات ان میں سے بعض چیزوں کے اندر علماء کا اختلاف ہوجاتا ہے، پس بعض علماء انہیں مکروہ کہتے ہیں اور دیگر مکروہ نہیں کہتے۔

(قواعد الاحکام فی مصالح الانام،فصل فی البدع،ج 2،ص 204،مکتبۃ الکلیات الازہریہ،القاہرہ)

علامہ نووی اور بدعت:

شارح صحیح مسلم علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 676ھ) بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام کے متعلق فرماتے ہیں: ''قَالَ أَهْلُ اللُّغَةِ هِيَ كُلُّ شَيْءٍ عُمِلَ عَلَى غَيْرِ مِثَالٍ سَابِقٍ قَالَ الْعُلَمَاءُ الْبِدْعَةُ خَمْسَةُ أَقْسَامٍ وَاجِبَةٌ وَمَنْدُوبَةٌ وَمُحَرَّمَةٌ وَمَكْرُوهَةٌ وَمُبَاحَةٌ ''ترجمہ: اہل لغت نے فرمایا ہر وہ عمل جس کی مثال پہلے نہ ہو وہ بدعت ہے۔ علماء نے ارشاد فرمایا بدعت کی پانچ اقسام ہیں: واجب، مستحب، حرام، مکروہ اور مباح۔

(شرح الصحیح المسلم للنووی، کتاب الصلوۃ، تخفیف الصلوۃ و الخطبۃ، جلد 6، صفحہ 154، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

صدرالشریعہ اور بدعت:

صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وہابیوں کے یہاں بدعت کا بہت خرچ ہے، جس چیز کو دیکھیے بدعت ہے، لہٰذا بدعت کسے کہتے ہیں اسے بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بدعتِ مذمومہ وقبیحہ وہ ہے، جو کسی سنت کے مخالف و مزاحم ہو اور یہ مکروہ یا حرام ہے۔ اور مطلق بدعت تو مستحب، بلکہ سنت، بلکہ واجب تک ہوتی ہے۔

حضرت امیر المؤمنین عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تراویح کی نسبت فرماتے ہیں: ((نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ)) ترجمہ: یہ اچھی بدعت ہے۔

حالانکہ تراویح سنتِ مؤکدہ ہے، جس امر کی اصل شرع شریف سے ثابت ہو وہ ہرگز بدعتِ قبیحہ نہیں ہوسکتا، ورنہ خود وہابیہ کے مدارس اور اُن کے وعظ کے جلسے، اس ہیأتِ خاصہ کے ساتھ ضرور بدعت ہوں گے۔ پھر انھیں کیوں نہیں موقوف کرتے...؟ مگر ان کے یہاں تو یہ ٹھہری ہے کہ محبوبانِ خدا کی عظمت کے جتنے اُمور ہیں، سب بدعت اور جس میں ان کا مطلب ہو، وہ حلال وسنت۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔

(بہار شریعت، حصہ 1، ص235،236، مکتبۃ المدینہ، کراچی

''الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' کا ثبوت

قرآن مجید سے ثبوت:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر، اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ (پ22، سورۃ الاحزاب، آیت56)

استدلال:

اولاً اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ''صلوۃ'' اور ''سلام'' پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اور مسلمان ''الصلوة والسلام عليك يا رسول الله، الصلوة والسلام عليك يا نبي الله '' کہہ کر اس پر عمل کرتے ہیں، وہ اس طرح کہ ''صلوا (درود بھیجو) کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ''الصلوة'' اور ''وسلموا '' کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ''والسلام'' اور ''عليه'' پر عمل کرتے ہوئے ''عليك'' کہتے ہیں بلکہ نماز میں ''ايها النبي '' کی اتباع کرتے ہوئے ''يا نبي الله اور يا رسول الله '' بھی کہتے ہیں۔

ثانیاً اس آیت کریمہ میں کسی خاص طریقہ سے صلوۃ وسلام بھیجنے کا حکم نہ دیا بلکہ اسے مطلق رکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی جس طریقے سے چاہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود وسلام عرض کریں اور اس مطلق میں ''الصلوة والسلام عليك يا رسول الله'' بھی ہے۔

السلام علیک یارسول اللہ:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بِمَكَّةَ فَخَرَجْنَا فِي بَعْضِ نَوَاحِيهَا فَمَا اسْتَقْبَلَهُ جَبَلٌ وَلَا

شَجَرٌ اِلَّا وَھُوَ یَقُوْلُ :اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ)) ترجمہ: میں مکۃ المکرمہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، ہم مکہ کے بعض مضافات کی طرف نکلے، راستے میں ہمیں جو بھی پہاڑ اور درخت ملتا وہ یوں عرض کرتا: السلام علیك یا رسول اللہ۔

(سنن ترمذی، ج 6، ص 25، دار الغرب الاسلامی، بیروت ☆ دلائل النبوۃ للبیھقی، باب مبتداء البعث والتنزیل، ج 2، ص 154، دار الکتب العلمیہ، بیروت ☆ دلائل النبوۃ لابی نعیم، الفصل التاسع عشر، ج 1، ص 389، دار النفائس، بیروت ☆ الشفا بتعریف حقوق المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم، ج 1، ص 306، دار الفیحاء، عمان)

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ:

علامہ علی بن ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1044ھ) "سیرتِ حلبیہ" میں روایت نقل کرتے ہیں: ((اِنَّ رسولَ اللہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حِیْنَ أَرَادَ اللہُ تعالی کَرَامَتَہٗ بِالنبوّۃِ کان إذا خَرَجَ لِحَاجَۃٍ أی لحاجۃ الإنسان أبعد حتی لا یری ببناء ، ویفضی إلی الشعاب وبطون الأودیۃ فلا یمر بحجر ولا شجر إلا قال :الصلاۃ والسلام علیك یا رسول اللہ)) ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی بعثت کے قریب زمانے میں جب قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو اتنی دور تشریف لے جاتے کہ وہاں سے آبادی نظر نہ آتی تھی، پھر وہاں آپ گھاٹیوں اور وادیوں کے اندرونی حصوں میں جاکر قضائے حاجت فرماتے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس پتھر اور جس درخت کے پاس سے گزرتے وہ یوں عرض کرتا: الصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ۔

(سیرت حلبیہ، باب سلام الحجر والشجر علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج 1، ص 320، دار الکتب العلمیہ، بیروت ☆ نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین، تبشیر التوراۃ بہ، ج 1، ص 21، دار الفیحاء، دمشق ☆ حاشیۃ الجمل علی شرح منہج، المقدمہ، ج 1، ص 16، دار الفکر، بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور الصلوۃ والسلام:

مکاشفۃ القلوب میں ہے: "اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی فرمایا: اے موسیٰ! کیا تیری یہ خواہش ہے کہ میں تیری زبان پر تیرے کلام سے، تیرے دل میں خیالات

سے، تیرے بدن میں تمہاری روح سے، تمہاری آنکھوں میں تمہاری بصارت سے اور تمہارے کانوں میں تمہاری سماعت سے زیادہ قریب ہوں تو اس کے لیے محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کثرت سے یہ درود پڑھا کرو: الصلوة والسلام عليك يا رسول الله۔

(مکاشفة القلوب مترجم، ص54، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ:

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 597ھ) اپنی کتاب ''التذکرہ فی الوعظ'' کے خطبہ میں لکھتے ہیں: الصَّلَاةُ وَالسَّلَام عَلَيْكَ يَا سيد الْأَنَام ☆ الصَّلَاةُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَ الْإِسْلَام۔

(التذکرہ فی الوعظ، المجلس الثامن متابعة الرسول صلى الله عليه وسلم، ج 1، ص83، دار المعرفہ، بیروت)

حضرت جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 785ھ) فرماتے ہیں: ''جو شخص درج ذیل درود شریف پابندی سے پڑھے گا وہ دنیا و آخرت کی تمام مصیبتوں سے بے خوف ہو جائے گا اور آخرت میں ان شاء اللہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمسائیگی اختیار کرے گا:

بسم الله الرحمن الرحيم

الصلوة والسلام عليك يا محمد ن العربی الصلوة والسلام عليك يا محمد ن القرشی

الصلوة والسلام عليك يا محمد ن المكی الصلوة والسلام عليك يا نبی الله

الصلوة والسلام عليك يا حبيب الله

(جواہر الاولیاء، ص232، مطبوعہ اسلام آباد)

جمہور علما اور الصلوۃ والسلام:

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وَذَهَبَ الْجُمْهُورُ إِلَى الِاجْتِزَاءِ بِكُلِّ لَفْظٍ أَدَّى الْمُرَادَ بِالصَّلَاةِ عَلَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى قَالَ بَعضهم لَو قَالَ فِي أَثْنَاءِ التَّشَهُّدِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ أَجْزَأَ'' ترجمہ: جمہور علما اس طرف گئے ہیں کہ ہر وہ لفظ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود کی مراد کو پورا کرے وہ کافی ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے نماز کے تشہد میں الصلوۃ والسلام علیك ایها النبی پڑھا تو کافی ہے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری، قولہ باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، ج 11، ص 166، دار المعرفہ، بیروت)

اذان سے پہلے اور بعد درود وسلام

سوال: اذان سے پہلے اور بعد درود وسلام پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: اذان سے قبل و بعد درود وسلام پڑھنا جائز ومستحب ہے۔ اس پر درج ذیل دلائل ہیں:

قرآن مجید سے دلیل:

درود وسلام ایسی عبادت ہے جو کسی مخصوص وقت کے ساتھ خاص نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيماً﴾ ترجمہ کنز الایمان: بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ (پ22، سورۃ الاحزاب، سورۃ33، آیت56)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے کا حکم دیا اور یہ حکم مطلق ارشاد فرمایا کسی خاص وقت کی پابندی نہ لگائی کہ اس وقت پڑھو اور اس وقت نہ پڑھو، اس مطلق میں اذان سے پہلے اور بعد کا وقت بھی شامل ہے، لہذا اذان سے پہلے اور بعد میں درود وسلام پڑھنا اس حکم قرآنی پر عمل کرنا ہے۔ اصول کی کتابوں میں یہ قاعدہ موجود ہے: "المطلق یجری علی اطلاقہ" یعنی جو بات مطلق ہو وہ اپنے اطلاق پر جاری ہوتی ہے۔

ردالمحتار میں درودِ پاک کے بارے میں ہے: "ومستحبة فی کل أوقات الإمکان" ترجمہ: درود شریف ہر ممکنہ وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، فروع قرا بالفارسیۃ، جلد1، صفحہ517، دارالفکر، بیروت)

حدیث پاک سے دلیل:

اذان کے بعد درود پڑھنے کا حدیث پاک میں حکم ہے چنانچہ مسلم شریف کی

حدیث پاک ہے:((عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ:إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى الله عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوا اللهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللهِ وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ، فَمَنْ سَأَلَ لِي الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ)) ترجمہ: روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم موذن کو سنو تو تم بھی اسی طرح کہو جو وہ کہہ رہا ہے۔ پھر مجھ پر درود بھیجو۔ کیونکہ جو مجھ پر ایک درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔ پھر اللہ سے میرے لیے وسیلہ مانگو وہ جنت میں ایک جگہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے ایک ہی کے لائق ہے، مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں۔ جو میرے لیے وسیلہ مانگے اس پر میری شفاعت لازم ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الصلوة، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، جلد1، صفحه288، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"پھر مجھ پر درود بھیجو" یہ حکم موذن اور اذان سننے والے دونوں کے لیے ہے، جس طرح کہ بعد والی دعا دونوں کے لیے ہے۔

ہر جائز کام جس کی ابتداء:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر جائز اور صاحب شان کام سے پہلے درود پڑھنے کی ترغیب دلائی ہے، چنانچہ جامع صغیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِحَمْدِ الله وَالصَّلَاةِ عَلَيَّ فَهُوَ أَقْطَعُ أَبْتَرُ مَمْحُوقٌ مِنْ كُلِّ بَرَكَةٍ)) ترجمہ: ہر جائز کام جس کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد اور مجھ پر صلوۃ سے نہیں کی جاتی تو وہ کام ادھورا، نامکمل اور برکت سے خالی ہوتا ہے۔

(جامع صغیر مع التیسیر، ج1، ص9702، مکتبہ امام شافعی، ریاض)

اذان و اقامت بھی یقیناً جائز و صاحب شان کاموں میں سے ہیں، لہذا ان سے

پہلے بھی صلوۃ پڑھنا اس حدیث پر عمل کرنا ہے۔

اقامت سے پہلے:

اقامت سے پہلے تو خود حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے کا ذکر موجود ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((كَانَ بِلَالٌ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُقِيمَ الصَّلَاةَ قَالَ:السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، الصَّلَاةَ رَحِمَكَ اللَّهُ)) ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اقامت کہنے کا ارادہ کرتے تو عرض کرتے: السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، الصَّلَاةَ رَحِمَكَ اللَّهُ۔

(المعجم الاوسط، ج8، ص372، دار الحرمین، القاہرہ)

ممانعت نہیں:

جب تک شریعت کی طرف سے ممانعت کا حکم نہ ہو اشیاء میں اصل اباحت (جائز ہونا) ہے۔ جامع ترمذی وسنن ابن ماجہ ومستدرک حاکم میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((الحلال ما احل الله فی کتابه الحرام ما حرم الله فی کتابه و ماسکت عنه فهومما عفاعنه)) یعنی حلال وہ ہے جو اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جو اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں حرام فرمادیا اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمایا وہ اللہ کی طرف سے معاف ہے۔

(جامع الترمذی، ج4، ص220، مصطفی البابی حلبی، مصر)

اذان واقامت سے پہلے اور بعد میں کہیں درود وسلام کی ممانعت نہیں، لہذا جائز ہے۔

علامہ نووی شافعی:

علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ’’ولکل أن یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد فراغه ‘‘ترجمہ: ہر ایک (مؤذن، اقامت کہنے والے اور اذان وقامت کو سننے والے) کے لیے سنت ہے کہ اذان سے فراغت کے بعد درود پاک پڑھے۔

(منہاج الطالبین، ج1، ص23، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابن حجر اور علامہ رملی:

علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اذان اور اقامت کہنے والوں اور سننے والوں کے لیے سنت ہے کہ اذان اور اقامت سے فراغت کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجیں کیونکہ مسلم شریف کی حدیث پاک میں اذان کے بعد درود پاک پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(تحفة المحتاج فی شرح المنهاج،فصل فی الاذان والاقامه،ج 1،ص482،المكتبة التجارية الكبرى، مصر)

ایسا ہی علامہ شہاب الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1004ھ) نے لکھا ہے۔

(نهاية المحتاج الى شرح المنهاج،شروط الاذان،ج 1،ص 422،دارالفكر،بيروت)

علامہ عبدالحمید الشروانی:

اس کے تحت علامہ عبدالحمید الشروانی لکھتے ہیں:

بعض مؤذن اذان کے بعد "الصلوة والسلام عليك يا رسول الله" اور دیگر صیغوں کے ساتھ درود وسلام پڑھتے ہیں تو اس سے یہ سنت ادا ہو جاتی ہے۔

(حاشية الشروانی علی تحفة المحتاج فی شرح المنهاج،فصل فی الاذان والاقامه،ج 1، ص482، المكتبة التجارية الكبرى،مصر)

علامہ شبراملسی:

علامہ شبراملسی متوفی 1087ھ فرماتے ہیں:

بعض مؤذن اذان کے بعد "الصلوة والسلام عليك يا رسول الله" اور دیگر صیغوں کے ساتھ درود وسلام پڑھتے ہیں تو اس سے یہ سنت ادا ہو جاتی ہے۔

(حاشيه شبراملسی علی نهاية المحتاج،شروط الاذان،ج 1،ص422،دارالفكر،بيروت)

یہ بات انہی الفاظ کے ساتھ حاشیہ جمل میں بھی ہے۔

(حاشية الجمل علی شرح منهج،باب الاذان والاقامه،ج 1،ص310، دارالفكر، بيروت)

یہی بات علامہ سلیمان بن محمد بن عمر البجیرمی المصری (متوفی 1221ھ) نے

بھی لکھی ہے۔

(حاشیۃ البجیرعلی شرح المنھج،باب توجہ للقبلۃ فی الصلوۃ،ج1،ص175،مطبعۃ الحلبی)

علامہ شامی:

خاتم المحققین حضرت علامہ سید ابن عابدین شامی حنفی رحمۃ اللہ علیہ درود شریف پڑھنے کے مستحب مواقع بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: علماء کرام نے بعض مواقع پر درود پاک پڑھنے کے مستحب ہونے پر نص فرمائی ہے ان میں سے چند یہ ہیں: روز جُمُعَہ، ہفتہ اتوار اور سوموار کے دن، صبح وشام، مسجد میں جاتے اور نکلتے وقت، بوقت زیارت روضہ اطہر، صفا و مروہ پر، خطبہ جُمُعَہ کے وقت، جواب اذان کے بعد، بوقت اقامت، دعا کے اول آخر اور بیچ میں۔ دعائے قنوت کے بعد، اذان دینے کے وقت اور کسی چیز کے بھول جانے کے وقت۔

(ردالمحتار، کتاب الصلوۃ،فروع قرا بالفارسیۃ،جلد1،صفحہ517،دار الفکر،بیروت)

نوٹ: اذان یا اقامت سے پہلے درود وسلام اس طرح پڑھیں کہ اذان و اقامت سے تھوڑا فاصلہ ہو یا یا درود شریف کی آواز آواز اذان و اقامت سے ایسی جدا ہو کہ امتیاز رہے اور عوام کو درود شریف جزء اقامت نہ معلوم ہو۔ امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”درود شریف قبلِ اقامت پڑھنے میں حرج نہیں مگر اقامت سے فصل چاہئے یا درود شریف کی آواز آوازِ اقامت سے ایسی جدا ہو کہ امتیاز رہے اور عوام کو درود شریف جزء اقامت نہ معلوم ہو۔“

(فتاوی رضویہ،ج5ص385تا389،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

سایہ نہ تھا

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا یا نہیں؟ مدلل ارشاد فرمادیں۔

جواب: تاجدارِ رسالت شہنشاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کا سایہ نہیں تھا، اس پر درج ذیل دلائل ہیں:

(1) حکیم ترمذی نے حضرت ذکوان سے روایت کیا کہ ((ان رَسُولَ الله صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یری لَهُ ظلّ فِي شمس وَلَا قمر)) ترجمہ: سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں نظر آتا نہ چاندنی میں۔

(الخصائص الكبرى بحواله الحكيم الترمذي، باب الآية في انه صلى الله تعالى عليه وسلم لم يكن يرى له ظل، ج1، ص68، مركز اہلسنت، گجرات ہند)

(2) سیدنا عبداللہ بن مبارک اور حافظ علامہ ابن جوزی محدث رحمہما اللہ تعالیٰ حضرت سیدنا وابن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں: ((قال لم یکن لرسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ظل، ولم یقم مع شمس قط الاغلب ضوؤہ ضوء الشمس، ولم یقم مع سراج قط الاغلب ضوؤہ علی ضوء السراج)) ترجمہ: یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا، اور نہ کھڑے ہوئے آفتاب کے سامنے مگر یہ (کہ) ان کا نورِ عالم افروز خورشید کی روشنی پر غالب آگیا، اور نہ قیام فرمایا چراغ کی ضیاء میں مگر یہ کہ حضور کے تابشِ نور نے اس کی چمک کو دبا لیا۔

(الوفاء باحوال المصطفى، الباب التاسع والعشرون، ج2، ص407، مكتبه نوريه رضويه، فيصل آباد)

(3) امام علام حافظ جلال الملۃ والدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب خصائص کبریٰ میں اس معنے کے لئے ایک باب وضع فرمایا اور اس میں حدیث ذکوان ذکر کر کے نقل کیا: "قَالَ ابن سبع من خَصَائِصه ان ظله كَانَ لَا يَقع على الأَرْض وَأنه كَانَ نورا فَكَانَ إذا مَشى فِي الشَّمْس أَو الْقَمَر لَا ينظر لَهُ ظلّ قَالَ بَعضهم وَيشْهد لَهُ حَدِيث قَوْله صلی اللہ علیہ وسلم فِي دُعَائِهِ ((واجعلني نورا))" ترجمہ: ابن سبع نے کہا

حضور کے خصائص کریمہ سے ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا اور آپ نور محض تھے، تو جب دھوپ یا چاندنی میں چلتے آپ کا سایہ نظر نہ آتا۔ بعض علماء نے فرمایا اس کی شاہد ہے وہ حدیث کہ حضور نے اپنی دعا میں عرض کیا کہ مجھے نور کر دے۔

(الخصائص الکبری، باب الآیۃ انہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم لم یکن یری لہ ظل، ج 1، ص 68، مرکز اہلسنت برکات رضا، گجرات، ہند)

(4) امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا، اور یہ امر احادیث واقوال علماء کرام سے ثابت اور اکابر ائمہ وجہابذ فضلاء مثل (1) حافظ رزین محدث (2) علامہ ابن سبع صاحب شفاء الصدور (3) امام علامہ قاضی عیاض صاحب کتاب الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ (4) امام عارف باللہ سیدی جلال الملۃ والدین محمد بلخی رومی قدس سرہ (5) علامہ حسین بن دیار بکری (6) صاحب سیرت شامی (7) صاحب سیرت حلبی (8) امام علامہ جلال الملۃ والدین سیوطی (9) امام شمس الدین ابوالفرج ابن جوزی محدث صاحب کتاب الوفاء (10) علامہ شہاب الحق والدین خفاجی صاحب نسیم الریاض (11) امام احمد بن محمد خطیب قسطلانی صاحب مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ (12) فاضل اجل محمد زرقانی مالکی شارح مواہب (13) شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی (14) جناب شیخ مجدد الف ثانی فاروقی سرہندی (15) بحرالعلوم مولانا عبدالعلی لکھنوی (16) شیخ الحدیث مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی وغیرہم اجلہ فاضلین ومقتدایان کہ آج کل کے مدعیان خام کار کوان کی شاگردی بلکہ کلام سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں، خلفاً عن سلف دائماً اپنی تصنیف میں اس کی تصریح کرتے آئے اور مفتی عقل وقاضی نقل نے باہم اتفاق کر کے اس کی تاسیس وتشیید کی۔''

(ملخصاً فتاوی رضویہ، ج 30، ص 696، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مزارات پر حاضری

سوال: اولیاء کے مزارات پر حاضری دینا کیسا ہے؟

جواب: مزارات اولیاء پر حاضری دینا مستحب اور حصول برکات کا ذریعہ ہے اور ہر دور میں امت کا اس پر عمل رہا ہے جس پر کثیر دلائل موجود ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

(1) نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((فَزُوْرُوْهَا؛ فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا، وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ)) ترجمہ: زیارتِ قبور کیا کرو کہ یہ دنیا سے بے رغبت کرتی اور آخرت کی یاد دلاتی ہے۔

(سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی زیارۃ القبور، ج 1، ص 501، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

(2) حضرت مالک الدار سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((اَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَنِ عُمَرَ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! اسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا، فَأَتَى الرَّجُلَ فِي الْمَنَامِ فَقِيلَ لَهُ: ائْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ، وَأَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مُسْتَقِيمُونَ وَقُلْ لَهُ: عَلَيْكَ الْكَيْسُ، عَلَيْكَ الْكَيْسُ "، فَأَتَى عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ فَبَكَى عُمَرُ ثُمَّ قَالَ: يَا رَبِّ لَا آلُو إِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ)) ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں لوگوں پر قحط پڑ گیا۔ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آیا اور کہا **یارسول اللہ** صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ عزوجل سے اپنی امت کے لئے بارش طلب کریں کہ یہ ہلاک ہو رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آدمی کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا عمر کو میرا سلام کہنا اور اسے خبر دینا کہ بارش ہوگی، اور یہ بھی کہنا کہ نرمی اختیار کرے، اس شخص نے حاضر ہو کر خبر دی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر رو دئے، پھر کہا: اے میرے رب! میں کوتاہی نہیں کرتا مگر اس چیز میں جس سے میں عاجز ہوں۔

(مصنف ابن شیبہ، کتاب الفضائل، ماذکر فی فضل عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

جلد 12، صفحہ 32، الدار السلفیۃ، الہندیۃ)

(3) قرآن مجید میں اصحاب کہف کے واقعہ میں ہے: ﴿قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰۤی اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْهِمْ مَّسْجِدًا﴾ ترجمۂ کنز الایمان: وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے تھے قسم ہے کہ ہم تو ان پر مسجد بنائیں گے۔ (سورۃ الکہف، آیت 21)

اس آیت مبارکہ کے تحت صدر الافاضل مفتی سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جس میں مسلمان نماز پڑھیں اور ان کے قرب سے برکت حاصل کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے مزارات کے قریب مسئلہ: مسجدیں بنانا اہلِ ایمان کا قدیم طریقہ ہے اور قرآنِ کریم میں اس کا ذکر فرمانا اور اس کو منع نہ کرنا اس فعل کے درست ہونے کی قوی ترین دلیل ہے۔ مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے جوار میں برکت حاصل ہوتی ہے اسی لئے اہل اللہ کے مزارات پر لوگ حصولِ برکت کے لئے جایا کرتے ہیں اور اسی لئے قبروں کی زیارت سنّت اور موجبِ ثواب ہے۔

(خزائن العرفان، تحت الآیۃ المذکورہ)

(4) اسد الغابہ میں امام ابن الاثیر صحابی رسول حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے دور کے لوگوں کا معمول بیان کرتے ہیں: ''دفنوہ بالقرب من القسطنطنیۃ وقبرہ بھا یستسقون بہ'' ترجمہ: لوگوں نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو قسطنطنیہ کے قریب دفن کیا اب بھی آپ کی قبر وہیں ہے وہاں کے لوگ آپ کی قبر مبارک کے وسیلہ سے بارش طلب کرتے ہیں۔

(اسد الغابۃ، جلد 1، ص 653، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

(5) البدایہ والنہایہ میں حافظ ابن کثیر حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے دور کے لوگوں کا عمل لکھتے ہیں: ''قبرھا ھنالک یعظمونہ ویستسقون بہ ویقولون قبر المرأۃ الصالحۃ'' ترجمہ: حضرت ام حرام بنت ملحان کی قبر مبارک قبرص میں ہے وہاں کے لوگ ان کی قبر کی تعظیم کرتے ہیں، ان کی قبر کے

وسیلے سے بارش طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نیک عورت کی قبر ہے۔

(البدایہ والنہایہ، جلد4، ص165، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

(6) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور آپ کی قبر مبارک پر آتا ہوں۔ پس جب مجھے کوئی حاجت ہوتی ہے تو دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور آپ کی قبر کے پاس اللہ سے دعا مانگتا ہوں تو وہ حاجت جلدی پوری ہو جاتی ہے۔

(ردالمحتار علی الدرمختار، جلد 1، ص135، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ)

(7) شیخ محقق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں: ''امام شافعی گفتہ است قبر موسی کاظم تریاق مجرب ست مر اجابت دعا را'' ترجمہ: امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: حضرت موسیٰ کاظم کی قبر انور قبولیت دعا کے لیے تریاق مجرب ہے۔ (اشعۃ اللمعات، کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور، ج 1، ص762)

(8) امام اجل امام ابن الحاج مدخل میں فرماتے ہیں:

ہمیشہ سے تمام لوگ علماء اور اکابر مشرق و مغرب میں مزاراتِ اولیاء کی زیارت سے برکت حاصل کرتے رہے ہیں اور حسی اور معنوی طور پر برکت پاتے رہے ہیں۔

(المدخل، فصل فی زیارۃ القبور، ج 1، ص255، دارالتراث، بیروت)

(9) پھر شیخ امام ابو عبداللہ بن نعمان کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

برکت حاصل کرنے کے لیے مزاراتِ صالحین کی زیارت محبوب ہے کہ صالحین کی برکت ان کے وصال کے بھی جاری ہے جیسا کہ ان کی حیات میں تھی۔

(المدخل، فصل فی زیارۃ القبور، ج 1، ص255، دارالتراث، بیروت)

(10) حافظ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ ابو بکر محمد بن مؤمل فرماتے ہیں:

ہم محدثین کے امام ابو بکر بن خزیمہ، انہی کے ہم پلہ ابو علی ثقفی اور اپنے مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ نکلے اس وقت وہ سب طوس میں امام علی بن موسیٰ رضا رضی اللہ کی قبر

کی زیارت کے لیے جمع ہوئے تھے، ابو بکر محمد بن مؤمل فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابن خزیمہ کو اس مزار پر اتنی تعظیم، عاجزی اور گریہ وزاری کرتے ہوئے دیکھا جس نے ہمیں حیران کر دیا۔ (تہذیب التہذیب، جلد4، ص656.657، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(11) خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ جو سلسلہ عالیہ چشتیہ کے بانی ہیں اور جن کی ولایت مسلمہ ہے آپ نے اجمیر شریف جاتے ہوئے راستے میں لاہور حضور داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پر حاضری دی اور وہ فیض پایا کہ یوں عرض کرتے ہیں:

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہ نما

آپ کی چلہ گاہ داتا حضور کی قبر مبارک کی پائنتی کی جانب آج بھی موجود ہے اگر مزارات اولیاء پر جانا شرک ہوتا تو خواجہ اجمیر ایسا عمل نہ کرتے۔

(12) امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''زیارتِ قبور سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((أَلَا فَزُوْرُوْهَا فَإِنَّهَا تُزَهِّدُكُمْ فِي الدُّنْيَا تُذَكِّرُكُمُ الْآخِرَةَ)) ترجمہ: سن لو! قبور کی زیارت کرو کہ وہ تمہیں دنیا میں بے رغبت کرے گی اور آخرت یاد دلائے گی۔

(سنن ابن ماجہ، ج2، ص252، ☆المستدرک، ج1، ص708,709)

خصوصاً زیارتِ مزاراتِ اولیائے کرام کہ موجب ہزاراں ہزار برکت وسعادت ہے، اسے بدعت نہ کہے گا مگر وہابی نابکار، ابنِ تیمیہ کا فضلہ خوار۔ وہاں جاہلوں نے جو بدعات مثل رقص ومزامیر ایجاد کر لئے ہیں وہ ضرور ناجائز ہیں، مگران سے زیارت کہ سنت ہے بدعت نہ ہو جائے گی۔ جیسے نماز میں قرآن شریف غلط پڑھنا، رکوع وسجود صحیح نہ کرنا، طہارت ٹھیک نہ ہونا عام عوام میں جاری وساری ہے اس سے نماز بری نہ ہو جائیگی۔''

(فتاوی رضویہ، ج29، ص282، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

كتاب الصلاة

نماز اور امامت کے کچھ اہم مسائل

داڑھی منڈا اور خشخشی داڑھی والا امام:

سوال: جوامام داڑھی منڈاتا ہو یا کترواکرایک مٹھی سے کم کرواتا ہواس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے، صحیح بخاری میں ہے:((عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ:خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ: وَفِّرُوا اللِّحَى،وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ:إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ فَمَا فَضَلَ أَخَذَهُ))

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھے چھوٹی کرواور حضرت عبداللہ بن عمر جب حج یا عمرہ کرتے، اپنی داڑھی کو مٹھی میں لیتے پس جو (ایک مشت سے) زائد ہوتی اس کو کاٹ دیتے۔

(صحیح البخاری ، کتاب اللباس ،باب تقلیم الاظفار،جلد 3،صفحہ160،دار طوق النجاۃ)

داڑھی منڈانا اور کترواکر حدِ شرع سے کم کرانا ناجائز وحرام ہے شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی1052ھ) فرماتے ہیں: داڑھی منڈانا حرام ہے......اور ایک مشت کی مقدار رکھنا واجب ہے اور جو اسے سنت قرار دیتے ہیں وہ اس معنی میں ہے کہ یہ دین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جاری کردہ طریقہ ہے یا اس وجہ سے کہ اس کا ثبوت سنت نبوی سے ہے جیسا کہ نماز عید کو سنت کہا جاتا ہے حالانکہ وہ واجب ہے۔

(اشعۃ اللمعات ،شرح المشکوۃ، کتاب الطہارۃ ،باب السواک ،جلد 1 صفحہ212،مکتبہ نوریہ رضویہ ،سکھر)

داڑھی منڈانے والا یا کٹوا کر حد شرع سے کم کروانے والا فاسق معلن ہے۔ایسے شخص کو امام بنانا ناجائز و گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھ لی ہوں ان کا لوٹانا واجب ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((

...امر فاجر مؤمناًالا ان یقهره بسلطان یخاف سیفه اوسوطه)) ترجمہ: ہرگز کوئی فاسق ...ی مسلمان کی امامت نہ کرے مگر یہ کہ وہ اس کو بزورِ سلطنت مجبور کردے کہ اس کی تلوار یا ...ڑے کا ڈر ہو۔

(سنن ابن ماجہ، ص77، مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: ((اجعلوائمتکم خیارکم فانهم وفدکم ...ما بینکم وبین ربکم)) ترجمہ: اپنے نیکوں کو اپنا امام کرو کہ تمہارے وسائط ہیں ...ارے اور تمہارے رب عزوجل کے درمیان۔

(سنن دار قطنی، ج2، ص88، مطبوعہ نشر السنة، ملتان)

غنیۃ المستملی میں ہے: اگر فاسق کو امام بنایا تو وہ گناہ گار ہوں گے، اس بنا پر کہ ...اسق کو امام بنانے کی کراہت کراہت تحریمی ہے۔

(غنیه المستملی شرح منیة المصلی، ص279، مجتبائی، دہلی)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں:

داڑھی منڈانا اور کترواکر حدِ شرع سے کم کرانا دونوں حرام و فسق ہیں اور اس کا ...ق بالاعلان ہونا ظاہر کہ ایسوں کے منہ پر جلی قلم سے فاسق لکھا ہوتا ہے اور فاسق معلن کی ...امت ممنوع و گناہ ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج6، ص505، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

داڑھی ترشوانے والے کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ ...انی گناہ اور پھیرنی واجب۔

(فتاوی رضویہ، ج06 ص603، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

...بے ریش بچے کی امامت:

سوال: ایسا بچہ جو بالغ ہو مگر اس کی داڑھی نہ آئی ہو تو اسے امام بنا سکتے ہیں؟

جواب: مذکورہ بالغ بچے کو امام بنا سکتے ہیں البتہ اگر یہ خوبصورت ہو تو بہتر ہے ...سے امام نہ بنایا جائے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن سے سوال ہوا کہ "زید کی عمر اٹھارہ ...س کی ہے اور حافظ ہے، داڑھی نہیں ہے۔ آیا اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟"

جواباً ارشاد فرمایا: اگر حسین وجمیل خوب صورت ہو کہ فساق کے لئے محل شہوت ہو تو اس کی امامت خلاف اولی ہے ورنہ نہیں۔

(فتاوی رضویہ، جلد 6، صفحہ 545، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اگر جماعت میں سارے داڑھی منڈے ہوں:

سوال: سارے داڑھی منڈے جمع ہو جائیں تو کیا ایک داڑھی منڈے کو امام بنا کر باجماعت نماز ادا کریں یا اکیلے اکیلے نماز ادا کریں؟

جواب: سارے داڑھی منڈے ہوں تو اکیلے اکیلے نماز پڑھیں، اگر ایک داڑھی منڈے کو امام بنا کر اس کے پیچھے نماز پڑھی تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور اس کا اعادہ واجب ہے۔ امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "جب مبتدع یا فاسقِ معلن کے سوا کوئی امام نہ مل سکے تو منفرداً تنہا تنہا پڑھیں کہ جماعت واجب ہے اور اس کی تقدیم ممنوع بکراہت تحریم اور واجب ومکروہ تحریمی دونوں ایک مرتبہ میں ہیں اور درء المفاسد اھم من جلب المصالح (مفاسد کو دور کرنا مصالح کے حصول سے اہم ہے)۔"

(فتاوی رضویہ قدیم، ج 3، ص 273)

فتاوی فیض الرسول میں ہے "داڑھی منڈانے والے فاسقِ معلن کے پیچھے داڑھی منڈانے والوں کی نفسِ نماز تو ہو جائے گی مگر پڑھنے والے گناہ گار ہوں گے اور نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ لہذا واجب کے لئے مکروہ تحریمی کا ارتکاب نہ کیا جائے کہ مکروہ تحریمی کا اعتناء واجب سے اہم واعظم ہے۔"

(فتاوی فیض الرسول، جلد 1، ص 259، شبیر برادرز، لاہور)

کالا خضاب لگانے والے امام کے پیچھے نماز:

سوال: کالا خضاب لگانے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: کالا خضاب لگانا حرام ہے اور لگانے والے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، ناجائز وگناہ ہے اور اگر پڑھی ہو تو اس کا لوٹانا واجب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ

عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((یَکُوْنُ قَوْمٌ یَخْضِبُوْنَ فِی آخِرِ الزَّمَانِ بِالسَّوَادِ، کَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ، لَا یَرِیْحُوْنَ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ)) ترجمہ: آخر زمانے میں کچھ لوگ سیاہ خضاب لگائیں گے جیسے کبوتروں کے پوٹے وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھیں گے۔

(سنن ابی داؤد، باب ماجاء فی خضاب السواد، ج4، ص87، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، النھی عن الخضاب بالسواد، ج8، ص138، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ مسند احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ج4، ص 276، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أَوَّلُ مَنْ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ وَالْکَتَمِ إِبْرَاھِیْمُ وَأَوَّلُ من اختضب بالسواد فرعون)) ترجمہ: سب سے پہلے (سرخ) مہندی اور کتم کا خضاب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے استعمال کیا اور سب سے پہلے کالا خضاب فرعون نے لگایا۔

(الفردوس بماثور الخطاب، باب الالف، ج1، ص29,30، دار الکتب العلمیہ، بیروت ☆ جامع صغیر مع التیسیر، حرف الہمزہ، ج1، ص392، مکتبہ الامام الشافعی، ریاض)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ خَضَبَ بِالسَّوَادِ سَوَّدَ اللہ وَجْھَہُ یَوْمَ القیامۃ)) ترجمہ: جس نے کالا خضاب لگایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا چہرہ کالا کرے گا۔

(مجمع الزوائد، ج5، ص63، دار الکتاب العربی، بیروت ☆ الجامع الصغیر مع التیسیر، حرف المیم، ج2، ص416، مکتبہ امام شافعی، ریاض ☆ کنز العمال بحوالہ طبرانی، الخضاب، ج 6، ص 671، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "خضاب بسواد حرام ست" ترجمہ: سیاہ خضاب لگانا حرام ہے۔

(اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ، کتاب اللباس، باب الرجل، ج3، ص569، نوریہ رضویہ، سکھر)

امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "صحیح مذہب میں سیاہ خضاب حالت جہاد کے سوا مطلقاً حرام ہے جس کی حرمت پر احادیث صحیحہ ومعتبرہ

ناطق۔'' (فتاوی رضویہ، ج23،ص496،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

مفتی وقار الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حدیث اور فقہ کی روشنی میں سیاہ خضاب کی ممانعت ثابت ہے۔ یہی عامۃ المشائخ کا مذہب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ فقہاء جب مکروہ لفظ بلا قید بولتے ہیں تو مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے اور مکروہ تحریمی حکم میں حرام کی طرح ہے۔ لہذا کالا خضاب لگانے والا فاسق ہے اور اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے اور اس کے پیچھے جو نماز پڑھی جائے گی اس کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔''

(وقار الفتاوی، جلد2،صفحہ174،بزم وقار الدین،کراچی)

امام کسے بنایا جائے؟:

سوال:امام کسے بنایا جائے؟

جواب: امام اسے بنایا جائے جو سنی صحیح العقیدہ، صحیح الطہارۃ، صحیح القرأۃ، مسائلِ نماز وطہارت کا عالم، غیر فاسق ہو، نہ اس میں کوئی ایسا عیب ہو جس سے لوگوں کو تنفر ہو۔ نور الایضاح میں ہے:

صحیح مردوں کی امامت کے صحیح ہونے کی چھ شرطیں ہیں: اسلام، بلوغ، عقل، مرد ہونا، قرأت کا صحیح ہونا اور اعذار سے سلامت ہونا۔

(نور الایضاح مع الطحطاوی،ص287،قدیمی کتب خانہ،کراچی)

امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

امام اسے کیا جائے جو سنی صحیح العقیدہ، صحیح الطہارۃ، صحیح القرأۃ، مسائلِ نماز وطہارت کا عالم، غیر فاسق ہو، نہ اس میں کوئی ایسا جسمانی یا روحانی عیب ہو جس سے لوگوں کو تنفر ہو۔'' (فتاوی رضویہ،ج6،ص626،رضا فائونڈیشن،لاہور)

نماز میں کفِ ثوب مکروہ تحریمی ہے:

سوال: نماز میں کفِ ثوب کا کیا حکم ہے؟

جواب: **نماز میں کفِ ثوب (کپڑا فولڈ کرنا، کپڑا اسمیٹنا) مکروہ تحریمی ہے، اس حالت میں جو نماز ادا کی وہ مکروہ تحریمی ہے، اس کا اعادہ کرنا واجب ہے۔**

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةٍ لَا أَكُفُّ شَعَرًا وَلَا ثَوْبًا)) ترجمہ: میں حکم دیا گیا کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں اور بالوں اور کپڑوں کو "کف" (فولڈ) نہ کروں۔

(صحیح بخاری، باب لایکف ثوبہ فی الصلاۃ، ج1، ص163، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

درمختار میں ہے: کفِ ثوب (کپڑے سمیٹنا) اگرچہ مٹی کی وجہ سے ہو مکروہ ہے جیسا کہ آستین چڑھانا اور دامن اٹھانا۔

(الدرالمختار مع ردالمحتار، فروع مشی المصلی مستقبل القبلۃ ھل تفسد، ج1، ص640، دار الفکر، بیروت)

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: شیخ خیرالدین رملی کی عبارت اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ اس میں کراہت تحریمی ہے۔

(ردالمحتار، فروع مشی المصلی مستقبل القبلۃ ھل تفسد، ج1، ص640، دار الفکر، بیروت)

نماز کے اندر کفِ ثوب کریں یا باہر سے کر کے اندر جائیں بہر صورت نماز مکروہ تحریمی ہے۔

فتح الباری میں ہے:

اکثر علماء کے نزدیک کراہت دونوں حالتوں میں ہے، ان علماء میں امام اوزاعی، امام ابوحنیفہ، امام شافعی رحمہم اللہ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک جماعت جن میں حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت ابن عباس اور ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔

(فتح الباری، کتاب الصلوۃ، لایکف ثوبہ فی الصلوۃ، جلد2، صفحہ 380، قدیمی کتب خانہ کراچی)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ بالوں اور کپڑوں کو سمیٹنا دونوں صورتوں میں مکروہ ہے چنانچہ عمدۃ القاری میں ہے: جمہور علما نے کفِ ثوب کو نمازی کے لیے

مکروہ قرار دیا چاہے وہ نماز میں کرے یا کر کے نماز میں داخل ہو۔

(عمدۃ القاری ، کتاب الاذان، باب السجود علی سبعۃ اعظم، جلد 6صفحہ 131، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

ردالمحتار میں ہے:

کف ثوب جیسے اگر کوئی آستین چڑھا کر یا دامن سمیٹ کر نماز شروع کرے اور مصنف (صاحب درمختار) نے اپنے اس قول سے اسی بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ نماز کی حالت میں کپڑے اڑسنے پر کراہت موقوف نہیں بلکہ نماز سے پہلے بھی ایسا کیا تو اس کی نماز مکروہ ہوگی۔

(درمختار مع ردالمحتار ، باب مایفسد الصلوۃ وما یکرہ فیھا، جلد2 صفحہ490، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

کفِ ثوب کی عام پیش آنے والی درج ذیل صورتیں ہیں:

(1) نصف کلائی سے زیادہ آستین چڑھالینا،(2) شلوار یا پینٹ کو اوپر (نیفے) سے فولڈ کرنا (3) شلوار یا پینٹ کو نیچے سے فولڈ کرنا (4)، تہبند کو پیچھے سے گھرسنا (5) دامن کو سمیٹنا وغیرہ۔ بحرالرائق میں ہے: کفِ ثوب میں آستینوں کا چڑھانا بھی داخل ہے۔

(بحر الرائق ،ج 2،ص 24،ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واقعی ساری پیچھے سے نہ کھولنا کراہت نماز کا موجب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: امرت ان لا اکف شعراَو لاثوباً"

(فتاوی رضویہ، ج7،ص 312،رضا فائونڈیشن ،لاہور)

صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کوئی آستین آدھی کلائی سے زیادہ چڑھی ہو یا دامن سمیٹے نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے خواہ پیشتر سے چڑھی ہو یا نماز میں چڑھائی۔

(بہار شریعت حصہ3ص 624،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

نزھۃ القاری شرح صحیح البخاری میں مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں: بال یا کپڑے کو غیر معتاد طریقے سے سمیٹنا، مثلاً بالوں کا جوڑا (مردوں کے لیے) باندھنا یا ان کو سمیٹ کر عمامے کے اندر کر لینا یا آستین چڑھا لینا یا تہبند اور پائجامے کو گھرس لینا اس سے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔

(نزهة القاری شرح صحیح البخاری، ج2، ص64، فرید بک سٹال لاہور)

مفتی وقار الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پائجامہ، تہبند، شلوار، پتلون یا کسی اور کپڑے کو نیچے سے موڑ دینا یا اوپر اٹھا کر اڑس لینا کفِ ثوب ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں کفِ ثوب کے بارے میں ایک مستقل باب باندھا ہے اور اس باب میں ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے: ((**امرت ان اسجد علی سبعة اعظم لاکف شعراً ولا ثوبا**)) یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے اور بال اور کپڑے نہ سمیٹنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی حدیث کی بناء پر ہمارے تمام فقہاء نے کفِ ثوب یعنی کپڑے سمیٹنے کو مکروہ تحریمی لکھا ہے۔۔۔۔۔ یہ خیال رہے کہ جو نماز کراہتِ تحریمی کے ساتھ پڑھی جائے گی اس کو دوبارہ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔

(وقار الفتاوی، ج2، ص243، بزم وقار الدین، کراچی)

تنبیہ: یاد رہے کہ شلوار نیفے کو باہر سے اندر کی طرف فولڈ کریں یا اندر سے باہر کی طرف، اسی طرح پینٹ کے پائنچے کو باہر کی طرف فولڈ کریں یا اندر کی طرف کریں، بہر صورت کفِ ثوب میں شمار ہوگا کیونکہ حدیث پاک اور جزئیات میں مطلقاً ممانعت آئی ہے اندر باہر کی قید نہیں۔

سجدے میں انگلیوں کا پیٹ لگانے کا حکم:

سوال: سجدے میں کتنی انگلیاں لگنا ضروری ہیں، اگر کسی کے سجدے میں دونوں پاؤں اٹھے رہے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: سجدے میں پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ لگنا شرط ہے، ہر پاؤں کی تین

تین انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا واجب، سجدہ میں دونوں پاؤں کی دسوں انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا سنت ہے، اسی طرح دسوں کا قبلہ رو ہونا سنت ہے۔

لہذا اگر کسی نے اس طرح سجدہ کیا کہ دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہے، نماز نہ ہوئی بلکہ اگر صرف انگلی کی نوک زمین سے لگی، جب بھی نماز نہ ہوئی، اور اگر ہر پاؤں کی تین انگلیوں سے کم کا پیٹ لگا تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔

درمختار میں ہے: دونوں پاؤں میں سے ایک انگلی کا لگنا (سجدے) میں شرط ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار، قد یطلق الفرض علی مایقابل الرکن، ج1، ص447، دارالفکر، بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حالت سجدہ میں قدم کی دس انگلیوں میں سے ایک کے باطن پر اعتماد مذہب معتمد اور مفتی بہ میں فرض ہے اور دونوں پاؤں کی تمام یا اکثر انگلیوں پر اعتماد بعید نہیں کہ واجب ہو اس بنا پر جو حلیہ میں ہے اور قبلہ کی طرف متوجہ کرنا بغیر کسی انحراف کے سنت ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج7، ص376، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پیشانی کا زمین پر جمنا سجدہ کی حقیقت ہے اور پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ لگنا شرط ۔تو اگر کسی نے اس طرح سجدہ کیا کہ دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہے، نماز نہ ہوئی بلکہ اگر صرف انگلی کی نوک زمین سے لگی، جب بھی نہ ہوئی اس مسئلہ سے بہت لوگ غافل ہیں۔

(بہار شریعت، حصہ3، ص513، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

مزید فرماتے ہیں:

سجدہ میں دونوں پاؤں کی دسوں انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا سنت ہے اور ہر پاؤں کی تین تین انگلیون کے پیٹ زمین پر لگنا واجب اور دسوں کا قبلہ رو ہونا سنت ہے۔

(بہار شریعت، حصہ3، ص530، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

بدمذہب کے پیچھے نماز کا حکم:

جس شخص کی گمراہی حد کفر تک نہ ہو اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے یعنی پڑھنا گناہ پڑھ لی تو اعادہ اور توبہ واجب اور جس کی حد کفر تک پہنچ گئی تو اس کی اقتدا میں بالکل نماز نہیں ہوگی۔

علامہ شمس الدین تمرتاشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بدمذہب کی بدمذہبی حد کفر تک نہ پہنچی ہو تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے اور اگر اس کی بدمذہبی حد کفر پہنچ چکی ہو تو اس کی اقتداء میں نماز بالکل نہیں ہوگی۔

(تنویر الابصار مع الدرالمختار وردالمحتار، باب الامامۃ، ج1، ص560تا562، دارالفکر، بیروت)

امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان میں سے جس شخص کی بدعت حد کفر نہ ہو۔۔۔۔ نماز اس کے پیچھے مکردہ تحریمی ہے اور جو اس حد تک پہنچ گئی تو اقتداء اس کی اصلا صحیح نہیں۔

(فتاوی رضویہ، ج6، ص439، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

جس کی امامت کو لوگ ناپسند کریں:

سوال: لوگ کسی امام کی امامت کو ناپسند کرتے ہوں، تو اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر لوگ اس کی امامت کو کسی شرعی عذر کے بغیر ناپسند کرتے ہیں مثلا کسی دنیوی جھگڑے کی وجہ سے تو لوگوں کی ناپسندیدگی کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے ناپسند کرتے ہیں تو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ثَلَاثَةٌ لَا تُجَاوِزُ صَلَاتُهُمْ آذَانَهُمْ: الْعَبْدُ الْآبِقُ حَتّٰى يَرْجِعَ، وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ، وَإِمَامُ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ)) ترجمہ: تین اشخاص کی نماز ان کے کانوں سے بلند نہیں ہوتی ایک بھگوڑے غلام کی حتی کہ وہ لوٹ آئے، دوسری وہ خاتون جو رات اس حال میں بسر کرے کہ اس کا خاوند اس پر ناراض ہو، تیسرا وہ شخص جو قوم کا

امام بنا حالانکہ لوگ اسے ناپسند کرتے تھے۔

(جامع ترمذی، باب ماجاء فیمن ام قوماً، ج2،ص193، مصطفی البابی،مصر)

امام اہلسنت مجدددین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر قوم کی کراہت شرعی عذر کے بغیر ہو جیسا کہ صالح اور عالم کی امامت کو اپنے بعض دنیوی تنازعے کی وجہ سے مکروہ سمجھتے ہوں یا غلام، نابینا وغیرہ کی امامت مکروہ سمجھتے ہوں حالانکہ وہ قوم سے افضل ہوں، تو ایسی صورت میں قوم کی اپنی ناپسندیدگی کوئی معنی نہیں رکھتی لہذا ان افراد کی امامت میں وہ اثر انداز نہ ہوگی، اگر کراہت کسی شرعی عذر سے ہو مثلا امام فاسق یا بدعتی ہو یا چار مذکور افراد غلام، اعرابی، ولد الزنا اور نابینا دوسروں سے افضل واعلم نہ ہوں یا قوم میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جس میں شرعی ترجیحات ہوں، مثلا علم زیادہ رکھتا ہے، تجوید وقرأت کا ماہر ہے تو یہ خود امامت کے زیادہ لائق اور حق دار ہے ایسی صورت میں جس شخص کو امام بنانا قوم مکروہ جانے اس شخص کو امام بننا ممنوع اور مکروہ تحریمی ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج6،ص471،رضا فائونڈیشن،لاہور)

نماز میں سدل کرنے کا حکم اور اس کی مختلف صورتیں:

سوال: سدل کسے کہتے ہیں اور اس کا حکم کیا ہے؟

جواب: سدل یعنی پہننے کے کپڑے کو بے پہنے لٹکانا مکروہ تحریمی ہے اور اس سے نماز واجب الاعادہ۔ (فتاوی رضویہ،ج7،ص384تا388،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

سوال: سدل یعنی کپڑا لٹکانے کی کچھ صورتیں بیان کردیں؟

جواب: صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ سدل کی مختلف صورتیں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

کپڑا لٹکانا، مثلاً سر یا مونڈھے پر اس طرح ڈالنا کہ دونوں کنارے لٹکتے ہوں، یہ سب مکروہ تحریمی ہیں۔۔۔۔اگر کرتے وغیرہ کی آستین میں ہاتھ نہ ڈالے، بلکہ پیٹھ کی طرف پھینک دی، جب بھی یہی حکم ہے۔۔۔۔۔رومال یا شال یا رضائی یا چادر کے

کنارے دونوں مونڈھوں سے لٹکتے ہوں، یہ ممنوع ومکروہ تحریمی ہے اور ایک کنارہ دوسرے مونڈھے پر ڈال دیا اور دوسرا لٹک رہا ہے تو حرج نہیں اور اگر ایک ہی مونڈھے پر ڈالا اس طرح کہ ایک کنارہ پیٹھ پر لٹک رہا ہے دوسرا پیٹ پر، جیسے عموماً اس زمانہ میں مونڈھوں پر رومال رکھنے کا طریقہ ہے، تو یہ بھی مکروہ (تحریمی) ہے۔

(بہار شریعت، حصہ 3، ص 634، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

"آمین" آہستہ کہنا سنت ہے۔

سوال: "آمین" آہستہ کہیں یا بلند آواز سے؟

جواب: احناف کے نزدیک "آمین" آہستہ کہنا سنت ہے۔

(بدائع الصنائع بحث آمین ج 1 ص 207، دار الکتب العلمیہ بیروت)

سوال: "آمین" آہستہ کہنے پر کیا دلائل ہیں؟

جواب: "آمین" کے آہستہ کہنے کے سنت ہونے پر کچھ دلائل درج ذیل ہیں:

(1) حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، ان کے والد حضرت وائل فرماتے ہیں: ((**اَنَّہٗ صَلّٰی مَعَ النَّبِیِّ** صلی اللہ علیہ وسلم **حِیْنَ قَالَ ﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ﴾ قَالَ: اٰمِیْنَ یَخْفِضُ بِہَا صَوْتَہٗ** ـــ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ، وَلَمْ یُخَرِّجَاہُ (التعلیق من تلخیص الذہبی: علی شرط البخاری ومسلم)) ترجمہ: انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا **﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ﴾** تو آپ نے آمین کہا اور اپنی آواز کو آہستہ رکھا۔ (امام حاکم نے فرمایا:) یہ حدیث امام بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے اور انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔ علامہ ذہبی نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ بخاری ومسلم کی شرط پر ہے۔

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب التفسیر، من کتاب قراءات النبی صلی اللہ علیہ وسلم مما لم یخرجاہ وقد صح سندہ، جلد 2، صفحہ 253، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

یہ حدیث پاک جامع ترمذی میں بھی ہے۔

(جامع ترمذی، باب ماجاء فی التامین، ج 2، ص 27، مطبعہ مصطفی البابی، مصر)

(2) سنن نسائی میں ہے: ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: إِذَا قَالَ الْإِمَامُ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ فَقُولُوا: آمِينَ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَقُولُ: آمِينَ، وَإِنَّ الْإِمَامَ يَقُولُ: آمِينَ، فَمَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب امام کہے تو تم "آمین" کہو کہ بے شک ملائکہ (بھی) "آمین" کہتے ہیں اور بے شک امام (بھی) "آمین" کہتا ہے، تو جس کی آمین ملائکہ کی "آمین" کے موافق ہوگئی تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (سنن نسائی، جہر الامام بآمین، ج2، ص144، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، بیروت)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "وَإِنَّ الْإِمَامَ يَقُولُ: آمِينَ" (اور بے شک امام "آمین" کہتا ہے) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ امام "آمین" آہستہ کہتا ہے، کیونکہ اگر امام بلند آواز سے "آمین" کہتا ہو تو پھر اس فرمان کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ، فَأَمِّنُوا، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) ترجمہ: جب امام "آمین" کہے تو تم (بھی) "آمین" کہو کہ جس کی "آمین" ملائکہ کی آمین کے موافق ہوگئی تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(صحیح بخاری، باب جہر الامام بالتامین، ج1، ص156، مطبوعہ دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب التسمیع والتحمید والتامین، ج1، ص306، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ملائکہ کی موافقت آمین آہستہ کہنے میں ہوگی کیونکہ ملائکہ آہستہ آمین کہتے ہیں کہ ہمیں ان کی آمین سنائی نہیں دیتی۔

(4) شرح معانی الآثار میں ہے: ((عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ: كَانَ عُمَرُ وَعَلِيٌّ رضی اللہ عنہما لَا يَجْهَرَانِ بِـ(بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ) وَلَا بِالتَّعَوُّذِ، وَلَا بِالتَّأْمِينِ)) ترجمہ: حضرت ابو وائل فرماتے ہیں: حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ

ہما بسم اللہ، تعوذ اور آمین بلند آواز سے نہ کہتے۔

(شرح معانی الآثار، باب قراءة بسم الله الرحمن الرحيم الخ، ج 1، ص 203، مطبوعه عالم الكتب)

(5) "آمین" دعا ہے، اس پر ایک دلیل یہ ہے کہ اس کا معنی ہے "اللھم اجب" اے اللہ قبول فرما!)، اور ایک دلیل یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام دعا کر رہے تھے اور رون علیہ السلام "آمین" کہہ رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قد أجیبت دعوتکما ﴾ ترجمہ: تم دونوں کی دعا قبول ہوئی۔ تو یہاں "آمین" کہنے کو بھی "دعا" فرمایا ہے۔ اور عا میں اخفا (آہستہ کرنا) اولیٰ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ادعوا ربکم تضرعا خفیة ﴾ ترجمہ: اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ لم نے ارشاد فرمایا: ((خیر الدعاء الخفی وخیر الرزق ما یکفی)) ترجمہ: بہترین دعا ہ ہے جس میں اخفا ہو اور بہتریں رزق وہ ہے جو کفایت کرے۔

(مبسوط للسرخسی، مکروہات الصلاۃ، ج 1، ص 32، دار المعرفہ، بیروت)

یام میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔

سوال: قیام میں مرد کہاں ہاتھ باندھیں گے؟

جواب: قیام میں مردوں کے لیے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے، اس ہ چند دلائل درج ذیل ہیں:

(1) مصنف ابن ابی شیبہ کی حدیث پاک ہے: ((حدثنا وکیع عن موسیٰ بن عمیر عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابیه قال رایتُ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم وضعَ یَمینه عَلی شماله فی الصلوٰة تحت السرة)) ترجمہ: وائل بن حجر اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ علیہ السلام نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر زیرِ ناف باندھتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 1، صفحہ 390، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

یہ حدیث صحیح ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(2) سنن ابی داؤد میں ہے: ((انَّ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰہ عنہ، قَالَ:مِنَ السُّنَّةِ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ)) ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشادفرمایا: نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔

(سنن ابی داؤد، باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاۃ، ج1، ص201، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

صحابی جب مطلقاً سنت کہے تو اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہوگی۔ (نصب الرایہ، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص314، مؤسسۃ الریان للطباعۃ والنشر، بیروت)

(3) سنن ابی داؤد میں ہے: ((عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ:قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ:أَخْذُ الْأَكُفِّ عَلَى الْأَكُفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ)) ترجمہ: حضرت ابووائل سے روایت ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشادفرمایا: نماز میں ناف کے نیچے ہتھیلی کے اوپر ہتھیلی رکھے۔

(سنن ابی داؤد، باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاۃ، ج1، ص201، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

اس روایت پر بھی عبدالرحمٰن بن اسحاق الکوفی کی وجہ سے اعتراض کیا جاتا ہے، جس کا جواب ہو چکا۔

(4) مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: ((عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ:يَضَعُ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ)) ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے باندھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، وضع الیمین علی الشمال، ج1، ص343، مکتبۃ الرشد، ریاض)

رفع یدین سنت نہیں:

سوال: تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین (ہاتھ اٹھانا) کرنا کیسا ہے؟

جواب: احناف کے نزدیک نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہ کرنا سنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز کسی حدیث میں ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ رفع یدین فرمایا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا خلاف یعنی

ہمیشہ نہ کرنا ثابت ہے۔ احادیث صحیحہ اس کے فعل و ترک دونوں میں وارد ہیں اور تطبیق یہ ہے کہ رفع یدین پہلے کیا گیا اور بعد میں منسوخ ہو گیا۔ ترک رفع یدین پر احناف کے پاس کئی دلائل ہیں، جن میں چند درج ذیل ہیں:

(1) سنن ابی داؤد و سنن نسائی و جامع ترمذی وغیرہا میں ایسی سند سے ہے، جس کے رجال صحیح مسلم ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: فَقَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ لَمْ يُعِدْ)) یعنی کیا میں تمہیں خبر نہ دوں کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے یہ کہہ کر نماز کو کھڑے ہوئے تو صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھائے پھر نہ اٹھائے۔

(سنن نسائی، ترک ذلك، ج 2، ص 182، مكتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابی داؤد، باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع، ج 1، ص 199، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ جامع ترمذی، باب رفع الیدین عند الرکوع، ج 2، ص 40، مصطفی البابی، مصر)

اس حدیث پاک کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں:

((حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَبِهِ يَقُولُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم، وَالتَّابِعِينَ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَأَهْلِ الْكُوفَةِ)) ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت حسن ہے۔ اور اسی کے قائل متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین ہیں اور یہی قول حضرت سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا ہے۔ (جامع ترمذی، باب رفع الیدین عند الرکوع، ج 2، ص 40، مصطفی البابی، مصر)

اس حدیث پاک کے تحت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہ حدیث چند وجوہ سے بہت قوی ہے:

(۱) ایک یہ کہ اس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو صحابہ میں بڑے فقیہ عالم ہیں۔ (۲) دوسرا یہ کہ آپ جماعت صحابہ کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پیش کرتے ہیں اور کوئی صحابی اس کا انکار نہیں فرماتا، معلوم ہوا کہ سب نے اس

کی تائید کی۔ اگر رفع یدین سنت ہوتا تو صحابہ کرام علیہم الرضوان اس پر ضرور اعتراض کرتے کیونکہ ان سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دیکھی تھی۔ (۳) تیسرا یہ کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف نہ فرمایا بلکہ حسن فرمایا۔ (۴) چوتھا یہ کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ بہت علماء وصحابہ وتابعین رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان کے عمل سے اس حدیث کی تائید ہوتی ہے۔ (۵) پانچواں یہ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر عظیم الشان مجتہد وقت نے اس کو قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا۔ (جاء الحق (سعید الحق)، ص843، مکتبہ غوثیہ، کراچی)

(2) صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سَمُرَہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: مَا لِی أَرَاکُمْ رَافِعِي أَیْدِیکُمْ کَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَیْلٍ شُمْسٍ؟ اُسْکُنُوا فِي الصَّلَاةِ)) ترجمہ: ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ارشاد فرمایا: کیا ہوا کہ میں تمہیں رفع یدین کرتے دیکھتا ہوں گویا تمہارے ہاتھ چنچل گھوڑوں کی دُمیں ہیں، قرار سے رہو نماز میں۔

(صحیح مسلم، باب الامر بالسکون فی الصلوۃ، ج1، ص322، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(3) مسند امام اعظم رضی اللہ عنہ میں سند صحیح کے ساتھ ہے: ((حدثنا حماد عن ابراهیم عن علقمه والاسود عن عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان لایرفع یدیه الاعند افتتاح الصلوٰۃ ولایعود لشیء من ذلك)) ترجمہ: ہمیں حماد نے ابراہیم سے علقمہ واسود سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف نماز کے شروع میں رفع یدین فرماتے پھر کسی جگہ ہاتھ نہ اُٹھاتے۔

(مسند الامام اعظم، اجتماع الاوزاعی و ابی حنیفہ، ص50، مطبوعہ نور محمد کتب خانہ، کراچی)

(4) امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح معانی الآثار میں فرماتے ہیں: ((حَدَّثَنَا أَبُو بَکْرَةَ قَالَ: ثنا مُؤَمَّلٌ، قَالَ: ثنا سُفْیَانُ، عَنِ الْمُغِیرَةِ قَالَ: قُلْتُ لِإِبْرَاهِیمَ: حَدِیثُ وَائِلٍ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یَرْفَعُ یَدَیْهِ إِذَا افْتَتَحَ

الصَّلَاةَ وَإِذَا رَكَعَ ,وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ؟ فَقَالَ :إِنْ كَانَ وَائِلٌ رَآهُ مَرَّةً يَفْعَلُ ذٰلِكَ ,فَقَدْ رَآهُ عَبْدُ اللهِ خَمْسِينَ مَرَّةً ,لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ)) ابوبکرہ نے ہمیں حدیث بیان کی کہا ہمیں مومل نے حدیث بیان کی کہا ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی ہے مغیرہ سے اور مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابراہیم نخعی سے حدیث وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت دریافت کیا کہ انھوں نے حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور نے نماز شروع کرتے اور رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین فرمایا ابراہیم نے فرمایا حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگر ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے دیکھا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پچاس بار دیکھا کہ حضور نے رفع یدین نہ کیا۔

(شرح معانی الآثار، باب التکبیر عند الرکوع، ج 1، ص 224، مطبوعہ عالم الکتب)

احکامِ لقمہ

سوال: لقمہ لینے دینے کے جواز پر کچھ احادیث مبارکہ بیان کردیں۔

جواب: لقمہ لینے دینے کے جواز پر کچھ احادیث مبارکہ درج ذیل ہیں:

(1) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا((مالي رأيتكم اكثرتم التصفيق من نابه شيء في صلوته فليسبح فانه اذا سبح التفت اليه وانما التصفيق للنساء)) ترجمہ: تمہیں کیا ہوا کہ میں تمہیں کثرت کے ساتھ تصفیق کرتے دیکھتا ہوں، جب نماز میں کوئی معاملہ پیش آجائے تو سبحان اللہ کہو، جب سبحان اللہ کہا جائے گا تو امام متوجہ ہوجائے گا، تصفیق (ہاتھ پر ہاتھ مار کر متوجہ کرنا) صرف عورتوں کے لئے ہے۔

(بخاری، ج 1، ص 163، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

(2) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا((من نابه شيء في صلوته فليسبح فانه اذا سبح التفت اليه)) ترجمہ: جب نماز میں کوئی معاملہ پیش آجائے تو سبحان اللہ کہو، جب سبحان اللہ کہا جائے گا تو امام متوجہ ہوجائے گا۔

(صحیح مسلم، ج 1، ص 225، مطبوعہ دار ابن حزم، بیروت)

(3) سنن ابی داؤد میں ہے((عن مسور بن يزيد المالكي قال صلى رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فترك أية فقال له رجل يا رسول الله أية كذا وكذا فقال فهلا اذكرتنيها)) ترجمہ: حضرت مسور بن یزید مالکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی تو ایک آیت چھوڑ دی، ایک آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ آیت تو ایسے ہے، تو آپ نے ارشاد فرمایا: تو نے مجھے (لقمہ دے کر) یاد کیوں نہ کرائی۔ (سنن ابی داؤد، ج 1، ص 131، آفتاب عالم پریس، لاہور)

(4) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں((كنا نفتح على عهد رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم على الائمة)) ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں ائمہ کو لقمہ دیا کرتے تھے۔ (سنن دارقطنی، ج 1، ص 199، نشر السنۃ، ملتان)

لقمہ دینے کا شرعی حکم:

سوال: لقمہ دینے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: لقمہ دینا کبھی فرض ہوتا ہے، کبھی واجب ہوتا ہے، کبھی جائز ہوتا ہے، کبھی مکروہ اور کبھی حرام۔اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

فرض: امام جب ایسی غلطی کرے جو نماز کو فاسد کرنے والی ہو تو لقمہ دے کر اس کی اصلاح کرنا ہر مقتدی پر فرض کفایہ ہے۔امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں: ''امام جب ایسی غلطی کرے جو موجب فساد نماز ہو تو اس کا بتانا اور اصلاح کرانا ہر مقتدی پر فرض کفایہ ہے ان میں سے جو بتادے گا سب پر سے فرض اُتر جائے گا اور کوئی نہ بتائے گا تو جتنے جاننے والے تھے سب مرتکب حرام ہوں گے اور نماز سب کی باطل ہوجائے گی''وذلك لان الغلط لما كان مفسدا كان السكوت عن اصلاحه ابطالا للصلاة وهو حرام بقوله تعالى ﴿ولاتبطلوا اعمالكم﴾'' وجہ یہ کہ غلطی جب مفسد ہو تو اس کی اصلاح کرنے پر خاموشی، نماز کے بطلان کا سبب ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مبارک کی وجہ سے حرام ہے کہ''تم اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔

اور ایک کا بتانا سب پر سے فرض اس وقت ساقط کرے گا کہ امام مان لے اور کام چل جائے ورنہ اوروں پر بھی بتانا فرض ہوگا یہاں تک کہ حاجت پوری ہو اور امام کو وثوق حاصل ہو، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک کے بتائے سے امام کا اپنی غلط یاد پر اعتماد نہیں جاتا اور وہ اس کی تصحیح کو نہیں مانتا اور اس کا محتاج ہوتا ہے کہ متعدد شہادتیں اس کی غلطی پر گزریں تو یہاں فرض ہوگا کہ دوسرا بھی بتائے اور اب بھی امام رجوع نہ کرے تو تیسرا بھی تائید کرے یہاں تک کہ امام صحیح کی طرف واپس آئے۔''

(فتاوی رضویہ، جلد 7، صفحہ 280، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

واجب: اگر امام ایسی غلطی کرے کہ جس سے واجب ترک ہو کر نماز مکروہ تحریمی ہو تو اس کا بتانا ہر مقتدی پر واجب کفایہ ہے۔امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان

علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "اگر غلطی ایسی ہے جس سے واجب ترک ہو کر نماز مکروہ تحریمی ہوتو اس کا بتانا ہر مقتدی پر واجب کفایہ ہے اگر ایک بتادے اور اس کے بتانے سے کاروائی ہوجائے سب پر سے واجب اتر جائے ورنہ سب گنہگار رہیں گے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 7، صفحہ 280، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

جائز: قراءت میں ایسی غلطی ہو جس سے فسادِ نماز یا ترک واجب لازم نہ آرہا ہوتو لقمہ دینا جائز ہے۔ امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "اگر (قراءت کی) غلطی میں نہ فسادِ نماز ہے نہ ترکِ واجب، جب بھی ہر مقتدی کو مطلقاً بتانے کی اجازت ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 7، صفحہ 281، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

مذکورہ صورت صرف جائز ہے (یعنی واجب نہیں ہے) مگر دو صورتوں میں مذکورہ صورت الحال میں بھی لقمہ دینا واجب ہوجاتا ہے:

(1) یہ خطرہ ہو کہ امام تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار چپ ہوجائے گا تو لقمہ دینا واجب ہے کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار سکوت کرنے سے نماز مکروہ تحریمی ہوجاتی ہے۔

(2) امام کی عادت معلوم ہے کہ جب بھولتا ہے تو اس کے منہ سے اُوں آں جیسے الفاظ نکلنے لگ جاتے ہیں تو اس صورت میں بھی لقمہ دینا واجب ہے کہ اس طرح کے الفاظ نکالنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ اوپر والی عبارت سے متصل آگے فرماتے ہیں "مگر یہاں وجوب کسی پر نہیں لعدم الموجب (واجب کرنے والی چیز کے نہ ہونے کی وجہ سے)، **اقول** (میں کہتا ہوں) مگر دو صورتوں میں ایک یہ کہ امام غلطی کر کے خود متنبہ ہوا اور یاد نہیں آتا، یاد کرنے کے لئے رکا اگر تین بار سبحان اللہ کہنے کی قدر رکے گا نماز میں کراہتِ تحریم آئے گی اور سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ تو اس صورت میں جب اسے رکا دیکھیں مقتدیوں پر بتانا واجب ہوگا کہ سکوت قدرِ ناجائز تک نہ پہنچے۔ دوسرے یہ کہ بعض

ناواقفوں کی عادت ہوتی ہے جب غلطی کرتے ہیں اور یاد نہیں آتا تو اضطراراً ان سے بعض کلمات بے معنی صادر ہوتے ہیں، کوئی اُوں اُوں کہتا ہے کوئی کچھ اور، اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے، تو جس کی یہ عادت معلوم ہو وہ جب رکنے پر آئے مقتدیوں پر واجب ہے کہ فوراً بتائیں قبل اس کے کہ وہ اپنی عادت کے حروف نکال کر نماز تباہ کرے۔''

(فتاوی رضویہ، جلد 7، صفحہ 281، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مکروہ: امام اگر قراءت میں رکے تو اسے فوراً بتانا مکروہ (تنزیہی) ہے۔ شامی میں ہے ''یکرہ ان یفتح من ساعتہ'' ترجمہ: فوراً لقمہ دینا مکروہ ہے۔

(ردالمحتار، ج 1، ص 623، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ''امام کو فوراً بتانا مکروہ ہے۔''

(فتاوی رضویہ، ج 7، ص 286، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

حرام: بے محل لقمہ دینا حرام ہے اور اس سے لقمہ دینے والے کی نماز ٹوٹ جاتی ہے اور امام لقمہ لے تو اس کی نماز بھی فاسد جاتی ہے۔

لقمہ کے کچھ بنیادی قواعد

لقمہ دینے کا محل کیا ہے:

سوال: لقمہ دینے کا محل کیا ہے اور بے محل لقمہ دینے سے کیا مراد ہے؟

جواب: لقمہ کے محل بنیادی طور پر دو ہیں:

(1) جس مقام پر لقمہ لینا دینا احادیث سے ثابت ہے، وہ لقمہ دینے کا محل ہے اگرچہ فسادِ نماز یا ترکِ واجب نہ ہو رہا ہو۔ امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "صورتِ ثانیہ میں اگرچہ جب قراءت رواں ہے تو صرف آیت چھوٹ جانے سے فسادِ نماز کا اندیشہ نہ ہو مگر اس بات میں شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نص وارد۔"

(فتاوی رضویہ، ج 7، ص 258، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(2) احادیث سے ثابت شدہ مواضع کے علاوہ وہاں اجازت ہے جہاں حاجت ہو، اور حاجت وہاں ہوتی ہے جہاں فسادِ نماز یا ترکِ واجب ہو رہا ہو، لہذا جہاں اس سے کم معاملہ ہو وہاں لقمہ دینے سے نماز ٹوٹ جائے گی۔ اسی طرح مقتدی صرف اپنے امام کو لقمہ دے سکتا ہے کہ اپنی نماز بچانے کے لئے اسے اس کی حاجت ہے۔

اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ دینے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے:

سوال: کیا نمازی کے اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ دینے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟

جواب: جی ہاں! نمازی کے اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ دینے سے اس کی نماز ٹوٹ جائے گی، جس کو لقمہ دیا ہے وہ نماز میں ہو یا نہ ہو، مقتدی ہو یا منفرد یا کسی اور کا امام، کیونکہ نمازی کو اس کی حاجت نہیں ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: مفسدات صلوۃ میں سے اپنے امام کے علاوہ کسی اور کو لقمہ دینا ہے کیونکہ یہ تعلیم و تعلم ہے۔

(فتاوی شامی، کتاب الصلوۃ، باب مایفسد الصلوۃ، جلد 02، صفحہ 461، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

بہارِ شریعت میں ہے:

مصلی (نمازی) نے اپنے امام کے سوا دوسرے کو لقمہ دیا نماز جاتی رہی، جس کو

لقمہ دیا ہے وہ نماز میں ہو یا نہ ہو، مقتدی ہو یا منفرد یا کسی اور کا امام۔

(بہار شریعت، حصہ 3، ص 607، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اپنے مقتدی کے علاوہ کا لقمہ لینا مفسدِ نماز ہے:

سوال :اپنے مقتدی کے علاوہ (مثلاً جو نماز میں نہیں یا اکیلے نماز پڑھ رہا ہے یا کسی اور کا مقتدی ہے) کا لقمہ لینا کیسا ہے؟

جواب:اپنے مقتدی کے سوا دوسرے کا لقمہ لینا بھی مفسدِ نماز ہے۔

(بہار شریعت، حصہ 3، ص 607، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

خود یاد آ گیا تو کیا حکم ہے:

سوال :اگر اپنے مقتدی کے علاوہ کسی نے لقمہ دیا اور اس کے بتاتے وقت خود یاد آ گیا تو اس کے مطابق عمل کرنے سے نماز فاسد ہو گی یا نہیں؟

جواب :اگر اس (اپنے مقتدی کے علاوہ شخص) کے بتاتے وقت اسے خود یاد آ گیا اس کے بتانے سے نہیں، یعنی اگر وہ نہ بتاتا جب بھی اسے یاد آ جاتا، اس کے بتانے کو کچھ دخل نہیں تو اس کا پڑھنا مفسد نہیں۔

(شامی، ج 2، ص 461، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ ☆ بہار شریعت، حصہ 3، ص 607، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

مقتدی نے غیر مقتدی سے سن کر لقمہ دیا:

سوال :اگر مقتدی کو خود نہیں آتا، اس نے غیر مقتدی سے سن کر لقمہ دیا تو نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب :اگر مقتدی نے دوسرے سے سن کر جو نماز میں اس کا شریک نہیں ہے لقمہ دیا اور امام نے لے لیا تو سب کی نماز گئی اور امام نے نہ لیا تو صرف اس مقتدی کی گئی۔

(الدر المختار مع رد المحتار، ج 2، ص 461، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ ☆ بہار شریعت، حصہ 3، ص 607، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

بے محل لقمہ دینے سے نماز ٹوٹنے کی وجہ:

سوال: بے محل لقمہ دینے سے نماز کیوں ٹوٹتی ہے؟

جواب: لقمہ دینا اگرچہ ذکر و قراءت سے ہو در حقیقت کلام ہے کہ اس سے مقصود تنبیہ کرنا ہے کہ تم غلطی کر رہے ہو، جب یہ کلام ہے تو اس سے ہر صورت میں نماز ٹوٹنی چاہئے تھی مگر اصلاح نماز کی حاجت کے وقت یا جہاں لقمہ دینے کی اجازت خاص احادیث میں آ گئی وہاں خلافِ قیاس اجازت دی گئی۔

امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ہمارے امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ بتانا اگرچہ لفظاً قراءت یا ذکر مثلاً تسبیح و تکبیر ہے اور یہ سب اجزاء واذکارِ نماز سے ہیں مگر معنیٰ کلام ہے کہ اس کا حاصل امام سے خطاب کرنا اور اسے سکھانا ہوتا ہے یعنی تو بھولا، اس کے بعد تجھے یہ کرنا چاہئے. پُر ظاہر کہ اس سے یہی غرض مراد ہوتی ہے اور سامع کو بھی یہی معنی مفہوم، تو اس کے کلام ہونے میں کیا شک رہا اگرچہ صورۃً قرآن یا ذکر (ہو)۔۔اس بنا پر قیاس یہ تھا کہ مطلقاً بتانا اگرچہ برمحل ہو مفسدِ نماز ہو کہ جب وہ بلحاظِ معنی کلام ٹھہرا تو بہر حال افسادِ نماز کرے گا مگر حاجتِ اصلاحِ نماز کے وقت یا جہاں خاص نص وارد ہے ہمارے ائمہ نے قیاس کو ترک فرمایا اور بحکمِ استحسان جس کے اعلیٰ وجوہ سے نص و ضرورت ہے جواز کا حکم دیا۔ (فتاوی رضویہ، ج 7، ص 257، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اور ان دو مواضع کے علاوہ معاملہ اصل قیاس پر جاری ہوگا اور لقمہ دینے سے نماز ٹوٹ جائے گی۔ امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

پس جو بتانا حاجت و نص کے مواضع سے جدا ہو وہ بے شک اصل قیاس پر جاری رہے گا کہ وہاں اس کے حکم کا کوئی معارض نہیں، اس لئے اگر غیر نمازی یا دوسرے نمازی کو جو اس کی نماز میں شریک نہیں یا ایک مقتدی دوسرے مقتدی یا امام کسی مقتدی کو بتائے قطعاً نماز قطع ہو جائے گی کہ اس کی غلطی سے اس کی نماز میں کچھ خلل نہ آتا تھا جو اسے حاجتِ

اصلاح ہوتی تو بے ضرورت واقع ہوا اور نماز گئی بخلاف امام کہ اس کی نماز کا خلل بعینہ مقتدی کی نماز کا خلل ہے تو اس کا بتانا اپنی نماز کا بنانا ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج 7، ص 260، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

نفل نماز میں بھی لقمہ دیا جا سکتا ہے:

سوال: نفل نماز کی جماعت ہو رہی ہو تو کیا مقتدی امام کو لقمہ دے سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! نفل نماز کی جماعت میں بھی اپنے امام کو ضرورتاً لقمہ دے سکتے ہیں۔ امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ''امام جب نماز میں غلطی کرے تو اسے بتانا لقمہ دینا مطلقاً جائز ہے خواہ نماز فرض ہو یا واجب یا تراویح یا نفل۔''

(فتاوی رضویہ، ج 7، ص 288، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

نماز جُمُعَہ میں بھی لقمہ دیا جا سکتا ہے:

سوال: کیا جُمُعَہ کی نماز میں لقمہ دے سکتے ہیں؟

جواب: امام کو ضرورۃً لقمہ دینا ہر نماز میں جائز ہے جُمُعَہ ہو یا کوئی نماز۔ فتاوی رضویہ میں ہے ''امام کو لقمہ دینا ہر نماز میں جائز ہے جُمُعَہ ہو یا کوئی نماز، بلکہ اگر اس نے ایسی غلطی کی جس سے نماز فاسد ہو گی تو لقمہ دینا فرض ہے، نہ دے گا اور اس کی تصحیح نہ ہو گی تو سب کی نماز جاتی رہے گی۔''

(فتاوی رضویہ، ج 7، ص 289، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

لقمہ دینے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا:

سوال: کیا لقمہ لینے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؟

جواب: لقمہ لینے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ فتاوی رضویہ میں ہے ''لقمہ دینے سے سجدۂ سہو نہیں آتا۔''

(فتاوی رضویہ، ج 7، ص 289، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

فتاوی امجدیہ میں ہے: ''امام سے غلطی ہوئی اور کسی نے صحیح لقمہ دیا تو سجدۂ سہو

واجب نہیں۔" (فتاوی امجدیہ، ج 1، ص 277، مکتبہ رضویہ، کراچی)

ایک سے زیادہ لوگوں کا لقمہ دینا جائز ہے:

سوال: ضرورۃً ایک سے زیادہ لوگوں کا لقمہ دینا کیسا ہے؟

جواب: جائز ہے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں "بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک کے بتائے سے امام کا اپنی غلط یاد پر اعتماد نہیں جاتا اور وہ اس کی تصحیح کو نہیں مانتا اور اس کا محتاج ہوتا ہے کہ متعدد شہادتیں اس کی غلطی پر گزریں تو یہاں فرض ہوگا کہ دوسرا بھی بتائے اور اب بھی امام رجوع نہ کرے تو تیسرا بھی تائید کرے یہاں تک کہ امام صحیح کی طرف واپس آئے۔" (فتاوی رضویہ، جلد 7، صفحہ 280، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

سمجھدار نابالغ لقمہ دے سکتا ہے:

سوال: کیا نابالغ لقمہ دے سکتا ہے؟

جواب: لقمہ دینے کے لئے بالغ ہونا شرط نہیں، مراہق (بلوغت کے قریب) بھی لقمہ دے سکتا ہے، بشرطیکہ نماز جانتا ہو اور نماز میں ہو۔

(بہار شریعت، حصہ 3، ص 608، مکتبۃ المدینہ، کراچی ☆ فتاوی ہندیہ، ج 1، ص 99، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ ☆ (فتاوی رضویہ، جلد 7، صفحہ 284، رضافاؤنڈیشن، لاہور))

کھنکار کے ذریعہ لقمہ دینا:

سوال: اگر امام سے غلطی ہوئی تو لقمہ دینے کے بجائے کھنکار کر اسے تنبیہ کرنے سے کیا نماز فاسد ہو جائے گی؟

جواب: صورتِ مذکورہ میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "کھانسنا کھنکارنا جبکہ بعذر یا کسی غرض صحیح کے لئے ہو جیسے گلا صاف کرنا یا امام کو سہو پر متنبہ کرنا تو مذہب صحیح میں ہرگز مفسد نماز نہیں۔"

(فتاوی رضویہ، ج 6، ص 274، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

امام نے لقمہ نہ لیا تو کیا حکم ہے:

سوال :امام نے قراءت میں غلطی کی، مقتدی نے لقمہ دیا، امام نے نہ لیا تو کیا حکم ہے؟

جواب:اگر وہ غلطی کہ امام نے کی مغیر معنیٰ مفسد نماز تھی اور مقتدی نے بتایا اور اس نے نہ لیا اُسی طرح غلط پڑھ کر آگے چل دیا تو امام کی نماز جاتی رہی اور اس کے سبب سے سب مقتدیوں کی بھی گئی اور اگر غلطی مفسد نہ تھی تو سب کی نماز ہوگئی اگر چہ امام غلطی پر قائم رہا اور لقمہ نہ لیا۔'' (فتاوی رضویہ، ج6،ص330-331،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

بہرے امام نے لقمہ نہ لیا تو کیا حکم ہے:

سوال: بہرے امام کو لقمہ دیا گیا، اس نے نہ لیا، نماز کا کیا ہوگا؟

جواب :اسی طرح کے سوال کے جواب میں امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ''غلطی جس پر لقمہ نہ لیا اگر مفسدِ نماز تھی نماز جاتی رہی ورنہ نہیں۔''

(فتاوی رضویہ،ج6،ص617،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

ایک ہی مرتبہ غلط لقمہ دینے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے:

سوال :ایک مرتبہ غلط لقمہ دینے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے یا غلط لقمہ کے تکرار سے نماز ٹوٹتی ہے؟

جواب :ایک ہی بار غلط لقمہ دینے سے دینے والی کی نماز ٹوٹ جاتی ہے، تکرار شرط نہیں، یہی اصح ہے۔ (فتاوی ہندیہ،ج1،ص99،مکتبہ رشیدیہ،کوئٹہ)

لقمہ دینے کے الفاظ:

سوال:لقمہ کن الفاظ کے ساتھ دینا چاہئے؟

جواب:امام قراءت کے علاوہ جہاں بھولے تو افضل یہ ہے کہ تسبیح یعنی سبحان اللہ کہہ کر لقمہ دیا جائے، اور تکبیر یعنی اللہ اکبر کہہ کر بھی دے سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((من نابہ شیء فی صلوتہ فلیسبح فانہ اذا سبح التفت الیــــہ)) ترجمہ: جب نماز میں کوئی معاملہ پیش آجائے تو سبحان اللہ کہو، جب سبحان اللہ کہا جائے گا تو امام متوجہ ہو جائے گا۔ (صحیح مسلم، ج1، ص225، مطبوعہ دار ابن حزم، بیروت)

تاتارخانیہ میں ہے: نمازی جب اس نیت سے تکبیر کہے کہ غیر کو بتائے کہ وہ نماز میں ہے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی، افضل یہ ہے کہ تسبیح کہی جائے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تسبیح مردوں کے لئے ہے اور تصفیق (ہاتھ پہ ہاتھ مارنا) عورتوں کے لئے۔ (فتاوی تاتارخانیہ، ج1، ص575، ادارۃ القرآن)

فتاوی امجدیہ میں ہے ''مقتدی ایسے موقع پر جبکہ امام کو متوجہ کرنا ہو سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہے جس سے امام کو خیال ہو جائے اور نماز کو درست کرے۔''

(فتاوی امجدیہ، ج1، ص187، مکتبہ رضویہ، کراچی)

اگر قراءت میں بھولے تو افضل یہ ہے کہ جس آیت پر امام بھولا ہے، لقمہ دینے والا پہلے اس سے پچھلی آیت پڑھے اور پھر وہ آیت پڑھے جس کو بھولا ہے، جو آیت بھولا ہے وہی پڑھ دے تب بھی جائز ہے۔ فتاوی تاتارخانیہ میں ہے: فتاوی حجہ میں ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ جب مقتدی امام کو لقمہ دے تو ماقبل والی آیت پڑھے، پھر ساتھ والی آیت اس سے ملا دے تاکہ تعلیم و تعلم کا شبہہ نہ ہو اور یہ حکم لازم نہیں ہے۔

(فتاوی تاتارخانہ، ج1، ص581، ادارۃ القرآن)

اگر امام کوئی سورت پڑھتے پڑھتے بھول گیا تو کسی اور سورت کا لقمہ بھی دے سکتے ہیں۔ محیط برہانی میں ہے((عن عمر رضی اللہ عنہ انہ قرأ سورۃ النجم وسجد فلما عاد الی القیام ارتج علیہ فلقنہ واحد ﴿اذا زلزلت الارض﴾ فقرأھا ولم ینکر علیہ)) ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، آپ نے سورۂ نجم کی تلاوت کی، اسی دوران آیت سجدہ پر سجدہ کر کے جب قیام کی طرف لوٹے تو آپ بھول گئے، کسی نے ﴿اذا زلزلت الارض﴾ کا لقمہ دیا، پس آپ نے اس کو پڑھا اور اس پر کسی صحابی نے

انکار نہیں کیا۔ (محیط برھانی، ج2، ص1، ادارۃ القرآن، کراچی)

سورۂ فاتحہ کے بعد امام کو کوئی سورت یاد نہیں آ رہی تو کسی بھی سورت یا آیت کا لقمہ دیا جا سکتا ہے۔ بدائع میں ہے ((عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ قرأ الفاتحۃ فی صلاۃ المغرب فلم یتذکر سورۃ فقال نافع ﴿اذا زلزلت﴾ فقرأ)) ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں ہے کہ انہوں نے نمازِ مغرب میں سورۂ فاتحہ پڑھی تو آگے سورت یاد نہ آئی، پس حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ﴿اذا زلزلت﴾ کہہ کر لقمہ دیا تو آپ نے اس سورت کی تلاوت کی۔

(بدائع الصنائع، ج1، ص236، ایچ ایم سعید، کراچی)

"بیٹھ جاؤ" کہنے سے نماز فاسد ہو جائے گی:

سوال: امام نے بیٹھنا تھا، بھول کر کھڑا ہونے لگا تو مقتدی نے اسے کہا ''بیٹھ جاؤ'' تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ یہ کلام ہے اور کلام ہر صورت میں نماز فاسد کر دیتا ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے: نماز کے اندر کلام نماز کو فاسد کر دیتا ہے، چاہے کلام بھول کر ہو یا عمداً ہو، خطا سے ہو یا قصداً ہو، تھوڑا ہو یا زیادہ ہو، خواہ نماز کی اصلاح کے لئے ہو جیسا کہ امام بیٹھنے کی جگہ کھڑا ہونے لگا تو اسے کہا کہ ''بیٹھ جاؤ'' یا قیام کی جگہ بیٹھنے لگا تو اسے کہا کہ ''کھڑے ہو جاؤ''۔ (فتاوی ہندیہ، ج1، ص98، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

کلام نہ کرنے کی قسم کھائی تو لقمہ دینا کیسا:

سوال: کسی نے قسم کھائی کہ فلاں سے کلام نہیں کرے گا، پھر اس کے پیچھے نماز پڑھی اور اسے نماز میں لقمہ دیا، تو کیا اس کی قسم ٹوٹ جائے گی؟

جواب: قسم نہیں ٹوٹے گی، کیونکہ لقمہ دینا (جبکہ اپنی شرائط کے ساتھ ہو) شرعاً مطلق طور پر کلام نہیں ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ، ج1، ص198، [illegible])

سورۃ فاتحہ میں لقمہ کے مسائل

ظہر یا عصر میں جہری قراءت شروع کر دی تو کب تک لقمہ دے سکتے ہیں:

سوال :امام نے (ظہر یا عصر میں) سری قراءت کرنا تھی، بھول کر بلند آواز سے شروع کر دی، کب تک لقمہ دے سکتے ہیں؟

جواب:اس سوال کے جواب کو سمجھنے سے پہلے چند باتیں ذہن نشین کر لیں:

(۱)ما تجوز به الصلوة (یعنی اتنی مقدار جس سے نماز کا فرض ادا ہو جاتا ہے) سری کرنی تھی بھول کر جہری کر لی یا جہری کرنی تھی بھول کر سری کر لی تو سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الصلوۃ، ج1، ص128، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا'' آیت مایجوز به الصلوۃ کتنی مقدار ہے؟ تو جواباً ارشاد فرمایا'' وہ آیت کہ چھ حرف سے کم نہ ہو اور بہت نے اس کے ساتھ یہ بھی شرط لگائی کہ صرف ایک کلمہ کی نہ ہو۔''

(فتاوی رضویہ، ج6، ص344، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں'' چھوٹی آیت جس میں دو یا دو سے زائد کلمات ہوں پڑھ لینے سے فرض ادا ہو جائے گا۔''

(بہار شریعت، حصہ3، ص512، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

(۲) جہری نماز میں سری یا سری نماز میں جہری پڑھنا شروع کی، سورۂ فاتحہ نصف سے کم پڑھی تھی کہ اصلاح کر لی اور شروع سے اس کا اعادہ کر لیا تو سجدۂ سہو جو واجب ہوا تھا وہ ختم ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن "جد الممتار" میں فرماتے ہیں:'' لو خافت ببعض الفاتحة يعيده جهرا لان تكرار البعض لايوجب السهو ولا الاعادة و الاخفاء بالبعض يوجبه فبالاعادة جهرا يزول الثاني و لايلزم الاول'' ترجمہ: اگر بعض فاتحہ آہستہ قرأت کی تو وہ جہراً اس کا اعادہ کرے کیونکہ بعض کا تکرار

سجدہ سہو اور نماز کے اعادہ کو واجب نہیں کرتا اور بعض کو آہستہ پڑھنا اس کو واجب کرتا ہے تو جہراً اعادہ کرنے سے دوسرا (نماز کے اعادہ کا وجوب) زائل ہو جاتا اور پہلا (سجدہ سہو کا وجوب) لازم نہیں ہوتا۔

(جد الممتار، کتاب الصلوۃ، فصل فی القراءۃ، ج3، ص237، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اس جزئیہ میں سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے صراحتاً فرمایا ہے کہ جہری نماز میں اگر بعض سورہ فاتحہ کو آہستہ پڑھا تھا تو جہراً شروع سے سورہ فاتحہ پڑھے تاکہ اعادہ یا سجدہ سہو کا حکم مرتفع ہو جائے۔

(۳) اگر فاتحہ نصف سے زیادہ پڑھ چکا تھا تو شروع سے اعادہ نہیں کر سکتا کہ نصف فاتحہ کا تکرار خود ترکِ واجب ہے۔ صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی بہارِ شریعت میں فرماتے ہیں: ''اور اگر پہلی رکعتوں میں الحمد کا زیادہ حصہ پڑھ لیا تھا۔ پھر اعادہ کیا تو سجدہ سہو واجب ہے۔'' (بہارشریعت، جلد1، صفحہ711، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

حضرت علامہ محمد شریف الحق امجدی علیہ رحمۃ اللہ القوی (المتوفی 1421ھ) فتاوی امجدیہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں: ''آہستہ آہستہ سورہ فاتحہ پڑھتا رہا، پھر بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا، تو اگر سورہ فاتحہ کا اکثر حصہ پڑھ لیا تھا پھر شروع سے پڑھنا شروع کیا تو بھی سجدہ سہو واجب کہ یہ اکثر سورہ فاتحہ کی تکرار ہوئی اور یہ موجب سجدہ سہو ہے اگر دونوں دفعہ بلاقصد سہواً ہوا ہو تو اور اگر بالقصد تکرار کی تو اعادہ واجب، **اور اگر سورہ فاتحہ کا اکثر حصہ نہیں پڑھا تھا تو نہ سجدہ سہو ہے نہ اعادہ۔**''

(فتاوی امجدیہ، کتاب الصلوۃ، باب سجود السھو، ج1، ص282، مکتبہ رضویہ، کراچی)

(۴) جس مقام پر ترکِ واجب ہو گیا ہو اور لقمہ دینے میں سجدہ سہو کے لزوم کا ارتفاع ہو سکے تو وہاں لقمہ دینا درست ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں: ''**ترکِ واجب ولزوم سجدۂ سہو وہ ہو چکا اب اس کے بتانے سے مرتفع نہیں ہو سکتا** اور اس سے زیادہ کسی دوسرے خلل کا اندیشہ نہیں جس سے بچنے کو یہ فعل کیا

جائے کہ غایت درجہ وہ بھول کر سلام پھیر دے گا پھر اس سے نماز تو نہیں جاتی وہی سہو کا سہو ہی رہے گا، ہاں جس وقت سلام شروع کرتا اس وقت حاجت متحقق ہوتی اور مقتدی کو بتانا چاہئے تھا کہ اب نہ بتانے میں خلل وفسادِ نماز کا اندیشہ ہے کہ یہ تو اپنے گمان میں نماز تمام کر چکا، عجب نہیں کہ کلام وغیرہ کوئی قاطع نماز اس سے واقع ہو جائے، **اس سے پہلے نہ خلل واقع کا ازالہ تھا نہ خلل آئندہ کا اندیشہ تو سوا فضول و بے فائدہ کے کیا باقی رہا لہذا اقتضائے نظر فقہی پر اس صورت میں بھی فسادِ نماز ہے۔"**

(فتاوی رضویہ، ج 7، ص 264، رضا فائونڈیشن، لاہور)

اس جزئیہ کی ابتدائی وانتہائی عبارت سے پتا چلا کہ اگر لقمہ دینے سے ترک واجب ولزوم سجدہ سہو کا ارتفاع ہو سکے تو لقمہ دینا برمحل ہے۔

اس کی نظیر وہ صورت ہے جس میں امام قراءت میں کوئی ایسی غلطی کرے جو مفسد نماز ہے اب بعد غلطی اس کو لقمہ دینا ضروری ہے تا کہ دفع فساد ہو۔ چنانچہ سیدی اعلی حضرت علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: "ہاں اگر وہ غلطی کر کے رواں ہو جائے تو اب نظر کریں اگر غلطی مفسد معنی ہے جس سے نماز فاسد ہو تو بتانا لازم ہے اگر سامع کے خیال میں نہ آئی **ہر مسلمان کا حق ہے کہ بتائے کہ اس کے باقی رہنے میں نماز کا فساد ہے اور دفع فساد لازم۔"**

(فتاوی رضویہ، ج 7، ص 286، رضا فائونڈیشن، لاہور)

ان مقدمات کی روشنی میں سوال کا جواب واضح ہو گیا کہ اگر ظہر وعصر میں امام نے سورۂ فاتحہ جہر سے پڑھنا شروع کی تو جب تک نصف سورۂ فاتحہ تک نہ پہنچا اسے لقمہ دے سکتے ہیں کہ اگرچہ سجدۂ سہو واجب ہو چکا ہے مگر نصف سورۂ فاتحہ سے پہلے دوبارہ آہستہ شروع سے پڑھنے سے اس سجدۂ سہو کا ازالہ ممکن ہے لہذا یہ لقمہ کا محل ہے۔ ہاں اگر نصف تک سورۂ فاتحہ جہری (بلند) آواز میں پڑھ چکا تو اسے لقمہ نہیں دے سکتے کہ سجدۂ سہو کا ازالہ ممکن نہیں ،لہذا اگر اس صورت میں لقمہ دیں گے تو دینے والے کی نماز ٹوٹ جائے گی اور امام لے گا تو امام کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی اور اس کے پیچھے مقتدیوں کی بھی فاسد ہو جائے گی۔

قراءت شروع کرنے میں تاخیر کردی تو لقمہ دینے کا حکم:

سوال: امام نے (مغرب، مغرب یا عشاء میں) جہری قراءت کرنا تھی، قرأت شروع کرنے میں زیادہ دیر لگا دی، اس سے مقتدیوں نے اندازہ لگایا کہ امام نے بھول کر آہستہ آواز سے شروع کردی ہے، کیا اس صورت میں امام کو لقمہ دے سکتے ہیں؟

جواب: اس صورت میں مقتدی کے لیے لقمہ دینا جائز نہیں، کیونکہ اگر اس نے ثناء وغیرہ کو اتنی ترتیل سے پڑھا کہ ابھی تک سورۂ فاتحہ شروع ہی نہ کی ہو تو ابھی تک لقمہ کا محل نہ ہوا، اور اگر نصف سورت تک یا اس سے آگے تک پڑھ چکا ہوا تو اب بھی محل نہ رہا کہ جو سجدۂ سہو واجب ہونا تھا ہو چکا۔ اب سلام تک سجدۂ سہو کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا، ہاں اب اگر آخر میں ایک طرف سلام کے بعد اگر سجدۂ سہو چھوڑ کر دوسری طرف سلام پھیرنے لگے تو سجدۂ سہو کے لئے لقمہ دے سکتے ہیں کیونکہ اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز واجب الاعادہ ہو جائے گی۔

بالفرض اگر مقتدی اتنا قریب ہے کہ اس نے سن لیا کہ امام نے فاتحہ آہستہ شروع کردی ہے، اس نے نصف تک پہنچنے سے پہلے لقمہ دے دیا تو صحیح ہے۔

اس میں تفصیل یہ ہے کہ محض شبہ کی بنا پر لقمہ دینا جائز نہیں ہے لہذا جہری نماز میں امام آہستہ آواز کے ساتھ پڑھ رہا ہے تو جب تک یقین نہ ہو جائے کہ امام نے سورہ فاتحہ آہستہ شروع کردی ہے اور ابھی تک اکثر سورہ فاتحہ تلاوت نہیں کی، اس وقت تک لقمہ دینا جائز نہیں ہے۔ اور یقین ہونے کی صورت یہ ہے کہ مقتدی قریب تھا کہ اسے آواز آرہی تھی یا کوئی ایک آدھ کلمہ امام سے بلند آواز کے ساتھ نکل گیا۔ اور اگر ان میں سے کوئی صورت نہیں تھی اور مقتدی نے بس یہ خیال کر کے کہ اتنی دیر ثناء میں نہیں لگتی لقمہ دے دیا تو اس کا اس طرح لقمہ دینا جائز نہیں تھا کیونکہ لقمہ حقیقت میں کلام ہے اور نماز میں کلام حرام و مفسد نماز ہاں بوجہ ضرورت روا رکھا گیا ہے اور جس صورت میں ضرورت کے متحقق ہونے میں شک ہو تو ایسی صورت میں جواز کی صورت میں شک ہے اور حرام والی صورت

موجود ہے لہذا شک کی وجہ سے جواز ثابت نہیں ہوگا۔ چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: ''محض شبہ پر بتانا ہرگز جائز نہیں۔۔۔حرمت کی وجہ ظاہر ہے کہ فتح حقیقۃ کلام ہے اور نماز میں کلام حرام و مفسد نماز مگر بضرورت اجازت ہوئی جب اسے غلطی ہونے پر خود یقین نہیں تو مبیح میں شک واقع ہوا اور محرم موجود ہے لہذا احرام ہوا، جب اسے شبہ ہے تو ممکن کہ اسی کی غلطی ہو اور غلط بتانے سے اس کی نماز جاتی رہے گی اور امام اخذ کرے گا تو اس کی اور سب کی نماز فاسد ہوگی تو ایسے امر پر اقدام جائز نہیں ہوسکتا۔''

(فتاوی رضویہ، ج 7، ص 287، رضا فائونڈیشن، لاہور)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: ''اس کا معلوم ہونا دشوار ہے کہ امام آہستہ پڑھے گا ہاں اگر یہ اتنا قریب ہے کہ اس کی آواز اس نے سنی کہ التحیات کے بعد اس نے درود شریف شروع کیا تو جب تک امام اللھم صلی علی سے آگے نہیں بڑھا ہے یہ سبحان اللہ کہہ کر بتائے۔'' (فتاوی رضویہ، ج 8، ص 212، رضا فائونڈیشن، لاہور)

عشاء کی تیسری رکعت میں امام نے جہر کر دیا:

سوال: امام صاحب نے بھول کر عشاء میں فرضوں کی تیسری رکعت میں جہراً قراءت شروع کر دی، اب مقتدی کے لقمہ دینے کے حوالہ سے کیا حکم ہے؟

جواب: عشاء کے فرضوں کی تیسری رکعت میں سری قراءت واجب ہے۔ بہار شریعت میں ہے ''مغرب کی تیسری اور عشاء کی تیسری چوتھی یا ظہر و عصر کی تمام رکعتوں میں آہستہ پڑھنا واجب ہے۔'' (بہار شریعت، حصہ 3، ص 544، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

لہذا بھول کر ایک آیت کی مقدار جہر (بلند آواز سے قراءت) کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگیا۔

یہاں بھی لقمہ دینے کے حوالہ سے وہی حکم ہے جو پہلی یا دوسری رکعت میں سری قراءت میں بلند آواز سے قراءت کی صورت میں ہے یعنی نصف تک سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو لقمہ دیا جا سکتا ہے کہ جو ترکِ واجب ہوا اس کا ازالہ (شروع سے سورۂ فاتحہ آہستہ آواز میں

پڑھ کر) ہوسکتا ہے اور اگر نصف یا اس سے زیادہ پڑھ لی تو لقمہ نہیں دے سکتے کہ جو ترک واجب اور سجدۂ سہو ہو چکا اب اس کا ازالہ نہیں ہوسکتا لہذا اگر دیں گے تو دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی اور امام لے گا تو امام اور مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

اس صورت میں لقمہ اس وقت دیں گے جب سلام پھیرنے لگے کہ اس وقت حاجت متحقق ہوتی ہے۔

اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن (المتوفی 1340ھ) لقمہ کے حوالے سے فرماتے ہیں: ''ترکِ واجب ولزوم سجدۂ سہو وہ ہو چکا اب اس کے بتانے سے مرتفع نہیں ہوسکتا اور اس سے زیادہ کسی دوسرے خلل کا اندیشہ نہیں جس سے بچنے کو یہ فعل کیا جائے کہ غایت درجہ وہ بھول کر سلام پھیر دے گا پھر اس سے نماز تو نہیں جاتی وہی سہو کا سہو ہی رہے گا، ہاں جس وقت سلام شروع کرتا اس وقت حاجت متحقق ہوتی اور مقتدی کو بتانا چاہئے تھا کہ اب نہ بتانے میں خلل وفسادِ نماز کا اندیشہ ہے کہ یہ تو اپنے گمان میں نماز تمام کر چکا، عجب نہیں کہ کلام وغیرہ کوئی قاطع نماز اس سے واقع ہو جائے، اس سے پہلے نہ خلل واقع کا ازالہ تھا نہ خلل آئندہ کا اندیشہ تو سوا فضول و بے فائدہ کے کیا باقی رہا لہذا مقتضائے نظر فقہی پر اس صورت میں بھی فسادِ نماز ہے۔''

(فتاوی رضویه، جلد 07، صفحه 264، مطبوعه رضا فائونڈیشن، لاہور)

قراءت میں لقمہ کا بیان

امام بقدرِ واجب قراءت کر چکنے کے بعد بھول گیا تو لقمہ دینے کا حکم:

سوال :امام بقدرِ واجب قراءت کر چکا ہو اور بھول جائے تو کیا مقتدی اس کو لقمہ دے سکتا ہے؟

جواب :جی ہاں! لقمہ دے سکتا ہے۔ امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ''امام جہاں غلطی کرے مقتدی کو جائز ہے کہ اسے لقمہ دے اگرچہ ہزار آیتیں پڑھ چکا ہو یہی صحیح ہے۔''

(فتاوی رضویہ، ج6،ص 371،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

لقمہ دینے والا لقمہ کی نیت کرے گا:

سوال :امام قراءت میں بھولا، قراءت سے لقمہ دیا گیا، آیا لقمہ دینے والا قراءت کی نیت کرے گا یا لقمہ دینے کی؟

جواب :لقمہ دینے والا قراءت کی نیت نہ کرے، بلکہ لقمہ دینے کی نیت سے وہ الفاظ کہے کہ مقتدی کو قراءت منع ہے بوقتِ حاجت لقمہ منع نہیں۔

(ردالمحتار، جلد02،صفحہ461،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

قراءت میں بھولنے پر لقمہ دینے طریقہ:

سوال :امام قراءت میں بھولا تو مقتدی کو لقمہ دینے میں کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟

جواب :فوراً ہی لقمہ دینا مکروہ ہے، تھوڑا توقف چاہیے کہ شاید امام خود نکال لے، مگر جب کہ اس کی عادت اسے معلوم ہو کہ رکتا ہے تو بعض ایسے حروف نکلتے ہیں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو فوراً بتائے۔

(بہارشریعت، حصہ3،ص 607،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

امام قراءت میں بھولے تو اسے کیا کرنا چاہیے:

سوال: امام قراءت میں بھولا تو اسے کیا کرنا چاہیے؟

جواب: امام کو مکروہ ہے کہ مقتدیوں کو لقمہ دینے پر مجبور کرے، بلکہ کسی دوسری سورت کی طرف منتقل ہو جائے یا دوسری آیت شروع کر دے بشرطیکہ اس کا وصل مفسدِ نماز نہ ہو اور اگر بقدرِ حاجت پڑھ چکا ہے تو رکوع کر دے، مجبور کرنے کے یہ معنی ہیں کہ بار بار پڑھے یا ساکت کھڑا رہے، مگر وہ غلطی ایسی ہے جس میں فسادِ معنی تھا تو اصلاحِ نماز کے لیے اس کا اعادہ لازم تھا (یعنی اسے درست کر کے پڑھنا لازم تھا) اور یاد نہیں آتا تو مقتدی کو آپ ہی مجبور کرے گا اور وہ بھی نہ بتا سکے تو (نماز) گئی۔''

(بہار شریعت، حصہ 3، ص 607، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

ایک آیت چھوڑ کر دوسری آیت پڑھنا اور بقدرِ واجب قراءت:

سوال: مذکورہ بالا جواب سے دو سوال پیدا ہوئے:

(1) ایک آیت کو چھوڑ کر کسی دوسری آیت کو شروع کرنا کب مفسدِ نماز ہے اور کب نہیں؟

(2) بقدرِ حاجت پڑھنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) ایک آیت کو چھوڑ کر دوسری آیت شروع کر دی تو اس کی تین صورتیں ہیں:

(ا) پہلی آیت پر وقف کیا پھر دوسری آیت کو پڑھا تو اس صورت میں نماز ہو جائے گی چاہے ملا کر پڑھنے سے معنی فاسد ہوں یا نہ ہوں۔

(ب) اگر وصل کیا اور معنی فاسد نہ ہوئے تو نماز ہو جائے گی۔

(ج) اگر وصل کیا اور معنی فاسد ہو گئے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

بہارِ شریعت میں ہے ''ایک آیت کو دوسری کی جگہ پڑھا، اگر پورا وقف کر چکا ہے تو نماز فاسد نہ ہوئی جیسے ﴿والعصر ○ ان الانسان﴾ پر وقف کر کے ﴿ان الابرار لفی

نعیم﴾ پڑھا، یا﴿ان الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت﴾ پر وقف کیا، پھر پڑھا﴿اولٰئک ھم شر البریۃ﴾ نماز ہوگئی اور اگر وقف نہ کیا تو معنیٰ متغیر ہونے کی صورت میں نماز فاسد ہوجائے گی، جیسے یہی مثال ورنہ نہیں، جیسے ﴿ان الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت کانت لھم جنٰت الفردوس﴾ کی جگہ ﴿فلھم جزآء الحسنیٰ﴾ پڑھا نماز ہوگئی۔"

(بہار شریعت، حصہ3، ص556، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

(2) بقدرِ حاجت سے مراد قراءت کی وہ کم ازکم مقدار جو واجب ہے یعنی سورۂ فاتحہ کے بعد تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت یا ایک چھوٹی سورت۔ صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ واجبات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔"سورت ملانا ایک چھوٹی سورت جیسے ﴿انا اعطینک الکوثر﴾ یا تین چھوٹی آیتیں جیسے ﴿ثم نظر ٥ثم عبس وبسر ٥ثم ادبر واستکبر ٥﴾ یا ایک یا دو آیتیں تین چھوٹی کے برابر پڑھنا۔"

(بہار شریعت، حصہ3، ص517، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

لقمہ لینے دینے میں اگر تین مرتبہ سبحان اللہ کی مقدار چپ رہا تو کیا حکم ہے:

سوال :قراءت بھولنے اور لقمہ لینے دینے میں امام اگر تین مرتبہ سبحان اللہ کی مقدار چپ ہوگیا تو کیا حکم ہے؟

جواب :یاد نہیں آتا یاد کرنے کے لئے رکا اگر تین بار سبحان اللہ کہنے کی قدر رکے گا نماز میں کراہتِ تحریم آئے گی اور سجدۂ سہو واجب ہوگا۔۔۔۔تو اس صورت میں جب اسے رکا دیکھیں مقتدیوں پر بتانا واجب ہوگا کہ سکوت قدرِ ناجائز تک نہ پہنچے۔

(فتاوی رضویہ، ج7، ص281، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مقتدی نے غلط لقمہ دیا تو کیا حکم ہے:

سوال :امام نے صحیح قراءت کی، مقتدی کو شبہہ ہوا، اس نے غلط لقمہ دیا، کیا حکمِ شرعی ہے؟

جواب :امام نے صحیح پڑھا مقتدی کو دھوکہ ہوا کہ اس نے غلط بتایا اس کی مقتدی

کی نماز ہر طرح جاتی رہی، پھر اگر امام نے نہ لیا تو امام اور دیگر مقتدیوں کی نماز صحیح رہی اور اگر لے لیا تو سب کی گئی۔"

(فتاوی رضویہ،ج6،ص331،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

نوٹ: یہ مسئلہ تراویح کے علاوہ ہے، تراویح کا مسئلہ آگے آئے گا۔

نماز میں خلاف ترتیب قرآن پڑھنے کا حکم:

سوال: نماز میں خلافِ ترتیب قرآن پاک پڑھنا (یعنی پہلی رکعت میں اگلی سورت پڑھنا اور دوسری رکعت میں اس سے پچھلی سورت کی تلاوت کرنا، مثلاً سورۂ فلق کے بعد سورۂ اخلاص کی تلاوت کرنا) کیسا ہے؟

جواب: امام نے سورتیں بے ترتیبی سے سہواً پڑھیں تو کچھ حرج نہیں، قصداً پڑھیں تو گناہ گار ہے، نماز میں کچھ خلل نہیں۔

(فتاوی رضویہ،ج6،ص239،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

جو سورت شروع کر چکا اسے ہی پڑھے:

سوال: کسی نے پچھلی سورت شروع کردی، اسے یاد آگیا تو کیا وہ اسے چھوڑ کر اگلی والی سورت پڑھ سکتا ہے؟

جواب: اس کی شرعاً اجازت نہیں، جو شروع کر چکا اسے ہی پڑھے۔

فتاوی رضویہ میں ہے"زبان سے سہواً جس سورہ کا ایک کلمہ نکل گیا اسی کا پڑھنا لازم ہو گیا مقدم ہو خواہ مکرر۔"

(فتاوی رضویہ،ج6،ص350،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

خلاف ترتیب پڑھنے پر لقمہ دینے کا حکم:

سوال: امام نے پہلی رکعت میں اگلی سورت پڑھی، دوسری رکعت میں اس سے پچھلی سورت کی تلاوت شروع کردی، مثلاً سورۂ فلق کے بعد سورۂ اخلاص کی تلاوت شروع کردی، اس میں کیا مقتدی امام کو لقمہ دے سکتا ہے؟

جواب: خلافِ ترتیب پڑھنے کے بعد اگر کسی نے لقمہ دے دیا تو اس کا لقمہ دینا اور امام کا اسے قبول کرنا جائز نہیں کہ امام کو اوپر والی سورت شروع کرنے کے بعد اسی کو پورا

کرنے کا حکم ہے، اسے چھوڑ کر بعد والی سورت پڑھنے کی اجازت نہیں۔۔۔ایسی صورت میں لقمہ دینے والے کی نماز بے جا لقمہ دینے کے سبب فاسد ہوگئی اور اگر امام نے ایسا لقمہ لے لیا تو امام کی اور اس کے ساتھ سب کی نماز خراب ہوگئی۔

(فتاوی فقیہ ملت، ج1، ص165، شبیر برادرز، لاہور)

رکوع میں لقمہ کا بیان

دعائے قنوت بھول کر رکوع میں جانے پر لقمہ دینے کا حکم:

سوال: رمضان میں وتر جماعت سے ہو رہے تھے، امام وتروں کی تیسری رکعت میں تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں چلا گیا، کسی نے لقمہ دیا تو امام اس کا لقمہ لے کر کھڑا ہوگیا، دعائے قنوت پڑھی، سجدہ سہو کیا، کیا نماز ہوگئی؟

جواب: جو شخص قنوت بھول کر رکوع میں چلا جائے اسے جائز نہیں کہ پھر قنوت کی طرف پلٹے ۔۔۔تو جن مقتدیوں نے اسے اس عودِ ناجائز (ناجائز لوٹنے) کی طرف بلانے کے لئے تکبیر کہی ان کی نماز فاسد ہوئی ۔۔۔۔اب کہ وہ ان مقتدیوں کے بتانے سے پلٹا اور یہ نماز سے خارج تھے تو خود اس کی بھی نماز جاتی رہی اور اس کے سبب سب کی گئی۔ (فتاوی رضویہ، ج8، ص219، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سورۂ فاتحہ کے بعد امام رکوع میں چلا گیا تو لقمہ دینے کا حکم

سوال: امام فرضوں کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورت یا تین چھوٹی آیات پڑھے بغیر رکوع میں چلا گیا، کیا مقتدی اس کو لقمہ دے سکتا ہے؟ اور کیا امام اس کا لقمہ لے کر واپس آ سکتا ہے؟

جواب: اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے چند باتیں ذہن نشین کرلیں:

(1) فرضوں کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت یا ایک چھوٹی سورت ملانا واجب ہے۔

(2) کوئی شخص سورۂ فاتحہ کے بعد ان کو پڑھے بغیر رکوع میں چلا جائے اسے یاد آ جائے تو حکم ہے کہ واپس آئے اور مقدارِ واجب پڑھ کر پھر دوبارہ رکوع کرے کہ پہلا رکوع لوٹنے سے باطل ہو جائے گا، اور آخر میں سجدۂ سہو کرلے، اگر اسے رکوع میں یاد نہ آئے، سجدہ میں یاد آئے تو آخر میں سجدۂ سہو کرلے، اس کی نماز ہو جائے گی۔ امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "جو سورت ملانا بھول گیا اگر اسے رکوع میں یاد آیا تو

فوراً کھڑے ہو کر سورت پڑھے، پھر رکوع دوبارہ کرے، پھر نماز تمام کر کے سجدۂ سہو کرے اور اگر رکوع کے بعد سجدہ میں یاد آیا تو صرف آخیر میں سجدۂ سہو کر لے، نماز ہو جائے گی اور پھیرنی نہ ہوگی۔"

(فتاوی رضویہ، ج8، ص196، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(3) یہ لوٹنا فرض سے واجب کی طرف نہیں بلکہ فرض سے فرض کی طرف ہے کیونکہ قراءت کا وہ حصہ اگرچہ واجب ہے مگر قراءت من حیث القراءۃ فرض ہے اور وہ قراءت کی طرف لوٹ رہا ہے۔ ردالمحتار میں ہے: کیونکہ جب وہ قراءت کے لئے رکوع سے قیام کی طرف لوٹا تو فرض قراءت واقع ہوئی، یہ اس کے منافی نہیں کہ اس میں فقط ایک آیت فرض ہے اور اس سے زائد واجب اور سنت ہے، کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ فرض کا اقل ایک آیت ہے، یہاں تک کہ اگر پورا قرآن بھی پڑھا تو سب سب کا فرض واقع ہوگا۔

(ردالمحتار، ج2، ص656، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

ان امور کو ذہن نشین کرنے کے بعد صورت مسئلہ بالکل واضح ہے کہ جب امام مقدارِ واجب کو چھوڑ کر رکوع میں چلا گیا تو سجدۂ سہو واجب ہو گیا، اب اگر اسے لقمہ نہ بھی دیا جائے تو سجدۂ سہو کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا، لہذا مقتدی کو لقمہ دینے کی اجازت نہیں، دے گا تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی اور اگر امام لے گا تو اس کی نماز بھی ٹوٹ جائے گی۔

قعدۂ اولیٰ میں لقمہ کا بیان

امام قعدۂ اولی کو چھوڑ کر سیدھا کھڑا ہو گیا تو لقمہ دینا کیسا؟:

سوال: اگر امام چار رکعت میں دو پڑھ کر بغیر تشہد پڑھے بھول کر سیدھا کھڑا ہو جائے تو کیا اسے لقمہ دے سکتے ہیں؟

جواب: اس کو لقمہ دینے کی اجازت نہیں کیونکہ امام سیدھا کھڑا ہو جائے تو اسے لوٹنا جائز نہیں، اگر کسی نے لقمہ دیا تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی، اور امام لے کر لوٹا تو اس کی اور اس کے پیچھے سب مقتدیوں کی بھی ٹوٹ جائے گی۔ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "اگر امام پورا کھڑا ہو گیا تھا اس کے بعد مقتدی نے بتایا تو مقتدی کی نماز اسی وقت جاتی رہی اور جب اس کے کہنے سے امام لوٹا تو اس کی بھی گئی اور سب کی گئی۔"

(فتاوی رضویہ، جلد8، صفحہ 214، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

امام قعدۂ اولی کو بھول کر کھڑا ہونے لگا، ابھی بیٹھنے کے قریب تھا تو لقمہ دینا کیسا؟:

سوال: امام قعدہ اولیٰ بھول کر کھڑا ہونے لگا، ابھی بیٹھنے کے قریب تھا، لقمہ دیا گیا، وہ لقمہ لے کر بیٹھ گیا، کیا اس صورت میں لقمہ دینا لینا درست تھا، اور کیا نماز ہو گئی؟

جواب: جی ہاں! اس صورت میں لقمہ دینا لینا درست تھا اور سب کی نماز ہو گئی کیونکہ جب تک امام بیٹھنے کے قریب ہے اس وقت تک سجدۂ سہو وغیرہ کچھ واجب نہ ہوا۔ ردالمحتار میں ہے: اگر سیدھا کھڑا ہونے سے قبل لوٹا اور بیٹھنے کے زیادہ قریب تھا تو اصح قول کے مطابق سجدہ سہو نہیں اور اسی پر اکثر مشائخ ہیں۔

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب سجود السہو، جلد2، صفحہ 661، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اور خطرہ ہے کہ اسے لقمہ نہ دیا گیا تو یہ کھڑے ہونے کے قریب ہو جائے گا اور بھول کر کھڑا ہونے کے قریب ہونے سے سجدۂ سہو لازم ہو جاتا ہے لہذا اس سے بچانے کے لئے لقمہ دینے کی اجازت ہے۔ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "اگر امام ابھی پورا سیدھا کھڑا نہ ہونے پایا تھا کہ مقتدی نے بتایا اور وہ بیٹھ گیا تو سب کی

نماز ہوگئی اور سجدۂ سہو کی حاجت نہ تھی۔"

(فتاوی رضویہ، جلد8، صفحہ214، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

کھڑے ہونے کے قریب تھا تو لقمہ دینے کا حکم:

سوال: امام قعدہ اولیٰ بھول کر کھڑا ہونے لگا، کھڑے کے قریب تھا، لقمہ دیا گیا، وہ لقمہ لے کر بیٹھ گیا، کیا اس صورت میں لقمہ دینا لینا درست تھا، اور کیا نماز ہوگئی؟

جواب: اس صورت میں لقمہ دینے کی اجازت نہیں کیونکہ کھڑا ہونے کے قریب پہنچ جانے سے سجدۂ سہو لازم ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "واما اذا عاد وھو الی القیام اقرب فعلیہ سجود السھو جبرا لنقصان رفض الفرض للواجب" ترجمہ: اگر وہ قیام کے زیادہ قریب تھا پھر لوٹا تو اس پر سجدۂ سہو ہے کہ یہ واجب کی خاطر فرض چھوڑنے کے نقصان کو پورا کرنا ہے۔

(جد الممتار، کتاب الصلوۃ، باب سجود السھو، جلد2، صفحہ471، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

جب سجدۂ سہو لازم ہو گیا تو اب سلام تک آگے جانے سے مزید کچھ نہیں ہوگا کہ لقمہ کی حاجت ہو، لہذا اگر اس صورت میں لقمہ دے گا تو نماز ٹوٹ جائے گی اور امام اس کا لقمہ لے کر لوٹے گا تو اس کی اور سب کی ٹوٹ جائے گی۔

امام لقمہ ملنے کے بعد سیدھا کھڑا ہو گیا:

سوال: امام ابھی بیٹھنے کے قریب تھا کہ کسی نے لقمہ دیا، لقمہ کو سمجھتے سمجھتے امام سیدھا کھڑا ہو گیا، پھر واپس لوٹ آیا، اس لقمہ دینے کا اور امام کے سیدھا کھڑے ہو کر لوٹنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس صورت میں مقتدی کے لقمہ دینے سے اس کی نماز تو فاسد نہ ہوئی لیکن امام کا کھڑا ہو کر لوٹنا ناجائز تھا جس کے سبب نماز مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہوئی۔ سیدی امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں "اگر امام ابھی پورا سیدھا کھڑا نہ ہونے پایا تھا کہ مقتدی نے بتایا اور وہ بیٹھ گیا تو سب کی نماز ہوگئی اور سجدہ سہو کی حاجت نہ تھی

اور اگر امام پورا کھڑا ہو گیا تھا اس کے بعد مقتدی نے بتایا تو مقتدی کی نماز اسی وقت جاتی رہی اور جب اس کے کہنے سے امام لوٹا تو اس کی بھی گئی اور سب کی گئی۔ اور اگر مقتدی نے اس وقت بتایا تھا کہ امام ابھی پورا سیدھا نہ کھڑا ہوا تھا کہ اتنے میں پورا سیدھا ہو گیا اس کے بعد لوٹا تو مذہب اصح میں نماز ہو تو سب کی ہو گئی مگر مخالف حکم کے سبب مکروہ ہوئی کہ سیدھا کھڑا ہونے کے بعد قعدہ اولیٰ کے لئے لوٹنا جائز نہیں، نماز کا اعادہ کریں خصوصاً ایک مذہب قوی پر نماز ہوئی ہی نہیں، تو اعادہ فرض ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 08، صفحہ 14-213، رضا فونڈیشن، لاہور)

قعدۂ اولیٰ میں زیادہ دیر بیٹھنے پر لقمہ دینا:

سوال: چار رکعتوں والی نماز میں امام قعدہ اولیٰ میں بیٹھا اور کافی دیر ہو گئی تو مقتدی نے لقمہ دے دیا اور امام نے اس کا لقمہ لے کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو اس صورت میں لقمہ دینے والے اور لینے والے کی نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: صورت مسئولہ میں مقتدی کو لقمہ دینے کی اجازت نہیں، اگر لقمہ دے گا تو دینے والے کی نماز ٹوٹ جائے گی اور امام لے گا تو امام کی اور سب مقتدیوں کی نماز ٹوٹ جائے گی، ہاں اگر امام سلام پھیرنے لگے تو اس وقت لقمہ دے سکتا ہے۔ امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "جب امام کو قعدۂ اولیٰ میں دیر ہوئی اور مقتدی نے اس گمان سے کہ یہ (امام) قعدۂ اخیرہ سمجھا ہے، تنبیہ کی تو دو حال سے خالی نہیں:

(1) یا تو واقع میں اس کا گمان غلط ہو گا یعنی امام قعدۂ اولیٰ ہی سمجھا ہے اور دیر اس وجہ سے ہوئی کہ اس نے اس بار التحیات زیادہ ترتیل سے ادا کی، جب تو ظاہر ہے کہ مقتدی کا بتانا نہ صرف بے ضرورت بلکہ محض غلط واقع ہوا تو یقیناً کلام ٹھہرا اور مفسدِ نماز ہوا۔

(2) یا اس کا گمان صحیح تھا، غور کیجئے تو اس صورت میں بھی اس بتانے کا محض لغو و بے حاجت واقع ہونا اور اصلاحِ نماز سے اصلاً تعلق نہ رکھنا ثابت کہ امام قعدۂ اولیٰ میں اتنی تاخیر کر چکا جس سے مقتدی اس کے سہو پر مطلع ہوا تو لاجرم یہ تاخیر بقدرِ کثیر ہوئی اور جو

کچھ ہونا تھا یعنی ترکِ واجب ولزوم سجدۂ سہو وہ ہو چکا اب اس کے بتانے سے مرتفع نہیں ہوسکتا اور اس سے زیادہ کسی دوسرے خلل کا اندیشہ نہیں جس سے بچنے کو یہ فعل کیا جائے کہ غایت درجہ وہ بھول کر سلام پھیر دے گا پھر اس سے نماز تو نہیں جاتی وہی سہو کا سہو ہی رہے گا، ہاں جس وقت سلام شروع کرتا اس وقت حاجت متحقق ہوتی اور مقتدی کو بتانا چاہئے تھا کہ اب نہ بتانے میں خلل وفسادِ نماز کا اندیشہ ہے کہ یہ تو اپنے گمان میں نماز تمام کر چکا، عجب نہیں کہ کلام وغیرہ کوئی قاطع نماز اس سے واقع ہو جائے، اس سے پہلے نہ خلل واقع کا ازالہ تھا نہ خلل آئندہ کا اندیشہ تو سوا فضول و بے فائدہ کے کیا باقی رہا لہذا مقتضائے نظر فقہی پر اس صورت میں بھی فسادِ نماز ہے۔'' (فتاوی رضویہ، جلد 7، صفحہ 264، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ہاں اگر لقمہ دینے والا اتنا قریب ہے کہ امام کی آواز اس نے سنی کہ التحیات کے بعد اس نے درود شریف شروع کیا تو جب تک امام اللھم صل علی سے آگے نہیں بڑھا ہے یہ سبحان اللہ کہہ کر بتائے اور اگر اللھم صل علی سیدنا یا صل علی محمد کہہ لیا ہے تو اب بتانا جائز نہیں بلکہ انتظار کرے، اگر امام کو خود یاد آئے اور کھڑا ہو جائے تو ٹھیک ہے اور اگر سلام پھیرنے لگے تو اس وقت بتائے۔ فتاوی رضویہ میں ہے ''یہ اتنا قریب ہے کہ اس کی آواز اس نے سنی کہ التحیات کے بعد اس نے درود شریف شروع کیا تو جب تک امام اللھم صل علی سے آگے نہیں بڑھا ہے یہ سبحان اللہ کہہ کر بتائے اور اگر اللھم صل علی سیدنا یا صل علی محمد کہہ لیا ہے تو اب بتانا جائز نہیں بلکہ انتظار کرے، اگر امام کو خود یاد آئے اور کھڑا ہو جائے فبہا اور اگر سلام پھیرنے لگے تو اس وقت بتائے، اس سے پہلے بتائے گا تو بتانے والے کی نماز جاتی رہے گی اور اس کے بتانے سے امام لے گا تو اس کی اور سب کی جائے گی۔ (فتاوی رضویہ، جلد 8، صفحہ 212، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ظہر میں دوسری رکعت پر سلام:

سوال: ظہر کی نماز میں امام نے دوسری رکعت کے بعد سلام پھیر دیا، کیا اسے لقمہ دے سکتے ہیں؟

جواب :ظہر کی نماز غلطی سے امام دو رکعت پر سلام پھیر دے،تو مقتدیوں کو لقمہ دینا چاہیے اور جب مقتدی نے لقمہ دے دیا تو امام کو نماز پوری کر لینا چاہیے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے۔

(وقار الفتاوی،ج 2،ص 233،بزم وقار الدین،کراچی)

پہلی یا تیسری رکعت میں بھول کر بیٹھنا:

سوال :اگر امام بھول کر پہلی یا تیسری رکعت کے بعد بیٹھ گیا تو اسے کب تک قمہ دے سکتے ہیں؟

جواب :امام کو بیٹھے اگر تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار نہیں ہوئی تو اسے لقمہ ے سکتے ہیں کیونکہ اس مقدار سے کم میں سجدۂ سہو وغیرہ کچھ نہیں ہوتا،لہذا یہ لقمہ کا محل ہے کہ کہیں امام تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار نہ بیٹھ جائے اور اس پر سجدہ سہو نہ واجب وجائے ،لہذا اسے اس سے بچانے کے لئے لقمہ دینے کی اجازت ہے۔حبیب الفتاوی ں بھول کر تیسری رکعت میں بیٹھنے کے بارے میں سوال ہوا تو جواباً ارشاد فرمایا''اگر امام ین تسبیح کی مقدار بیٹھا رہا۔۔۔تو قیام میں اتنی تاخیر کرنے سے سجدۂ سہو لازم و واجب وگا۔''

(حبیب الفتاوی،ص 427،شبیر برادرز،لاہور)

اگر تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار بیٹھ چکا تو اب اس پر سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا،اب لقمہ نہیں دے سکتے کیونکہ جب سجدۂ سہو واجب ہو گیا تو اب لقمہ دینے کا محل رہا کیونکہ اب سلام تک سجدۂ سہو سے زیادہ کچھ نہیں ہوگا،ہاں اگر امام سلام پھیرنے لگے گا اسے لقمہ دینے کی اجازت ہے کہ اب امام نماز کو فاسد کر سکتا ہے۔

قعدۂ اخیرہ میں لقمہ کا بیان

سوال: امام بھول کر پانچویں رکعت کے لئے سیدھا کھڑا ہو گیا، اس کو کسی مقتدی نے لقمہ دیا وہ لقمہ لے کر واپس لوٹ آیا اور سجدہ سہو کر لیا تو کیا اس صورت میں امام اور مقتدیوں کی نماز ہو گئی؟ کیا اس صورت میں امام کو لقمہ دیا جا سکتا ہے، امام قعدہ اخیرہ پڑھ کر کھڑا ہو یا چھوڑ کر دونوں صورتوں کا حکم بیان فرمادیں۔

جواب: جی ہاں! امام اور مقتدیوں کی نماز ہو گئی کیونکہ صورتِ مسئولہ میں امام کو لقمہ دیا جا سکتا ہے چاہے وہ قعدہ اخیرہ پڑھ کر یا بغیر پڑھے کھڑا ہو۔ نور الایضاح میں ہے: ''ولو زاد الامام سجدۃ او قام بعد القعود الاخیر ساھیاً لا یتبعہ المؤتم وان قیدھا سلم وحدہ وان قام الامام قبل القعود الاخیر ساھیاً انتظرہ '' اور اگر امام نے سجدہ زائد کیا یا قعدہ اخیرہ کے بعد بھول کر کھڑا ہو گیا تو مقتدی اس کی اتباع نہیں کرے گا اور اگر اس نے رکعت کو سجدہ سے مقید کر دیا تو اکیلے سلام پھیر دے گا، اور اگر قعدہ اخیرہ سے پہلے بھول کر کھڑا ہو گیا تو مقتدی انتظار کرے۔

(نور الایضاح مع المراقی و الطحطاوی، ص310، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

''وان قام الامام قبل القعود الاخیر ساھیاً انتظرہ '' کے تحت مراقی الفلاح میں ہے'' سبح لیتنبہ امامہ '' (امام قعدہ اخیرہ بھول کر کھڑا ہو گیا تو مقتدی انتظار کرے گا اور) امام کو تنبیہ کرنے کے لئے لقمہ دے۔

(المراقی مع الطحطاوی، ص310، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

'' قام بعد القعود الاخیر ساھیاً لا یتبعہ المؤتم '' کے تحت طحطاوی میں ہے'' المناسب ان یزید ھنا ما ذکرہ بعد من قولہ وسبح لیتنبہ امامہ '' مناسب یہ تھا کہ (قعدہ اخیرہ کرنے کے بعد بھول کر کھڑے ہونے والی صورت میں بھی) اپنا قول وسبح لیتنبہ امامہ ذکر کرتے جو بعد میں (قعدہ اخیرہ سے پہلے بھول کر کھڑے ہونے کی صورت میں) ذکر کیا ہے۔ (طحطاوی علی المراقی، ص310، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

امدادالفتاح میں ہے" وان قام الامام قبل القعود الاخیر ساھیا انتظرہ الامام وسبح لینبہ امامہ۔" (امداد الفتاح،ص350،صدیقی پبلشرز،کراچی)

اسی میں اس کی دلیل دیتے ہوئے ایک حدیث پاک بیان کی ہے((لانہ قام الی الخامسۃ فسبح بہ فعاد وسلم وسجد للسھو))رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پانچویں کے لئے کھڑے ہوئے،لقمہ دیا گیا تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واپس تشریف لائے،سلام پھیر کر سجدہ سہو فرمایا۔ (امداد الفتاح،ص519،صدیقی پبلشرز،کراچی)

تراویح میں لقمہ کے مسائل

سامع غیر مقتدی ہو تو اس کا لقمہ:

سوال : اگر رمضان میں سماعت کرنے والا حافظ کسی عذر کی وجہ سے نماز تراویح نہ پڑھ سکتا ہو، وہ پاس بیٹھ جائے اور امام جہاں بھولے اسے لقمہ دے، ایسا کرنا کیسا ہے؟ کیا اس سے نماز تراویح پر کچھ اثر پڑے گا یا نہیں؟

جواب : اس طرح کرنا ہرگز جائز نہیں، اس حافظ کا لقمہ لینے سے امام کی نماز ٹوٹ جائے گی اور امام کی نماز ٹوٹنے کی وجہ سے سب مقتدیوں کی نماز بھی ٹوٹ جائے گی کیونکہ امام اپنے مقتدی کے علاوہ کسی کا لقمہ نہیں لے سکتا۔ امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں "کسی شخص کو پاس بیٹھا لینا اور اس کے بتانے پر نماز پڑھنا نماز باطل کرے گا۔" (فتاوی رضویہ، ج 8، ص 217، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سامع کا دیکھ کر لقمہ دینا:

سوال: سامع کا قرآن مجید وغیرہ سے دیکھ کر لقمہ دینا کیسا ہے؟

جواب : نماز کے اندر دیکھ کر قرآن مجید پڑھنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، جب سامع کی ٹوٹ گئی اور اس کا لقمہ امام نے لیا تو غیر مقتدی کا لقمہ لینے کی وجہ سے اس کی نماز بھی ٹوٹ جائے گی اور اس کی وجہ سے سب کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ فتاوی ہندیہ میں ہے: قرآن مجید سے دیکھ کر قراءت کرنے سے امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

(فتاوی ہندیہ، ج 1، ص 101، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

درمختار میں ہے: قرآن مجید سے دیکھ کر قراءت کرنا مطلقاً مفسداتِ نماز میں سے ہے۔ (درمختار مع ردالمحتار، جلد 2، صفحہ 463، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

ایک دو کلمات چھوڑنے پر لقمہ دینا:

سوال: تراویح میں ایک دو کلمات چھوڑ کر امام آگے بڑھ گیا، اور ان کلمات

سے نماز میں کسی طرح کی خرابی بھی واقع نہیں ہو رہی، تو اب پیچھے سے لقمہ دینا چاہئے یا نہیں؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں بھی لقمہ دینا چاہئے۔ امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "جب تراویح میں ختم قرآنِ عظیم ہو تو ویسے بھی مقتدیوں کو بتانا چاہئے جب کہ امام سے نہ نکلے یا وہ آگے رواں ہو جائے اگر چہ اس غلطی سے نماز میں کچھ خرابی نہ ہو کہ مقصود ختم کتاب عزیز ہے اور وہ کسی غلطی کے ساتھ پورا نہ ہوگا۔"

(فتاوی رضویہ،ج 7،ص 286،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

اگر تراویح پڑھنے کے دوران لقمہ نہ دے سکیں:

سوال: اگر نماز میں نہ بتا سکیں تو کیا کریں؟

جواب: سلام کے بعد بتا دیں تاکہ امام دوسری تراویح میں اتنے الفاظ کریمہ کا اعادہ کرلے، مگر افضل یہی ہے کہ نماز میں ہی بتائے۔ امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت نہ بتائے بعدِ سلام اطلاع کردے، امام دوسری تراویح میں اتنے الفاظ کریمہ کا صحیح طور پر اعادہ کرلے، مگر اولی ابھی بتانا ہے کہ حتی الامکان نظمِ قرآن اپنی ترتیب کریم پر ادا ہو۔"

(فتاوی رضویہ،ج 7،ص 282، رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

تراویح میں لقمہ دینا صرف سامع کا حق نہیں:

سوال: تراویح کے لئے جو سامع مقرر ہے کیا لقمہ دینا صرف اسی کا حق ہے؟

جواب: لقمہ دینا صرف مقرر شدہ سامع کا حق نہیں، ہر مقتدی کا حق ہے، لہذا ہر مقتدی لقمہ دے سکتا ہے بشرطیکہ لقمہ کی حاجت ہو اور لقمہ صحیح ہو۔ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "ان تمام احکام میں جملہ مقتدی یکساں ہیں امام کو بتانا کسی خاص مقتدی کا حق نہیں، ارشادات حدیث وفقہ سب مطلق ہیں۔۔۔قوم کا کسی کو سامع مقرر کرنے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اس کے غیر کو بتانے کی اجازت نہیں اور اگر کوئی

اپنے جاہلانہ خیال سے یہ قصد کرے بھی تو اس کی ممانعت سے وہ حق کہ شرع مطہر نے عام مقتدیوں کو دیا کیوں کر سلب ہوسکتا ہے۔''

(فتاوی رضویہ، جلد 7، صفحہ 283-284، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

حافظ کو تنگ کرنے کے لیے لقمہ دینا:

سوال: بعض حفاظ کی عادت ہوتی ہے کہ تراویح پڑھانے والے کو پریشان کرنے کے لئے اور اپنا حفظ جتانے کے لئے بار بار لقمہ دیتے ہیں، حالانکہ بعض اوقات انہیں بھی غلطی کنفرم نہیں ہوتی اور وہ سامع بھی نہیں ہوتے، تو ان کا پریشان کرنے کے لئے اور صرف شبہ کی وجہ سے لقمہ دینا کیسا ہے؟

جواب: اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ''یہاں چند امور ہیں جن کے علم سے حکم واضح ہو جائے گا:

(1) امام کو فوراً بتانا مکروہ ہے۔۔۔ ہاں اگر غلطی کر کے رواں ہو جائے تو اب نظر کریں اگر غلطی مفسدِ معنی ہے جس سے نماز فاسد ہو تو بتانا لازم ہے، اگر سامع کے خیال میں نہ آئی ہر مسلمان کا حق ہے کہ بتائے کہ اس کے باقی رہنے میں نماز کا افساد ہے اور دفع فساد لازم اور اگر مفسدِ معنی نہیں تو بتانا کچھ ضرور نہیں بلکہ نہ بتانا ضرور ہے جبکہ اس کے سبب امام کو وحشت پیدا ہو۔۔ بلکہ بعض قاریوں کی عادت ہوتی ہے کہ غیر شخص کے بتانے سے اور زیادہ اُلجھ جاتے اور کچھ حروف اس گھبراہٹ میں ان سے ایسے صادر ہو جاتے ہیں جس سے نماز فاسد ہوتی ہے اس صورت میں اوروں کا سکوت لازم ہے کہ ان کا بولنا باعثِ فسادِ نماز ہوگا۔

(2) قاری کو پریشان کرنے کی نیت حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں ((بشروا ولا تنفروا ویسروا ولا تعسروا)) ترجمہ: لوگوں کو خوشخبریاں سناؤ نفرت نہ دلاؤ، آسانی پیدا کرو تنگی پیدا نہ کرو۔

(صحیح بخاری، ج 1، ص 16، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

بے شک (ایسا کرنا) آج کل بہت حفاظ کا شیوہ ہے، یہ بتانا نہیں بلکہ حقیقۃ یہود کے اس فعل میں داخل ہے ﴿لاتسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ﴾ ترجمہ: اس قرآن کو نہ سنو اس میں شور ڈالو۔

(3) اپنا حفظ جتانے کے لئے ذرا ذرا شبہہ پر روکنا ریاء ہے اور ریاء حرام ہے خصوصاً نماز میں۔

(4) جبکہ غلطی مفسدِ نماز نہ ہو تو محض ذرا ذرا شبہہ پر بتانا ہرگز جائز نہیں بلکہ صبر واجب، بعدِ سلام تحقیق کرلی جائے، اگر قاری کی یاد صحیح نکلے فبہا اور ان کی یاد ٹھیک ثابت ہوئی تو تکمیلِ ختم کے لئے حافظ اتنے الفاظ کا اور کسی رکعت میں اعادہ کرلے گا۔ حرمت کی وجہ ظاہر ہے کہ فتح (لقمہ دینا) حقیقۃً کلام ہے اور نماز میں کلام حرام ومفسدِ نماز، مگر بضرورت اجازت ہوئی، جب اسے غلطی ہونے پر خود یقین نہیں تو مبیح میں شک واقع ہوا اور محرم موجود ہے لہٰذا حرام ہوا۔ جب اسے شبہہ ہے تو ممکن ہے کہ اسی کی غلطی ہو اور غلط بتانے سے اس کی نماز جاتی رہے گی اور امام اخذ کرے (یعنی لقمہ لے) گا تو اس کی اور سب کی نماز فاسد ہوگی، تو ایسے امر پر اقدام جائز نہیں ہوسکتا۔

(5) غلطی کا مفسدِ معنی ہونا (کہ) مبنائے افسادِ نماز ہے ایسی چیز نہیں جسے سہل (آسان) جان لیا جائے، ہندستان میں جو علماء گنے جاتے ہیں ان میں چند ہی ایسے ہوسکیں کہ نماز پڑھتے میں اس پر مطلع ہوجائیں، ہزار جگہ ہوگا کہ وہ افساد گمان کریں گے اور حقیقۃً فساد نہ ہوگا جیسا کہ ہمارے فتاوی کی مراجعت سے ظاہر ہوتا ہے۔

ان امور سے حکم مسئلہ واضح ہوگیا، صورتِ فساد میں یقیناً بتایا جائے گا ورنہ تشویشِ قاری ہو تو نہ بتائیں اور خود شبہہ ہو تو بتانا سخت ناجائز اور جو ریاء وتشویش چاہیں ان کو روکا جائے، نہ مانیں تو ان کو مسجد نہ آنے دیا جائے کہ موذی ہیں اور موذی کا دفع واجب۔"

(فتاوی رضویہ، ج7، ص286-287، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

تراویح میں غلط لقمہ دیا تو نماز کا کیا حکم ہے:

سوال: تراویح میں سامع یا کسی اور نے غلط لقمہ دیا، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:اس کی دوصورتیں ہیں:

(1) اگر قصداً (جان بوجھ کر) غلط لقمہ دیا تو لقمہ دینے والے کی نماز ٹوٹ جائے گی اور امام نے لیا تو امام اور سارے مقتدیوں کی ٹوٹ جائے گی۔

(2) اگر سہواً (بھول کر) غلط لقمہ دیا تو حرج کی وجہ سے تراویح کے اندر معافی ہے۔سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ''بتانا تعلیم وکلام تھا اور بضرورتِ اصلاح نماز جائز رکھا گیا اور غلط بتانے میں نہ اصلاح نہ ضرورت،تو (حکم) اصل پر رہنا چاہئے،تو عمرو نے اگر قصداً مغالطہ دیا جب تو یقیناً اس کی نماز جاتی رہی اور اگر اس کے مغالطے کو لے گا عام ازیں امام نے غلط پڑھا ہو یا صحیح،تو ایک شخص خارج از نماز کا امتثال یا اس سے تعلم ہوگا اور یہ خود مفسدِ نماز ہے تو امام کی نماز جائے گی اور اس کے ساتھ سب کی باطل ہوگی۔۔۔اور اگر سہواً بتایا تو بظاہر حکم کتاب وقضیہ دلیل مذکور اب بھی وہی ہے۔

اقول (میں کہتا ہوں) مگر فقیر امید کرتا ہے کہ شرع مطہر ختم قرآن مجید فی التراویح میں اس باب میں تیسیر (آسانی) فرمائے کہ سامع کا خود غلطی کرنا بھی نادر نہیں اور غالباً قاری اسے لے لیتا یا اس کے امتثال (پیروی) کے لئے پھر عود کرتا (لوٹتا) ہے تو اگر ہر بار بحالِ سہو فسادِ نماز کا حکم دیں اور قرآن مجید کا اعادہ کرائیں حرج ہوگا والحرج مدفوع بالنص (دین میں تنگی کا مدفوع ہونا نص سے ثابت ہے) بہر حال یہ حکم قابلِ غور ومحتاجِ تحریر تام ہے۔'' (فتاوی رضویہ،ج7،ص285،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

مقتدی نے ایک رکعت سمجھ کر لقمہ دیا:

سوال :امام دو رکعت پوری کرکے قعدے میں بیٹھا،مقتدی نے سمجھا کہ ابھی ایک رکعت ہوئی ہے،اس نے لقمہ دے دیا،اس لقمہ دینے کا کیا حکم ہے؟

جواب :جب امام دو رکعت صحیح بیٹھا تھا تو لقمہ دینے والوں نے بلاضرورت لقمہ دیا لہذا ان کی نماز فاسد ہوگئی۔ (وقار الفتاوی،ج2،ص236،بزم وقار الدین،کراچی)

نماز عید میں لقمہ کے مسائل

سوال: نماز عید کی دوسری رکعت میں امام تکبیر زوائد بھول کر رکوع میں چلا گیا، ایک مقتدی نے لقمہ دیا، تو امام نے لوٹ کر تکبیر زوائد کہیں۔ نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: صورتِ مذکورہ میں مقتدی کو لقمہ دینے کی اجازت نہیں تھی کیونکہ امام کے لئے حکم ہے کہ اگر زوائد بھول کر رکوع میں چلا جائے تو نہ لوٹے، لہذا مقتدی کے غلط لقمہ دینے کی وجہ سے اس کی نماز ٹوٹ گئی اور امام اس کے بتانے سے لوٹا تو امام کی نماز فاسد ہوگئی اور اس سبب سے تمام مقتدیوں کی نماز فاسد ہوگئی۔

بہار شریعت میں ہے:

امام تکبیر کہنا بھول گیا، رکوع میں چلا گیا تو قیام کی طرف نہ لوٹے۔

(بہار شریعت، حصہ 4، ص 783 مکتبہ المدینہ، کراچی)

فتاوی فقیہ ملت میں ہے:

امام کے لئے حکم ہے کہ اگر زوائد بھول کر رکوع میں چلا جائے تو نہ لوٹے۔۔۔۔۔۔لہذا مقتدی غلط لقمہ دینے کے سبب نماز سے خارج ہوگیا۔۔۔امام اس کے بتانے سے لوٹا تو امام کی نماز گئی اور اس کے سبب تمام مقتدیوں کی بھی نماز چلی گئی۔

(فتاوی فقیہ ملت، ج 1، ص 254، شبیر برادرز، لاہور)

كتاب الوقف

کتاب الوقف

<u>وقف کے معنی:</u>

سوال: وقف کے کیا معنی ہیں؟

جواب: وقف کے یہ معنی ہیں کہ کسی شے کو اپنی ملک سے خارج کر کے خالص اللہ عزوجل کی ملک کر دینا اس طرح کہ اُسکا نفع بندگانِ خدا میں سے جس کو چاہے ملتا رہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الاول، ج2، ص350)

لہذا شے موقوف واقف کی ملک سے خارج ہو جاتی ہے مگر موقوف علیہ (یعنی جس پر وقف کیا ہے اُسکی) مِلک میں داخل نہیں ہوتی بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی مِلک قرار پاتی ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الاول، ج2، ص352)

<u>زمین یا مکان کے وقف کرنے کی صورتیں:</u>

سوال: زمین یا مکان کو وقف کرنے کی کتنی صورتیں ہیں؟

جواب: زمین یا مکان کو وقف کرنے کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہیں:

(1) زمین یا مکان کو اس لیے وقف کیا جائے کہ اسے مسجد یا مدرسہ یا قبرستان وغیرہا بنا دیا جائے۔

(2) زمین یا مکان کو اس لیے وقف کیا کہ اس کی آمدنی کو مسجد، مدرسہ، قبرستان یا فقراو مساکین پر صرف کیا جائے۔

<u>وقف کا فائدہ:</u>

سوال: وقف کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: وقف میں اگر نیت اچھی ہو اور وہ وقف کنندہ (وقف کرنے والا) اہل نیت یعنی مسلمان ہو تو مستحق ثواب ہے۔

(درمختار، کتاب الوقف، ج6، ص519)

وقف ایک صدقہ جاریہ ہے کہ واقف ہمیشہ اس کا ثواب پاتا رہے گا۔

صحیح مسلم شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب انسان مرجاتا ہے اُسکے عمل ختم ہوجاتے ہیں، مگر تین چیزوں سے (کہ مرنے کے بعد اُنکے ثواب اعمال نامہ میں درج ہوتے رہتے ہیں): (1) صدقہ جاریہ (مثلاً مسجد بنادی، مدرسہ بنایا کہ اسکا ثواب برابر ملتا رہے گا)۔ (2) یا علم جس سے اُسکے مرنے کے بعد لوگوں کو نفع پہنچتا رہتا ہے۔ (3) یا نیک اولاد چھوڑ جائے جو مرنے کے بعد اپنے والدین کے لیے دعا کرتی رہے۔

(صحیح مسلم، باب مایلحق الانسان، ج3، ص1255، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

بہتر وقف:

سوال: سب سے بہتر وقف کون سا ہے؟

جواب: سب میں بہتر وہ وقف ہے جس کی مسلمانوں کو زیادہ ضرورت ہو اور جس کا زیادہ نفع ہو مثلاً کتابیں خرید کر کتب خانہ بنایا اور وقف کردیا کہ ہمیشہ دین کی باتیں اسکے ذریعہ سے معلوم ہوتی رہیں گی۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الرابع عشر، ج2، ص481)

اور اگر وہاں مسجد نہ ہو اور اسکی ضرورت ہو تو مسجد بنوانا بہت ثواب کا کام ہے اور تعلیم علم دین کے لیے مدرسہ کی ضرورت ہو تو مدرسہ قائم کردینا اور اسکی بقاء (واخراجات) کے لیے جائداد وقف کرنا کہ ہمیشہ مسلمان اس سے فیض پاتے رہیں نہایت اعلیٰ درجہ کا نیک کام ہے۔

(بہارِ شریعت، حصہ10، ص524، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وقف کے لیے متولی مقرر کرنا ضروری نہیں:

سوال: وقف کی صحت کے لیے کیا کسی کو اس کے لیے متولی مقرر کرنا ضروری ہے؟

جواب: وقف کی صحت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اُسکے لیے متولی مقرر کرے اور اپنے قبضہ سے نکال کر متولی کا قبضہ دلادے بلکہ واقف نے وقف کرنے کے بعد اگر

اپنے ہی قبضہ میں رکھا جب بھی وقف صحیح ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الاول، ج 2، ص 351)

تمام جائیداد وقف کر دینے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص اپنی صحت کے زمانے میں اپنی تمام جائیداد مسجد یا مدرسہ پر وقف کر دے اور وارثوں کے لیے کچھ نہ چھوڑے، تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر نیت ورثہ کو محروم کرنے کی نہ ہو تو کچھ حرج نہیں، ہاں اگر نیت ورثہ کو محروم کرنے کی ہے تو ایسی نیت ضرور مذموم ہے، وقف بہر صورت درست ہو جائے گا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اسے اپنی صحت میں وقف کا اختیار ہے جس طرح وقف کرے گی کل یا بعض وقف ہو جائے گی مگر نیت اگر یہ ہے کہ بہنوں کو ترکہ سے محروم کرے تو یہ اگرچہ حق العبد میں گرفتار نہیں کہ صحت مورث میں کسی وارث کا کوئی حق اس کے مال سے متعلق نہیں ہوتا مگر ایسی نیت ضرور مذموم و سخت شنیعہ ہے، حدیث میں ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَنْ فَرَّ مِنْ مِيرَاثِ وَارِثِهِ قَطَعَ اللّٰهُ مِيرَاثَهُ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) جو بلاوجہ شرعی اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالیٰ جنت سے اس کا حصہ قطع کر دے۔

(سنن ابن ماجہ، باب الحیف فی الوصیۃ، ج 2، ص 902 دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت ۔ فتاوی رضویہ، ج 16، ص 251، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ارصاد کسے کہتے ہیں:

سوال: ارصاد کسے کہتے ہیں؟

جواب: سلاطین اسلام مواضع سلطنت سے جو دیہات (زمینیں) مصارف خیر کے لئے وقف کرتے ہیں انہیں ارصاد کہتے ہیں۔۔۔ان کا حکم بعینہ مثل وقف ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج 16، ص 158)

الفاظِ وقف

وقف کرنے کے لیے مخصوص الفاظ ہیں:

سوال: کیا وقف کرنے کے لیے مخصوص الفاظ ہیں؟

جواب: جی ہاں! وقف کے لیے مخصوص الفاظ ہیں جن سے وقف صحیح ہوتا ہے مثلاً میری یہ جائداد صدقہ موقوفہ ہے کہ ہمیشہ مساکین پر اس کی آمدنی صرف ہوتی رہے یا اللہ تعالیٰ کے لیے میں نے اسے وقف کیا۔ مسجد یا مدرسہ یا فلاں نیک کام پر میں نے وقف کیا یا فقراء پر وقف کیا۔ اس چیز کو میں نے اللہ (عزوجل) کی راہ کے لیے کر دیا۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الاول، ج2، ص357)

صرف صدقہ یا تصدق کے الفاظ سے وقف نہ ہوگا:

سوال: اگر کسی نے کہا کہ "میری یہ زمین صدقہ ہے" یا یہ کہا کہ "میں نے اسے مساکین پر تصدق کیا" تو کیا اس سے وہ زمین وقف ہو جائے گی؟

جواب: "میری یہ زمین صدقہ ہے" یا "میں نے اُسے مساکین پر تصدق کیا" ا... کہنے سے وقف نہیں ہوگا بلکہ یہ ایک منت ہے کہ اُس شخص پر وہ زمین یا اُسکی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے صدقہ کر دیا تو بری الذمہ ہے، ورنہ مرنے کے بعد یہ چیز ورثہ کی ہوگی اور منت نہ پورا کرنے کا گناہ اُس شخص پر۔ (فتح القدیر، ج5، ص418)

زمین کو فقراء کے لیے کر دیا:

سوال: اگر کسی نے کہا کہ "اس زمین کو میں نے فقراء کے لیے کر دیا" تو کیا اس سے وہ زمین وقف ہو جائے گی؟

جواب: اس زمین کو میں نے فقراء کے لیے کر دیا، اگر یہ لفظ وقف میں معروف ہو تو وقف ہے ورنہ اُس سے دریافت کیا جائے اگر کہے میری مراد وقف تھی تو وقف ہے یا مقصود صدقہ تھا یا کچھ ارادہ تھا ہی نہیں تو ان دونوں صورتوں میں نذر ہے مگر فرض کرو اس شخص

نے نذر پوری نہیں کی یعنی نہ وہ چیز صدقہ کی نہ اُسکی قیمت ،اور مر گیا تو اُس میں وراثت جاری ہوگی ورثہ پر منت کا پورا کرنا ضرور نہیں۔ (فتح القدیر،ج5،ص418)

پیداوار یا آمدنی وقف کرنے کا حکم:

سوال:اگر کسی نے کہا"میں نے اپنے باغ کی پیداوار وقف کی"یا کہا کہ "میں نے اپنی جائداد کی آمدنی وقف کی"تو کیا حکم ہے؟

جواب :اگر کسی نے کہا میں نے اپنے باغ کی پیداوار وقف کی یا اپنی جائداد کی آمدنی وقف کی تو وقف صحیح ہو جائے گا کہ مراد باغ کو وقف کرنا یا جائداد کو وقف کرنا ہے۔

(فتح القدیر،ج5،ص418)

وقف ہونے کے لیے وقف نامہ بنوانا ضروری نہیں:

سوال:کسی جگہ کے وقف ہونے کے لیے باقاعدہ وقف نامہ بنوانا ضروری ہے یا صرف زبانی وقف کرنا کافی ہے؟

جواب:وقف کے لئے کتابت ضروری نہیں زبانی الفاظ کافی ہے۔

(فتاوی رضویہ،ج16،ص129)

وقف نامہ اگرچہ ضروری نہیں مگر پھر بھی بنوانا چاہیے تاکہ بعد میں قانونی پیچیدگیاں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

سرکاری کاغذات میں زمین وقف ہے تو وقف سمجھی جائے گی:

سوال :اگر سرکاری کاغذات میں کسی پلاٹ یا مکان کے بارے میں درج ہو کہ یہ فلاں مدرسہ پر وقف ہے تو کیا اسے وقف سمجھا جائے گا؟

جواب :جی ہاں!اگر سرکاری رجسٹروں میں مندرج ہے کہ فلاں مکان فلاں مدرسہ پر وقف ہے تو گواہوں کے بغیر اس پر عمل کیا جائے گا،اسی پر مشائخ اسلام نے فتوی دیا۔ (شرح الاشباہ للمحقق ہبہ اللہ البعلی)

احکامِ وقف

جگہ وقف کردی تو اس کا حکم:

سوال: ایک جگہ وقف کردی تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: جو جگہ وقف کردی تو اس کا حکم یہ ہے کہ نہ خود وقف کرنے والا اس کا مالک ہے نہ دوسرے کو اس کا مالک بنا سکتا ہے نہ اسکو بیع (فروخت) کرسکتا ہے، نہ عاریت دے سکتا ہے نہ اسکو رہن رکھ سکتا ہے۔ (درمختار، کتاب الوقف، ج6، ص516تا518)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جائیداد ملک ہو کر وقف ہو سکتی ہے مگر وقف ٹھہر کر کبھی ملک نہیں ہو سکتی۔

(فتاوی رضویہ، ج16، ص161)

وقف کے مکان میں غلطی سے رہائش رکھی تب بھی کرایہ دینا ہوگا:

سوال: وقف شدہ مکان فروخت کردیا یا کسی کے رہن (قرض لے کر بطورِ ضمانت) رکھوا دیا، خریدنے والے نے اور مرتہن (جس کے پاس رہن رکھا گیا) نے اس میں رہائش کی، ان کو بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مکان تو وقف شدہ ہے تو کیا حکم ہے؟

جواب: مکان موقوف کو فروخت کردیا یا رہن رکھ دیا اور خریدنے والے یا مرتہن نے اُس میں سکونت کی بعد کو معلوم ہوا کہ یہ وقف ہے تو جب تک اِس مکان میں رہے اس کا کرایہ دینا ہوگا۔ (درمختار، کتاب الوقف، ج6، ص541)

مالِ وقف ناحق کھانے والے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں:

سوال: وقف کا مال ناحق کھانے والوں کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: مالِ وقف مثلِ مالِ یتیم ہے جس کی نسبت ارشاد ہوا کہ جو اسے ظلماً کھاتا ہے اپنے پیٹ میں آگ بھرتا ہے اور عنقریب جہنم میں جائے گا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ

سَعِیرًا ﴾ ترجمہ: وہ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹ میں نِری آگ بھرتے ہیں اور عنقریب بھڑکتی آگ میں جائیں گے۔

(پ4،سورۃ النساء،ایت10)

اگر وہ لوگ اس حرکت سے باز نہ آئیں ان سے میل جول چھوڑ دیں، ان کے پاس بیٹھنا روا نہ رکھیں۔

(فتاوی رضویہ،ج16،ص223)

وَقف کے مال کے غَلَط استِعمال کا عذاب:

سُوال: جو مالِ وقف کا غَلَط استِعمال کرے اُس کیلئے کوئی وعید سنا دیجئے۔

جواب: دو احادیثِ مبارکہ مُلاحظہ فرمائیے:

(1) رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا ارشاد پاک ہے: کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے مال میں ناحق تصرُّف کرتے ہیں، قیامت کے دن ان کیلئے جہنّم ہے۔

(صحیح البخاری، ج 2ص348،)

(2) حُضور سیِّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں: کتنے ہی لوگ جو اللہ (عزوجل) اور اس کے رسول کے مال میں سے جس چیز کو ان کا دل چاہتا ہے اپنے تصرُّف میں لے آتے ہیں قیامت کے دن ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے۔

(جامع الترمذی، ج 4ص165،166)

وقف کی حفاظت مسلمانوں پر لازم ہے:

سوال: اگر کوئی وقف شدہ زمین پر ناحق قبضہ کر لے تو مسلمانوں کو اس کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

جواب: مسلمانوں پر فرض ہے کہ حتی المقدور ہر جائز کوشش حفظِ مالِ وقف و دفعِ ظلمِ ظالم میں صرف کریں اور اس میں جتنا وقت یا مال ان کا خرچ ہوگا یا جو کچھ محنت کرینگے مستحقِ اجر ہوں گے۔

(فتاوی رضویہ، ج16، ص157)

مسجد پر وقف شدہ قرآن مجید کا حکم:

سوال: قرآن مجید مسجد پر وقف کیا تو کیا اسے دوسری جگہ لے جا سکتے ہیں؟

جواب: مسجد پر قرآن مجید وقف کیا تو اِس مسجد میں جس کا جی چاہے اُس میں تلاوت کرسکتا ہے دوسری جگہ لے جانے کی اجازت نہیں کہ اسطرح پر وقف کرنے والے کا منشاء (مقصد) یہی ہوتا ہے اور اگر واقف نے تصریح کردی ہے کہ اسی مسجد میں تلاوت کی جائے جب تو بالکل ظاہر ہے کیونکہ اُسکی شرط کے خلاف نہیں کیا جاسکتا۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الثانی، ج2، ص361)

مدارس پر وقف شدہ کتابوں کا حکم:

سوال: مدارس وقف شدہ کتابوں کا کیا حکم ہے؟

جواب: مدارس میں کتابیں وقف کردی جاتی ہیں اور عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ جس مدرسہ میں وقف کی جاتی ہیں اُسی کے اساتذہ اور طلبہ کے لیے ہوتی ہیں ایسی صورت میں وہ کتابیں دوسرے مدرسہ میں نہیں لیجائی جاسکتیں۔ اور اگر اِس طرح پر وقف کی ہیں کہ جن کو دیکھنا ہو وہ کتب خانہ میں آکر دیکھیں تو وہیں دیکھی جاسکتی ہیں اپنے گھر پر دیکھنے کے لیے نہیں لا سکتے۔ (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل کتب الوقف فی محلها، ج6، ص561)

وقف کی کوئی چیز ضائع کردی تو کیا حکم ہے؟:

سوال: متولی یا غیر متولی سے لائبریری کی کتاب تلف ہوگئی تو کیا حکم ہے؟

جواب: متولی وقف امین وقف ہے۔۔۔۔ اگر اس سے اتفاقیہ طور پر بے اپنے تقصیر و بے احتیاطی کے وقف کی کتاب یا کوئی مال تلف ہو جائے اس کا معاوضہ نہیں، اور اگر قصداً تلف کردے یا اگر اپنی بے احتیاطی سے ضائع کرے تو ضرور معاوضہ ہے، یہی حکم ملازمان وقف کا ہے جبکہ وہ تصرف جو اس نے کتاب میں کیا اس کی ملازمت میں داخل، اور اسے جائز تھا، ورنہ اگر وقف کے کسی اور صیغہ کا ملازم ہے کتب خانہ پر اس کو اختیار نہیں، اور اس نے مثلاً کتاب کسی کو عاریۃً دے دی اور ضائع ہوگئی تو ضرور اس پر معاوضہ ہے، غیر شخص نے اگر وہ تصرف کیا تو منجانب وقف جس کی اسے اجازت تھی اور بے اس کی تقصیر کے کتاب ضائع ہوگئی مثلاً کتب خانہ وقف میں جا کر کتابیں دیکھنے کی اجازت ہو اور عام طور پر معمول

ہو کہ کتابیں دیکھ کر اسی مکان میں رکھ آتے ہیں یا فلاں ملازم کو سپرد کر دیتے ہیں اور یہ اس قاعدہ کو بجالایا اور کتاب گم ہوگئی تو اس پر بھی معاوضہ نہیں، ورنہ اگر وہ تصرف کیا جس کی اسے اجازت نہ تھی یا تھی مگر اس کی تقصیر و بے احتیاطی سے کتاب گئی تو ضرور تاوان دے گا، اور بہر حال معاوضہ اس کتاب کی قیمت یعنی بازار کے بھاؤ سے جو اس کے دام ہوں۔

(فتاوی رضویہ،ج16،ص227)

شرائطِ وقف

سوال: وقف صحیح ہونے کی کیا شرائط ہیں؟

جواب: وقف کے صحیح ہونے کی درج ذیل شرائط ہیں:

(1) واقف کا عاقل ہونا۔ (2) بالغ ہونا۔ لہذا نابالغ اور مجنون نے وقف کیا یہ صحیح نہیں ہوا۔

(3) آزاد ہونا۔ غلام نے وقف کیا صحیح نہ ہوا۔

(4) وہ کام جس کے لیے وقف کرتا ہے فی نفسہ ثواب کا کام ہو یعنی واقف کے نزدیک بھی وہ ثواب کا کام ہو اور واقع میں بھی ثواب کا کام ہو اگر ثواب کا کام نہیں ہے تو وقف صحیح نہیں مثلاً کسی ناجائز کام کے لیے وقف کیا اور اگر واقف کے خیال میں وہ نیکی کا کام ہو مگر حقیقت میں ثواب کا کام نہ ہو تو وقف صحیح نہیں اور اگر واقع میں ثواب کا کام ہے مگر واقف کے اعتقاد میں کارِ ثواب نہیں جب بھی وقف صحیح نہیں، لہٰذا اگر نصرانی نے بیت المقدس پر کوئی جائداد وقف کی کہ اس کی آمدنی سے اُس کی مرمت کی جائے جائز ہے اور اگر گرجا یا بت خانہ کے نام وقف کیا کہ اُس کی مرمت یا چراغ بتی میں صرف کیا جائے یا حربیوں پر صرف کیا جائے تو یہ باطل ہے کہ یہ ثواب کا کام نہیں اور اگر نصرانی نے حج وعمرہ کے لیے وقف کیا جب بھی وقف صحیح نہیں کہ اگرچہ یہ کارِ ثواب ہے مگر اس کے اعتقاد میں ثواب کا کام نہیں۔

(5) وقف کے وقت وہ چیز واقف کی مِلک ہو۔

لہذا اگر وقف کرنے کے وقت اُسکی مِلک نہ ہو بعد میں ہو جائے تو وقف صحیح نہیں مثلاً ایک شخص نے مکان یا زمین غصب کر لی تھی اُسے وقف کر دیا پھر مالک سے اُس کو خرید لیا اور ثمن بھی ادا کر دیا یا کوئی چیز دے کر مالک سے مصالحت کر لی تو اگرچہ اب مالک ہو گیا ہے مگر وقف صحیح نہیں کہ وقف کے وقت مالک نہ تھا۔

(6) جس نے وقف کیا وہ اپنی کم عقلی یا دَین (قرض) کی وجہ سے ممنوع التصرف

نہ ہو۔

☆لہذا ایک بیوقوف شخص ہے جسکی نسبت قاضی کو اندیشہ ہے کہ اگر اس کی روک تھام نہ کی گئی تو جائداد تباہ و برباد کردیگا قاضی نے حکم دے دیا کہ یہ شخص اپنی جائداد میں تصرف نہ کرے، اس نے کچھ جائداد وقف کی تو وقف صحیح نہ ہوا۔

☆لہذا مریض پر اتنا دَین ہے کہ اُسکی تمام جائداد دَین میں مستغرق (ڈوبا ہوا) ہے اُسکا وقف صحیح نہیں۔

(7) جہالت نہ ہونا یعنی جسکو وقف کیا یا جس پر وقف کیا معلوم ہو۔

☆لہذا اپنی جائداد کا ایک حصہ وقف کیا اور یہ تعیین نہیں کی کہ وہ کتنا ہے مثلاً تہائی، چوتھائی وغیرہ تو وقف صحیح نہ ہوا اگرچہ بعد میں اُس حصہ کی تعیین کردے۔

☆اور اگر یوں کہا کہ اس مکان میں جتنے سہام (حصے) میرے ہیں اُن کو میں نے وقف کیا اگرچہ معلوم نہ ہو کہ اسکے کتنے سہام ہیں یہ وقف صحیح ہے کہ اگرچہ اسے اس وقت معلوم نہیں مگر حقیقۃً وہ متعین ہیں مجہول نہیں۔

☆ موقوف علیہ (جس پر وقف کیا) اگر مجہول ہے مثلاً یوں کہا کہ "اپنی قرابت والے پر وقف کیا" یہ وقف صحیح نہیں۔

(8) وقف کو شرط پر معلق نہ کیا ہو۔

☆لہذا اگر شرط پر معلق کیا مثلاً میرا بیٹا سفر سے واپس آئے تو یہ زمین وقف ہے یا اگر میں اِس زمین کا مالک ہو جاؤں یا اسے خریدلوں تو وقف ہے یہ وقف صحیح نہیں بلکہ اگر وہ شرط ایسی ہو جس کا ہونا یقینی ہے جب بھی صحیح نہیں مثلاً اگر کل کا دن آجائے تو وقف ہے۔

☆ اگر ایسی شرط پر معلق کیا جو فی الحال موجود ہے تو تعلیق باطل ہے اور وقف صحیح ہو جائے گا مثلاً یہ کہا کہ اگر یہ زمین میری مِلک میں ہو یا میں اسکا مالک ہو جاؤں تو وقف ہے اور اِس کہنے کے وقت زمین اسکی ملک میں ہے تو وقف صحیح ہے اور اس وقت ملک میں نہیں ہے تو صحیح نہیں۔

☆ مریض نے کہا اگر میں اس مرض سے مرجاؤں تو میری یہ زمین وقف ہے یہ وقف صحیح نہیں اور اگر یہ کہا کہ میں مرجاؤں تو میری اس زمین کو وقف کر دینا یہ وقف کے لیے وکیل کرنا ہے اس کے مرنے کے بعد وکیل نے وقف کیا تو صحیح ہو گیا کہ وقف کے لیے توکیل درست ہے اور توکیل کو شرط پر معلق کرنا بھی درست ہے یعنی اُس صورت میں صحیح ہے کہ وہ زمین اس کے ترکہ کی تہائی کے اندر ہو یا ورثہ اس وقف کو جائز کر دیں اور ورثہ جائز نہ کریں تو ایک تہائی وقف ہے باقی میراث کہ یہ وقف وصیت کے حکم میں ہے اور وصیت تہائی تک جاری ہوگی بغیر اجازت ورثہ تہائی سے زیادہ میں وصیت جاری نہیں ہوسکتی۔

☆ کسی نے کہا اگر میں مرجاؤں تو میرا مکان فلاں پر وقف ہے یہ وقف نہیں بلکہ وصیت ہے یعنی وہ شخص اگر اپنی زندگی میں باطل کرنا چاہے تو باطل ہوسکتی ہے اور مرنے کے بعد یہ وصیت ایک تہائی میں لازم ہوگی ورثہ اس کو رد نہیں کر سکتے۔

(9) جائداد موقوفہ کو بیع کر کے ثمن (قیمت) کو صَرف (خرچ) کر ڈالنے کی شرط نہ ہو۔ یوہیں یہ شرط کہ جس کو میں چاہوں گا ہبہ کر دوں گا یا جب مجھے ضرورت ہوگی اسے رہن رکھ دوں گا غرض ایسی شرط جس سے وقف کا ابطال ہوتا ہو وقف کو باطل کر دیتی ہے ہاں وقف کے استبدال کی شرط صحیح ہے۔ یعنی اس جائداد کو بیع کر کے کوئی دوسری جائداد خرید کر اسکے قائم مقام کر دی جائے گی اور اسکا ذکر آگے آتا ہے۔

☆ وقف اگر مسجد ہے اور اس میں اس قسم کی شرطیں لگائیں مثلاً اسکو مسجد کیا اور مجھے اختیار ہے کہ اسے بیع کر ڈالوں یا ہبہ کر دوں تو وقف صحیح ہے اور شرط باطل۔

(10) تابید یعنی ہمیشہ کے لیے ہونا مگر صحیح یہ ہے کہ وقف میں ہمیشگی کا ذکر کرنا شرط نہیں یعنی اگر وقف مؤبد (ہمیشہ کے لیے وقف) نہ کہا جب بھی مؤبد ہی ہے اور اگر مدت خاص کا ذکر کیا مثلاً میں نے اپنا مکان ایک ماہ کے لیے وقف کیا اور جب مہینہ پورا ہو جائے تو وقف باطل ہو جائیگا تو یہ وقف نہ ہوا اور ابھی سے باطل ہے۔

(11) وقف بالآخر ایسی جہت کے لیے ہو جس میں انقطاع (اختتام) نہ ہو مثلاً

کسی نے اپنی جائداد اپنی اولاد پر وقف کی اور یہ ذکر کر دیا کہ جب میری اولاد کا سلسلہ نہ رہے تو مساکین پر یا نیک کاموں میں صرف کی جائے تو وقف صحیح ہے کہ اب منقطع (ختم) ہونے کی کوئی صورت نہ رہی۔

(بہار شریعت ملخصاً ج10، ص25تا33، مکتبة المدینہ، کراچی)

اگر موقوف علیہ کا ذکر نہ کیا:

سوال: اگر فقط اتنا ہی کہا کہ میں نے اسے وقف کیا اور موقوف علیہ (جس پر وقف کیا ہے) کا ذکر نہ کیا، تو کیا وقف ہو جائے گا؟

جواب: اگر فقط اتنا ہی کہا کہ میں نے اسے وقف کیا اور موقوف علیہ کا ذکر نہ کیا تو عرفاً اسکے یہی معنی ہیں کہ نیک کاموں میں صرف ہوگی اور بلحاظ معنی ایسی جہت ہوگی جس کے لیے انقطاع نہیں، لہٰذا یہ وقف صحیح ہے۔ (بہار شریعت، حصہ10، ص33)

مکان کرایہ پر لے کر وقف نہیں کر سکتے:

سوال: مکان کرایہ پر لے کر وقف کر سکتے ہیں؟

جواب: نہیں کر سکتے کہ کرایہ پر لینے والا اس کا مالک نہیں۔ بہار شریعت میں ہے: زمین کسی نے عاریت یا اجارہ پر لی تھی اُس میں مکان بنا کر وقف کر دیا یہ وقف ناجائز ہے۔ (بہار شریعت، حصہ10، ص536)

کس چیز کا وقف صحیح ہے اور کس کا نہیں

اشیاء غیر منقولہ اور منقولہ کا وقف:

سوال: کن چیزوں کا وقف کرنا درست ہے؟

جواب: اشیاء دو طرح کی ہیں:

(1) غیر منقولہ (جو دوسری جگہ منتقل نہ کی جا سکیں) جیسا کہ زمین، مکان، دوکان

(2) منقولہ (جو دوسری جگہ منتقل کی جا سکتی ہوں) جیسا کہ چٹائیاں وغیرہ۔

جائداد غیر منقولہ کا وقف صحیح ہے اور جو چیزیں منقولہ ہوں ان کے وقف ہونے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) غیر منقولہ کے تابع ہو کر ان کا وقف درست ہے، مثلاً کھیت کو وقف کیا تو ہل بیل اور کھیتی کے جملہ آلات اور کھیتی کے غلام یہ سب کچھ تبعاً وقف ہو سکتے ہیں یا باغ وقف کیا تو باغ کے جملہ سامان بیل اور چرسا (چمڑے کا بڑا ڈول) وغیرہ کو تبعاً وقف کر سکتا ہے۔

(۲) ان کے علاوہ دوسری منقولات جو تابع نہ ہوں تو جنکے وقف کا عرف (رواج) ہے اُن کو مستقلاً (بغیر تابع ہوئے) وقف کرنا جائز ہے۔

اگر عرف نہیں تو جائز نہیں۔

(فتاوی خانیه ملخصاً، کتاب الوقف، فصل فی وقف المنقول، ج2، ص309)

وہ منقولہ اشیاء جن کے وقف کا عرف ہے:

سوال: کچھ ایسی منقولی چیزیں بیان کر دیں کہ جن کے وقف کرنے کا عرف (رواج) ہے۔

جواب: بعض وہ چیزیں جن کے وقف کا رواج ہے یہ ہیں: (1) مردہ لے جانے کی چار پائی (2) جنازہ پوش (جنازہ پر ڈالی جانے والی چادر)، (3) میت کے غسل دینے کا تخت، (4) قرآن مجید، (5) کتابیں، (6) دیگ، (7) دری، (8)

قالین، (9) شامیانہ، (10) شادی اور برات کے سامان کہ ایسی چیزوں کو لوگ وقف کردیتے ہیں کہ اہل حاجت ضرورت کے وقت اِن چیزوں کو کام میں لائیں پھر متولی کے پاس واپس کر جائیں۔ یونہی بعض مدارس اور یتیم خانوں میں (11) سردیوں کے کپڑے (12) اور لحاف گدے وغیرہ وقف کرکے دیدیئے جاتے ہیں کہ سردیوں میں طلبہ اور یتیموں کو استعمال کے لیے دیدیے جاتے ہیں اور سردیاں نکل جانے کے بعد واپس لے لیے جاتے ہیں۔

(تبیین الحقائق، کتاب الوقف، ج 4، ص265 ☆فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الثانی، ج2، ص361)

(13) قرآن مجید رکھنے کی رحل (14) گھڑیاں، (15) پنکھے، (16) ٹیوب لائٹیں، (17) اذان ونماز کے لیے مائیک، (18) بیت الخلا کے لیے لوٹے، (19) ٹوپیاں (20) ٹوپیاں رکھنے کے ڈبے (21) مدارس میں بیک بورڈ (22) مدارس میں کھانے کے برتن (23) جگ گلاس (24) کمپیوٹر (25) ٹیلی فون (26) ٹیبل وغیرہا، اس کے علاوہ بھی بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جن کے وقف کرنے کا فی زمانہ عرف ہے۔

درختوں کا وقف کب صحیح ہے اور کب نہیں:

سوال: درختوں کا وقف کب صحیح ہے اور کب نہیں؟

جواب: درخت لگائے اور انھیں مع زمین وقف کردیا تو وقف جائز ہے اور اگر صرف تنہا درخت وقف کیے زمین وقف نہ کی تو وقف صحیح نہیں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الثانی، ج2، ص362)

مصارف وقف کا بیان

وقف کی آمدنی کے مصارف:

سوال: وقف کی آمدنی کے مصارف کون سے ہیں؟

جواب: وقف کی آمدنی کا سب میں بڑا مصرف یہ ہے کہ وہ وقف کی عمارت پ
صرف کی جائے اسکے لیے یہ بھی ضرور نہیں کہ واقف نے اس پر صرف کرنیکی شرط کی ہو یعنی
شرائط وقف میں اسکو نہ بھی ذکر کیا ہو جب بھی صرف کریں گے کہ اسکی مرمت نہ کی تو وقف
ہی جاتا رہے گا عمارت پر صرف کرنے سے یہ مراد ہے کہ اُسکو خراب نہ ہونے دیں اُس میں
اضافہ کرنا عمارت میں داخل نہیں مثلاً مکان وقف ہے یا مسجد پر کوئی جائداد وقف ہے تو
اولاً آمدنی کو خود مکان یا جائداد پر صرف کریں گے اور واقف کے زمانہ میں جس حالت میں
تھی اُس پر باقی رکھیں۔ اگر اُسکے زمانہ میں سفیدی یا رنگ کیا جاتا تھا تو اب بھی مال وقف
سے کریں ورنہ نہیں۔ یونہیں کھیت وقف ہے اور اس میں کھاد کی ضرورت ہے ورنہ کھیت
خراب ہوجائے گا تو اسکی درستی مستحقین سے مقدم ہے۔

عمارت کے بعد آمدنی اس چیز پر صرف ہو جو عمارت سے قریب تر اور باعتبار
مصالح مفید تر ہو کہ یہ معنوی عمارت ہے جیسے مسجد کے لیے امام اور مدرسہ کے لیے مدرس کہ
ان سے مسجد و مدرسہ کی آبادی ہے ان کو بقدر کفایت وقف کی آمدنی سے دیا جائے۔ پھر
چراغ بتی اور فرش اور چٹائی اور دیگر ضروریات میں صرف کریں جو اہم ہو اُسے مقدم رکھیں
اور یہ اُس صورت میں ہے کہ وقف کی آمدنی کسی خاص مصرف کے لیے معین نہ ہو۔ اور اگر
معین ہے مثلاً ایک شخص نے وقف کی آمدنی چراغ بتی کے لیے معین کردی ہے یا وضو کے
پانی کے لیے تعیین کردی ہے تو عمارت کے بعد اُسی مد میں صرف کریں جسکے لیے معین ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الثالث، ج 2، ص 367 ☆ الدر المختار وردالمحتار، کتاب
الوقف، مطلب عمارۃ الوقف علی صفۃ الذی وقفہ، ج 6، ص 562,563)

عمارت میں خرچ کرنے کی حاجت تھی، نہ کیا، تو کیا حکم ہے:

سوال :عمارت میں خرچ کرنے کی ضرورت تھی اور اوقاف کی نگرانی کرنے والے نے آمدنی مستحقین کو دے دی تو کیا حکم ہے؟

جواب :عمارت میں صرف کرنے کی ضرورت تھی اور ناظر اوقاف (اوقاف کی نگرانی کرنے والے) نے وقف کی آمدنی عمارت وقف میں صرف نہ کی بلکہ دیگر مستحقین کو دے دی تو اس کو تاوان دینا پڑیگا یعنی جتنا مستحقین کو دیا ہے اُسکے بدلے میں اپنے پاس سے عمارت وقف پر صرف کرے۔ (درمختار، کتاب الوقف، ج6، ص567)

عمارت پر خرچ ہونے کی وجہ سے مستحقین کو نہ ملا، تو کیا بعد میں ملے گا:

سوال :عمارت پر خرچ ہونے کی وجہ سے ایک یا چند سال تک دیگر مستحقین کو نہ ملا تو کیا حکم ہے؟

جواب :عمارت پر خرچ ہونے کی وجہ سے ایک یا چند سال تک دیگر مستحقین کو نہ ملا تو اِس زمانہ کا حق ہی ساقط ہو گیا یہ نہیں کہ وقف کے ذمہ انکا اتنے زمانہ کا حق باقی ہے یعنی بالفرض آئندہ سال وقف کی آمدنی اتنی زیادہ ہوئی کہ سب کو دیکر کچھ بچ گئی تو سال گزشتہ کے عوض میں مستحقین اسکا مطالبہ نہیں کر سکتے۔

(الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الوقف، فی قطع الجہات لاجل العمارۃ، ج6، ص568)

کیا عمارت کے لیے آمدنی میں ہر سال بچایا جائے گا؟:

سوال:کیا عمارت کے لیے آمدنی میں سے ہر سال کچھ بچا کر رکھیں گے؟

جواب :خود واقف نے یہ شرط ذکر کر دی ہے کہ وقف کی آمدنی کو اولاً عمارت میں صرف کیا جائے اور جو بچے مستحقین یا فقرا کو دی جائے تو متولی پر لازم ہے کہ ہر سال آمدنی میں سے ایک مقدار عمارت کے لیے نکال کر باقی مستحقین کو دے اگرچہ اس وقت تعمیر کی ضرورت نہ ہو کہ ہوسکتا ہے دفعۃً (اچانک) کوئی حادثہ پیش آجائے اور رقم موجود نہ ہو،

لہذا پیشتر ہی سے اس کا انتظام رکھنا چاہیے اور اگر یہ شرط ذکر نہ کرے تو ضرورت سے قبل اسکے لیے محفوظ نہیں رکھا جائے گا بلکہ جب ضرورت پڑے گی اُس وقت عمارت کو سب پر مقدم کیا جائے گا۔
(درمختار، کتاب الوقف، ج6، ص568)

جس پر آمدنی وقف ہو، وہ رہائش نہیں رکھ سکتا:

سوال: مکان اس لیے وقف کیا ہے کہ اُس کی آمدنی فلاں شخص کو دی جائے تو کیا یہ شخص اُس میں سکونت اختیار کر سکتا ہے؟ نیز اس مکان کو مرمت کی حاجت ہو تو کہاں سے کی جائے گی؟

جواب: مکان اس لیے وقف کیا ہے کہ اُس کی آمدنی فلاں شخص کو دی جائے تو یہ شخص اُس میں سکونت نہیں کر سکتا اور نہ اِس مکان کی مرمت اسکے ذمہ ہے بلکہ اسکی آمدنی اولاً مرمت میں صرف ہوگی اِس سے بچے گی تو اُس شخص کو ملے گی اور اگر خود اُس شخص موقوف علیہ نے اس میں سکونت کی اور تنہا اسی پر وقف ہے تو اس پر کرایہ واجب نہیں کہ اِس سے کرایہ لے کر پھر اِسی کو دینا بے فائدہ ہے اور اگر کوئی دوسرا بھی شریک ہے تو کرایہ لیا جائے گا تاکہ دوسرے کو بھی دیا جائے۔ یونہیں اگر اس مکان میں مرمت کی ضرورت ہے جب بھی اِس سے کرایہ وصول کیا جائے گا تاکہ اُس سے مرمت کی جائے۔
(درمختار، کتاب الوقف، ج6، ص573تا575)

متولی نے اجرت زیادہ دی تو کیا حکم ہے؟:

سوال: متولی نے وقف کے کام کرنے کے لیے کسی کو اجیر رکھا اور واجبی اُجرت (کتنی اجرت بنتی تھی اس) سے زیادہ رقم اسے دے دی تو کیا حکم ہے؟

جواب: متولی نے وقف کے کام کرنے کے لیے کسی کو اجیر رکھا اور واجبی اُجرت سے چھٹا حصہ زیادہ کر دیا مثلاً چھ سو روپے کی جگہ سات سو روپے دیے تو ساری اُجرت متولی کو اپنے پاس سے دینی پڑے گی اور اگر خفیف زیادتی ہے کہ لوگ دھوکا کھا کر اُتنی زیادتی کر دیا کرتے ہیں تو اسکا تاوان نہیں بلکہ ایسی صورت میں وقف سے اُجرت

دلائی جائیگی۔ (درمختار، کتاب الوقف، ج6،ص568)

مسجد کے مصالح پر وقف شدہ آمدنی کہاں خرچہ ہوگی:

سوال: کسی نے اپنی جائداد مصالح مسجد کے لیے وقف کی تو اس کی آمدنی کہاں کہاں خرچ ہوگی؟

جواب: کسی نے اپنی جائداد مصالح مسجد کے لیے وقف کی ہے تو امام، مؤذن، جاروب کش (جھاڑو دینے والا)، فراش (دریاں بچھانے والا)، دربان (چوکیدار)، چٹائی، جانماز، قندیل، تیل، روشنی کرنیوالا، وضو کا پانی، لوٹے، رسی، ڈول، پانی بھرنے والے کی اُجرت۔ اس قسم کے مصارف مصالح میں شمار ہوں گے۔

(درمختار، کتاب الوقف، ج6،ص569)

مسجد چھوٹی بڑی ہونے سے ضروریات ومصالح کا اختلاف ہوگا، مسجد کی آمدنی کثیر ہے کہ ضروریات سے بچ رہتی ہے تو عمدہ ونفیس جانماز کا خریدنا بھی جائز ہے چٹائی کی جگہ دری یا قالین کا فرش بچھا سکتے ہیں۔ (البحرالرائق، کتاب الوقف، ج5،ص359)

فی زمانہ بلب، ٹیوب لائٹیں وغیرہ خریدنا اور بجلی وغیرہ کا بل ادا کرنا بھی شامل ہے۔

مسجد کا بیان

مسجد بنانے اور آباد کرنے کے فضائل:

سوال: مسجد بنانے اور اسے آباد کرنے کا کیا ثواب ہے؟

جواب: مسجد بنانے اور اسے آباد کرنے کے کچھ فضائل درج ذیل ہیں:

(1) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ ترجمہ: اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔

(سورۃ التوبہ، آیت 18)

(2) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ بَنَى مَسْجِدًا لِلَّهِ بَنَى اللهُ لَهُ فِي الْجَنَّةِ مِثْلَه)) ترجمہ: جو اللہ عزوجل کے لیے مسجد بنائے گا، اللہ عزوجل اُس کے لیے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔

(صحیح بخاری، باب من بنی مسجداً، ج 1، ص 97، مطبوعہ دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب فضل بناء المسجد، ج 1، ص 378، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(3) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ عُمَّارَ بُيُوتِ اللَّهِ هُمْ أَهْلُ اللَّهِ عزوجل)) ترجمہ: مسجدیں تعمیر کرنے والے اہل اللہ (اللہ والے) ہیں۔

(المعجم الاوسط، باب من اسمہ ابراہیم، ج 3، ص 67، دار الحرمین، القاہرہ)

(4) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ بَنَى لِلَّهِ بَيْتًا يُعْبَدُ اللَّهُ فِيهِ مِنْ مَالٍ حَلَالٍ بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ مِنْ دُرٍّ وَيَاقُوتٍ)) ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے حلال مال سے مسجد بنائے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں موتی اور یاقوت کا

ل تیار فرمائے گا۔ (المعجم الاوسط،من اسمہ محمد،ج5،ص195،دارالحرمین،القاہرہ)

(5) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ بَنَى مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ عَلَّقَ فِيهِ قِنْدِيلا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُطْفَأَ ذَلِكَ الْقِنْدِيلُ وَمَنْ بَسَطَ فِيهِ حَصِيرًا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى تَنْقَطِعَ ذَلِكَ الْحَصِيرُ وَمَنْ أَخْرَجَ مِنْهُ قَذَاةً كَانَ لَهُ كِفْلَانِ مِنَ الْأَجْرِ)) ترجمہ: جس نے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا، جس نے مسجد میں قندیل لگائی تو اس پر ستر ہزار فرشتے اس قندیل کے گل ہونے تک رحمت بھیجتے ہیں اور جس نے مسجد میں چٹائی بچھائی اس پر ستر ہزار فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں اور جس نے مسجد سے خس وخاشاک نکالا تو وہ اس کے لیے دوگنا اجر وثواب ہوگا۔ (العلل المتناهیہ،احادیث فی المسجد،ج1،ص406،ادارۃ العلوم الاثریہ،فیصل آباد)

(6) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان کے لئے اجرِ عظیم وصدقہ جاریہ ہے سالہا سال گزر گئے ہوں قبر میں ان کی ہڈیاں بھی نہ رہی ہوں ان کو بعونہٖ تابقائے مسجد و مدرسہ وجائداد برابر ثواب پہنچتا رہے گا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ)) ترجمہ: جب انسان فوت ہوجائے تو اس کے عمل منقطع ہوجاتے ہیں مگر تین وجہ سے جاری رہتے ہیں: صدقہ جاریہ یا نافع علم یا صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔

(صحیح مسلم،باب مایلحق الانسان،ج3،ص1255،داراحیاء التراث العربی،بیروت☆فتاوی رضویہ،ج16،ص116)

مسجد بنانے کا ثواب کسے ملے گا؟:

سوال: مسجد بنانے کا ثواب کیا اسے ملے گا جو ساری مسجد خود بنائے؟

جواب: یہ ثواب اسی پر نہیں کہ ساری مسجد خود بنائے یا مال کثیر سے شرکت کرے بلکہ ہر شرکت والے کو مسجد بنانے کا ثواب ملے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ بَنَى مَسْجِدًا لِلّٰهِ كَمَفْحَصِ قَطَاةٍ أَوْ أَصْغَرَ، بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ)) ترجمہ: جو کوئی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسجد بنائے (اگرچہ) ایک چھوٹی سے چڑیا کے گھونسلے کے برابر یا اس سے بھی چھوٹی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔

(سنن ابن ماجه، باب من بنى لله مسجدا، ج1، ص244، دار احياء الكتب العربيه، بيروت)

امام اہل سنت اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں:

اور اس میں ہر وہ شخص جو کسی قدر چندہ سے شریک ہوا، داخل ہے۔ ساری مسجد بنانے پر یہ ثواب موقوف نہیں۔ (فتاوی رضویہ، ج16، ص425)

مساجد اور مدارس کی تعمیر کا حکم:

سوال: مساجد اور مدارس کی تعمیر کا کیا حکم ہے؟

جواب: مساجد کی تعمیر واجب ہے اور مدرسہ کے نام سے کسی عمارت کا بنانا واجب نہیں، ہاں تعلیم علم دین واجب ہے، اور مدرسہ بنانا بدعت مستحبہ۔

(فتاوی رضویہ، ج16، ص460تا464)

صرف عمارت بنا دینا مسجد ہونے کے لیے کافی نہیں:

سوال: کیا مسجد کی عمارت بنا دینے سے مسجد ہو جائے گی؟

جواب: مسجد ہونے کے لیے یہ ضرور ہے کہ بنانے والا کوئی ایسا فعل کرے یا ایسی بات کہے جس سے مسجد ہونا ثابت ہوتا ہو محض مسجد کی سی عمارت بنا دینا مسجد ہونے کے لیے کافی نہیں۔

(بہار شریعت، حصہ10، ص557)

کن افعال سے مسجد ہو جائے گی:

سوال: کیا کرنے سے مسجد ہو جائے گی؟

جواب: مسجد بنائی اور جماعت سے نماز پڑھنے کی اجازت دیدی مسجد ہو گئی اگرچہ جماعت میں دو ہی شخص ہوں مگر یہ جماعت علی الاعلان یعنی اذان و اقامت کے ساتھ ہو۔ اور اگر تنہا ایک شخص نے اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھی اس طرح نماز پڑھنا جماعت کے قائم مقام ہے اور مسجد ہو جائے گی۔ اور اگر خود اِس بانی نے تنہا اس طرح نماز پڑھی تو یہ مسجدیت کے لیے کافی نہیں کہ مسجدیت کے لیے نماز کی شرط اِس لیے ہے تا کہ عامہ مسلمین کا قبضہ ہو جائے اور اس کا قبضہ تو پہلے ہی سے ہے، عامہ مسلمین کے قائم مقام یہ خود نہیں ہو سکتا۔

(فتاوی خانیہ، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل دارہ مسجدا الخ، ج 2، ص 296 ☆ الدر المختار وردالمحتار، کتاب الوقف، فصل اختص المسجد باالاحکام، ج 6، ص 546 تا 548)

کس قول سے مسجد ہو جائے گی:

سوال: کیا کہنے سے مسجد ہو جائے گی؟

جواب: یہ کہا کہ میں نے اس کو مسجد کر دیا تو اس کہنے سے بھی مسجد ہو جائے گی۔

(تنویر الابصار، کتاب الوقف، ج 6، ص 546)

چندہ سے لی ہوئی زمین کب مسجد بنے گی؟:

سوال: جب کچھ لوگ چندہ کر کے مسجد بنانے کے لیے جگہ خریدیں تو کیا وہ مسجد ہو جاتی ہے؟ کیا خریدنے کے بعد اسے بیچ کر دوسری زمین لے سکتے ہیں؟

جواب: مسجد کے لیے جگہ خرید لینے سے وہ جگہ مسجد نہیں ہو جاتی بلکہ اس وقت ہو گی جب چندہ دینے والے تمام لوگ یا ان کا وکیل (عمومی طور پر چندہ جمع کرنے والے اجازت یافتہ وکیل ہی ہوتے ہیں) اس جگہ کے بارے میں کہہ دے کہ ہم نے اسے مسجد کیا یا مسجد بنا کر اس میں جماعت سے نماز پڑھنے کی اجازت دیدے لہذا اس خالی جگہ کو

جب تک مسجد قرار نہیں دیا یہ چندہ دینے والوں کی ملک پر باقی ہے،ان کی اجازت سے بیچ کر دوسری زمین لی جاسکتی ہے۔ (مستفاد من فتاوی رضویہ،ج16،ص422,423)

مسجد کے اوپر نیچے ذاتی مکان اور دوکانیں ہوں تو کیا حکم ہے؟:

سوال :اگر مسجد کے نیچے یا اوپر مسجد بنانے والے کی اپنی دوکانیں یا مکان ہے تو کیا وہ مسجد ہو جائے گی؟

جواب :مسجد کے لیے یہ ضرور ہے کہ اپنی املاک سے اُسکو بالکل جدا کر دے اسکی ملک اُس میں باقی نہ رہے،لہٰذا نیچے اپنی دوکانیں ہیں یا رہنے کا مکان اور اوپر مسجد بنوائی تو یہ مسجد نہیں، یا اوپر اپنی دوکانیں یا رہنے کا مکان اور نیچے مسجد بنوائی تو یہ مسجد نہیں بلکہ اُسکی ملک ہے اور اُسکے بعد اُسکے ورثہ کی۔

(ہدایہ، کتاب الوقف،ج2،ص20☆تبیین الحقائق، کتاب الوقف،ج4،ص271)

ہاں جن شہروں میں جگہ کی شدید تنگی ہے جیسے کراچی ،بمبئی کی صورت حال ہے وہاں پر فی زمانہ فتوی یہ ہے کہ فلیٹوں کے نیچے بنی ہوئی مسجدیں شرعی مسجدیں ہیں اور ان میں نماز پڑھنے سے مسجد میں نماز پڑھنے کا ہی ثواب ملے گا ،ہدایہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد علیہما الرحمہ سے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے بغداد اور رَے شہر کے بارے میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے یہی فتوی دیا تھا،وہ دونوں روایتیں اگر چہ ضعیف ہیں لیکن حرج کی وجہ سے فی زمانہ بہت زیادہ آبادی اور تنگ جگہ والے شہروں میں اسی پر فتوی دیا جائے گا اور جن شہروں میں ایسی صورت حال نہیں ہے جیسے کوئٹہ، سبی ،نواب شاہ ،سکھر ،خانیوال ،گوجرہ وغیرہ ان میں ضروری ہے کہ مسجد کے اوپر اور نیچے کسی کی ذاتی ملکیت نہ ہو۔

(وقف کے شرعی مسائل،ص127,128)

مسجد کے لیے مسجد کے اوپر نیچے مکان اور دوکانیں بنانا:

سوال :اگر مسجد کے نیچے مسجد کے کام کا مکان ہو تو کیا حکم ہے؟اسی طرح دوکانیں جن کی آمدنی مسجد پر خرچ ہو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب :اگر نیچے کا مکان مسجد کے کام کے لیے ہو اپنے لیے نہ ہو تو مسجد ہو گئی۔ یوہیں مسجد کے نیچے کرایہ کی دکانیں بنائی گئیں یا اوپر مکان بنایا گیا جن کی آمدنی مسجد میں صرف ہوگی تو حرج نہیں یا مسجد کے نیچے ضرورت مسجد کے لیے تہ خانہ بنایا کہ اُس میں پانی وغیرہ رکھا جائے گا یا مسجد کا سامان اُس میں رہے گا تو حرج نہیں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المساجد، الفصل الاول، ج2، ص455)

مسجد کے لیے مسجد کے اوپر نیچے دوکانیں بنانے کی اجازت کب ہے؟:

سوال :مسجد کے لیے مسجد کے اوپر نیچے مکان یا دوکانیں بنانے کی کب اجازت ہے؟

جواب: یہ اجازت اس صورت میں ہے جب قبل تمامِ مسجد دکانیں یا مکان بنالیا ہو اور مسجد ہو جانے کے بعد نہ اُسکے نیچے دکان بنائی جاسکتی نہ اوپر مکان۔

(درمختار، کتاب الوقف، ج6، ص548)

مثلاً ایک مسجد کو منہدم کر کے پھر سے اُسکی تعمیر کرانا چاہیں اور پہلے اُسکے نیچے دکانیں نہ تھیں اور اب اس جدید تعمیر میں دکان بنوانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے کہ یہ تو پہلے ہی سے مسجد ہے اب دکان بنانے کے یہ معنی ہونگے کہ مسجد کو دکان بنایا جائے۔

(بہار شریعت، حصہ10، ص558)

مسجد کے لیے عمارت ضروری نہیں:

سوال: مسجد قرار دینے کے لیے کیا عمارت ضروری ہے؟

جواب :مسجد کے لیے عمارت ضرور نہیں یعنی خالی زمین اگر کوئی شخص مسجد کردے تو مسجد ہے، مثلاً مالک زمین نے لوگوں سے کہہ دیا کہ اس میں ہمیشہ نماز پڑھا کرو تو مسجد ہوگئی اور اگر ہمیشہ کا لفظ نہیں بولا مگر اُس کی نیت یہی ہے، جب بھی مسجد ہے اور اگر نہ لفظ ہے اور نہ نیت، مثلاً نماز پڑھنے کی اجازت دیدی اور نیت کچھ نہیں یا مہینہ یا سال بھر ایک دن کے لیے نماز پڑھنے کو کہا تو وہ زمین مسجد نہیں بلکہ اُسکی ملک ہے، اُسکے مرنے کے بعد

اُسکے ورثہ کی ملک ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المساجد، الفصل الاول، ج2، ص455)

مسجد کو توڑ کر دوبارہ بنانے کی اجازت کس صورت میں ہے:

سوال: کیا اہل محلہ مسجد کو توڑ کر عمدہ اور مضبوط بنا سکتے ہیں؟

جواب: اہل محلہ یہ چاہتے ہیں کہ مسجد کو توڑ کر پہلے سے عمدہ و مستحکم بنائیں تو بنا سکتے ہیں بشرطیکہ اپنے مال سے بنائیں مسجد کے روپے سے تعمیر نہ کریں اور دوسرے لوگ ایسا کرنا چاہتے ہوں تو نہیں کر سکتے۔

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی احکام المسجد، ج6، ص548)

مسجد کے معاملہ میں اہل محلہ کے اختیارات:

سوال: اہل محلہ کے لیے اور کیا کیا اختیارات ہیں؟

جواب: اہل محلہ کو یہ بھی اختیار ہے کہ مسجد کو وسیع کریں اُس میں حوض اور کنواں اور ضرورت کی چیزیں بنائیں وضو اور پینے کے لیے مٹکوں میں پانی رکھوائیں، جھاڑ (ایک قسم کا فانوس)، ہانڈی (وہ برتن جس میں شمع جلائی جاتی ہے)، فانوس وغیرہ لگائیں۔ بانی مسجد کے ورثہ کو منع کرنے کا حق نہیں جب کہ وہ اپنے مال سے ایسا کرنا چاہتے ہوں اور اگر بانی مسجد اپنے پاس سے کرنا چاہتا ہے اور اہل محلہ اپنی طرف سے تو بانی مسجد بہ نسبت اہل محلہ کے زیادہ حقدار ہے۔ حوض اور کنواں بنوانے میں یہ شرط ہے کہ اُنکی وجہ سے مسجد کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔ (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی احکام المسجد، ج6، ص548)

اور یہ بھی ضرور ہے کہ پہلے جتنی مسجد تھی اُسکے علاوہ دوسری زمین میں بنائے جائیں مسجد میں نہیں بنائے جا سکتے۔

اہل محلہ کو یہ بھی اختیار ہے کہ مسجد کا دروازہ دوسری جانب منتقل کر دیں اور اگر اِس باب میں رائیں مختلف ہوں تو جس طرف کثرت ہو اور اچھے لوگ ہوں اُنکی بات پر عمل کیا جائے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المساجد، الفصل الاول، ج2، ص456)

رف نقشہ بدلنے کے لیے مسجد کو دوبارہ تعمیر کرنا:

سوال: مسجد کی عمارت عمدہ اور محکم تھی کمیٹی نے صرف نقشہ بدلنے کے لیے یدکر کے مسجد کی رقم سے دوبارتعمیر کی، ایسی انتظامیہ کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: اعلیٰ حضرت اس طرح کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے :

بنائے مسجد (مسجد کی عمارت) عمدہ ومحکم تھی تو متولیوں کو اس کا شہید کرنا اور نقشہ اور اس میں مسجد کے تین لاکھ روپے اڑا دینا اور اس کے سبب بیس ہزار کے نل برباد نا۔۔۔۔ یہ تمام افعال حرام تھے اور ہیں، متولیوں پر ان لاکھوں روپوں کا تاوان لازم کہ اپنی گرہ سے ادا کریں، اور واجب ہے کہ ایسے مسرف (مال ضائع کرنے والے) معزول کیے جائیں اور ان کی جگہ مسلمان متدین (دین دار) ہوشیار کارگزار خداترس تدار مقرر کیے جائیں۔

(فتاوی رضویہ، ج16، ص235)

وموذن مقرر کرنے کا زیادہ حق کسے؟:

سوال: امام وموذن مقرر کرنے میں بانی مسجد کا زیادہ حق ہے یا اہل محلّہ کا؟

جواب: امام وموذن مقرر کرنے میں بانی مسجد یا اُسکی اولاد کا حق بہ نسبت اہل کے زیادہ ہے مگر جب کہ اہل محلّہ نے جس کو مقرر کیا وہ بانی مسجد کے مقررہ کردہ سے اولیٰ اہل محلّہ ہی کا مقرر کردہ امام ہوگا۔

(الدرالمختار، کتاب الوقف، ج6، ص659)

کی چھت پر امام کی رہائش بنانا:

سوال: کیا مسجد کی چھت پر امام کے رہائش بنا سکتے ہیں؟

جواب: مسجد کی چھت پر امام کے لیے رہائش بنانا چاہتے ہیں اگر قبل تمام ت ہو تو بنا سکتے ہیں اور مسجد ہو جانے کے بعد نہیں بنا سکتے، اگرچہ بانی مسجد کہتا ہو کہ ونے کے پہلے سے میری نیت بنانے کی تھی بلکہ اگر دیوار مسجد پر حجرہ بنانا چاہتا ہو تو اسکی

بھی اجازت نہیں یہ حکم خود واقف اور بانی مسجد کا ہے، لہٰذا جب اسے اجازت نہیں تو دوسرے بدرجہ اولیٰ نہیں بنا سکتے، اگر اس قسم کی کوئی ناجائز عمارت چھت یا دیوار پر بنادی گئی ہو تو اُسے گرادینا واجب ہے۔

(الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی احکام المساجد، ج6، ص549,550)

مسجد کے کسی حصے کو کرایہ پر دینا ناجائز ہے:

سوال: مسجد کے کسی حصہ کو کرایہ پر دینا کہ اس کی آمدنی مسجد پر خرچ ہوگی کیسا ہے؟

جواب: مسجد کا کوئی حصّہ کرایہ پر دینا کہ اسکی آمدنی مسجد پر خرچ ہوگی حرام ہے اگر چہ مسجد کو ضرورت بھی ہو۔ یوہیں مسجد کو مسکن (رہائش) بنانا بھی ناجائز ہے۔ یوہیں مسجد کے کسی جز کو حجرہ میں شامل کر لینا بھی ناجائز ہے۔ (الدرالمختار، کتاب الوقف، ج6، ص550)

نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد تنگ پڑگئی:

سوال: نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد تنگ پڑگئی تو کیا کریں؟

جواب: نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد تنگ ہوگئی اور مسجد کے پہلو میں کسی شخص کی زمین ہے تو اُسے خرید کر مسجد میں اضافہ کریں اور اگر وہ نہ دیتا ہو تو واجبی قیمت دیکر جبراً اُس سے لے سکتے ہیں۔ یوہیں اگر پہلوئے مسجد میں کوئی زمین یا مکان ہے جو اس مسجد کے نام وقف ہے یا کسی دوسرے کام کے لیے وقف ہے تو اُسکو مسجد میں شامل کر کے اضافہ کرنا جائز ہے البتہ اسکی ضرورت ہے کہ قاضی سے اجازت حاصل کرلیں۔ یوہیں اگر مسجد کے برابر وسیع راستہ ہو اُس میں سے اگر کچھ جز مسجد میں شامل کرلیا جائے جائز ہے۔ جبکہ راستہ تنگ نہ ہو جائے اور اُس کی وجہ سے لوگوں کا حرج نہ ہو۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المساجد، الفصل الاول، ج2، ص456)

سوال: کیا ایسا مکان جو اس طور پر وقف ہو کہ اس کی آمدنی مسجد پر خرچ ہوگی اُسے مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے؟

جواب: اگر مسجد تنگ ہو جماعت کی دقت ہوتی ہے جگہ کی حاجت ہے تو یہ زمین مسجد میں شامل کر دی جائے ورنہ نہیں کہ وہ مسجد کے لئے وقف ہے نہ کہ مسجد کر لینے کے لئے۔

(فتاوی رضویہ، ج16، ص159)

مسجد بدلنا جائز نہیں:

سوال: مسجد تنگ ہوگئی ایک شخص کہتا ہے مسجد مجھے دے دو اسے میں اپنے مکان میں شامل کرلوں اور اسکے عوض میں وسیع اور بہتر زمین تمہیں دیتا ہوں، کیا مسجد بدل سکتے ہیں؟

جواب: اس صورت میں بھی مسجد کو بدلنا جائز نہیں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المساجد، الفصل الاول، ج2، ص457)

"مسجد رکھوں نہ رکھوں" یہ شرط رکھنا باطل ہے:

سوال: ایک شخص نے مسجد بنائی اور شرط کر دی کہ مجھے اختیار ہے کہ اسے مسجد رکھوں یا نہ رکھوں، تو کیا حکم ہے؟

جواب: مسجد بنائی اور شرط کر دی کہ مجھے اختیار ہے کہ اسے مسجد رکھوں یا نہ رکھوں تو شرط باطل ہے اور وہ مسجد ہوگئی یعنی مسجدیت کے ابطال کا اُسے حق نہیں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المساجد، الفصل الاول، ج2، ص457)

مسجد محلّہ کے ساتھ خاص نہیں ہو سکتی:

سوال: اگر کوئی شخص مسجد کو اپنے یا اہل محلّہ کے ساتھ خاص کر دے تو کیا خاص ہو جائے گی؟

جواب: مسجد کو اپنے یا اہل محلّہ کے لیے خاص کر دے تو خاص نہ ہوگی دوسرے محلّہ والے بھی اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں اسے روکنے کا کچھ اختیار نہیں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المساجد، الفصل الاول، ج2، ص458)

مسجد کی اشیاء کا ذاتی استعمال ناجائز ہے:

سوال: مسجد کی اشیاء کا (ان کی غرض سے ہٹ کر) ذاتی استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب: مسجد کی اشیا مثلاً لوٹا چٹائی وغیرہ کو کسی دوسری غرض میں استعمال نہیں کر سکتے مثلاً لوٹے میں پانی بھر کر اپنے گھر نہیں لیجا سکتے اگرچہ یہ ارادہ ہو کہ پھر واپس کر جاؤں گا اُسکی چٹائی اپنے گھر یا کسی دوسری جگہ بچھانا ناجائز ہے۔ یوہیں مسجد کے ڈول رسی سے اپنے گھر کے لیے پانی بھرنا یا کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بے موقع اور بے محل استعمال کرنا ناجائز ہے۔ (بہار شریعت، حصہ 10، ص 561)

مسجد کی اشیاء عاریۃً دینا ناجائز ہے:

سوال: کیا مسجد کی چیزیں محلہ والوں کو عاریۃً (مفت استعمال کے لیے) دے سکتے ہیں؟

جواب: حرام ہے، یہاں تک کہ ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد کو عاریۃً بھی دینا جائز نہیں ۔۔۔ نہ کہ زید وعمرو کو۔۔۔ یہ سراسر وقف پر ظلم ہے جو ایسا کریں وقف سے ان کا اخراج واجب ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج 16، ص 222 تا 228)

مسجد کی آمدنی والا مکان امام ومؤذن کو رہائش کے لیے دینا منع ہے:

سوال: مسجد پر مکان یوں وقف ہے کی اس کا کرایہ مسجد میں خرچ ہوگا، وہ امام ومؤذن کو رہنے کے لیے دینا کیسا ہے؟

جواب: مسجد پر جو مکان اس لیے وقف ہیں کہ اُس کا کرایہ مسجد میں صرف ہوگا یہ مکان امام ومؤذن کو رہنے کے لیے نہیں دے سکتا اور دے دیا تو ان کو رہنا منع ہے۔

(فتاوی خانیہ، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل دارہ مسجدا الخ، ج 2، ص 298)

امام ومؤذن کی رہائش کے لیے وقف مکان کرایہ پر دینا منع ہے:

سوال: ایک مکان مسجد کے کام کے لیے مثلاً امام ومؤذن کی رہائش کے لیے

وقف ہے، کیا اسے کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی مسجد پر لگا سکتے ہیں؟

جواب :جو مسجد پر اس کے استعمال میں آنے کیلئے وقف ہیں انہیں کرایہ پر دینا لینا حرام کہ جو چیز جس غرض کیلئے وقف کی گئی دوسری غرض کی طرف اسے پھیرنا ناجائز ہے اگرچہ وہ غرض بھی وقف ہی کے لئے فائدہ کی ہو کہ شرط واقف مثل نص شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واجب الاتباع ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج16، ص449تا457)

غیر موجود مسجد و مدرسہ کے لیے جائیداد وقف کرنا:

سوال :مسجد یا مدرسہ ابھی موجود نہیں، ان پر کوئی جائیداد وقف کی تو کیا حکم ہے؟

جواب :مسجد یا مدرسہ پر کوئی جائداد وقف کی اور ہنوز (ابھی تک) وہ مسجد یا مدرسہ موجود بھی نہیں مگر اس کے لیے جگہ تجویز کر لی ہے تو وقف صحیح ہے اور جب تک اُس کی تعمیر نہ ہو وقف کی آمدنی فقرا پر صرف کی جائے اور جب بن جائے تو پھر اس پر صرف ہو۔

(فتح القدیر، کتاب الوقف، ج5، ص429)

متولی نے مؤذن وغیرہ کی تنخواہ زیادہ رکھ دی تو حکم ہے:

سوال :متولی نے اگر مؤذن یا خادم وغیرہما کی تنخواہ زیادہ رکھ دی تو کیا حکم ہے؟

جواب :مؤذن و جاروب کش (جھاڑو دینے والے) وغیرہ کو متولی اُسی تنخواہ پر نوکر رکھ سکتا ہے جو واجبی طور پر ہونی چاہیئے اور اگر اتنی زیادہ تنخواہ مقرر کی جو دوسرے لوگ نہ دیتے تو مال وقف سے اس تنخواہ کا ادا کرنا جائز نہیں اور دیگا تو تاوان دینا پڑیگا بلکہ اگر مؤذن وغیرہ کو معلوم ہے کہ مال وقف سے یہ تنخواہ دیتا ہے تو لینا بھی جائز نہیں۔

(فتح القدیر، کتاب الوقف، الفصل الاول فی المتولی، ج5، ص450)

متولی کا حساب کتاب کے لیے نوکر رکھنا:

سوال :مسجد کا متولی ان پڑھ ہے تو کیا حساب کتاب کے لیے نوکر رکھ کر اسے

مالِ وقف سے تنخواہ دے سکتا ہے؟

جواب: متولی مسجد بے پڑھا شخص ہے اُس نے حساب کتاب کے لیے ایک شخص کو نوکر رکھا تو مالِ وقف سے اُس کو تنخواہ دینا جائز نہیں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المساجد، الفصل الثانی، ج2، ص461)

مسجد کی زائد آمدنی سے دوکان یا مکان خریدنا:

سوال: مسجد کی زائد آمدنی سے مسجد کی آمدنی کے لیے دکان یا مکان خریدا جا سکتا ہے؟ اور کیا بعد میں اسے بیچ سکتے ہیں؟

جواب: مسجد کی آمدنی سے دکان یا مکان خریدنا کہ اس کی آمدنی مسجد میں صرف ہوگی اور ضرورت ہوگی تو بیع کر دیا جائے گا یہ جائز ہے جبکہ متولی کے لیے اس کی اجازت ہو۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المساجد، الفصل الثانی، ج2، ص461)

فتاوی رضویہ میں ہے:

وہ تمام اشیاء جو متولی بطور خود مسجد کے مال سے آمدنی مسجد بڑھانے کو خریدے ان کی بیع کا بشرط مصلحت وہ ہر وقت اختیار رکھتا ہے اگر چہ وہ دکان ومکانات ودیہات ہی ہوں کہ یہ خریداری اگر چہ بنظر مصلحت جائز ہوتی ہے مگر اس کے باعث وہ چیزیں وقف مسجد نہ ہو گئیں کہ ان کی بیع ناجائز ہو۔ (فتاوی رضویہ، ج16، ص 277تا280)

اہلِ محلہ کے کسی آدمی کا خود ہی متولی بن جانا کیسا؟:

سوال: مسجد کے لیے اوقاف ہیں مگر کوئی متولی نہیں اہل محلہ میں سے ایک شخص اس کی دیکھ بھال اور کام کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا اور اِس وقف کی آمدنی کو ضروریات مسجد میں صرف کیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: مسجد کے لیے اوقاف ہیں مگر کوئی متولی نہیں اہل محلہ میں سے ایک شخص اس کی دیکھ بھال اور کام کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا اور اِس وقف کی آمدنی کو ضروریات مسجد

میں صرف کیا تو دیانۃً اس پر تاوان نہیں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المساجد، الفصل الثانی، ج2، ص461)

اور ایسی صورت کا حکم یہ ہے کہ قاضی کے پاس درخواست دیں وہ متولی مقرر کر دیگا مگر چونکہ آجکل یہاں اسلامی سلطنت نہیں اور نہ قاضی ہے اِس مجبوری کی وجہ سے اگر خود اہلِ محلّہ کسی کو منتخب کرلیں کہ وہ ضروریاتِ مسجد کو انجام دے تو جائز ہے کیونکہ ایسا نہ کرنے میں وقف کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ (بہار شریعت، حصہ10، ص564)

متولی کے موجود ہوتے ہوئے اہلِ محلّہ کا تصرف کرنا جائز نہیں:

سوال: مسجد کا متولی موجود ہو تو اہلِ محلّہ کو اوقاف مسجد میں تصرف کرنا کیسا ہے؟

جواب: مسجد کا متولی موجود ہو تو اہلِ محلّہ کو اوقاف مسجد میں تصرف کرنا مثلاً دکانات وغیرہ کو کرایہ پر دینا جائز نہیں مگر اُنھوں نے ایسا کرلیا اور مسجد کے مصالح کے لحاظ سے یہی بہتر تھا تو حاکم اُن کے تصرف کو نافذ کر دے گا۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المساجد، الفصل الثانی، ج2، ص463)

مسجد کے لیے وقف مکان کا بیچ کر مسجد کے اوپر خرچ کرنا ناجائز ہے:

سوال: مسجد کے اوپر جو مکان وقف ہے، کیا اسے بیچ کر مسجد پر خرچ کر سکتے ہیں؟

جواب: مسجد کے اوقاف بیچ کر اُسکی عمارت پر صرف کر دینا ناجائز ہے اور وقف کی آمدنی سے کوئی مکان خریدا تھا تو اسے بیچ سکتے ہیں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المساجد، الفصل الثانی، ج2، ص461)

وقف کی آمدنی سے جو زمین خریدی، اس کو بیچنا جائز ہے:

سوال: متولی نے وقف کی آمدنی سے وقف کے لیے جو زمین خریدی، کیا وہ وقف ہو جاتی ہے؟

جواب: نہیں، متولی نے زرِ وقف سے جو زمین یا جائداد وقف کے لئے خریدی

وہ وقف نہیں ہو جاتی اس کی بیع جائز ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج16، ص117)

استنجا خانے مسجد سے کتنے فاصلے پر ہوں:

سوال: استنجا خانے مسجد سے کتنے فاصلے پر ہونے چاہیں؟

جواب: استنجا خانے (باتھ روم) مسجد سے اتنی دور بنائے جائیں کہ ان کی بد بو مسجد میں نہ آئے کہ مسجد کو ہر قسم کی معمولی سے معمولی بد بو سے بچانا واجب ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال ہوا ''مسجد سے کتنے فاصلہ پر پیشاب خانہ بنانا چاہئے اس کی کوئی حد شرعاً جو ہو حکم فرمایا جائے'' تو جواباً ارشاد فرمایا: مسجد کو بو سے بچانا واجب ہے، ولہذا مسجد میں مٹی کا تیل جلانا حرام، مسجد میں دیا سلائی سلگانا حرام، حتی کہ حدیث میں ارشاد ہوا: ((وَلَا يُمَرُّ فِيهِ بِلَحْمٍ نَيِّءٍ)) یعنی مسجد میں کچا گوشت لے جانا جائز نہیں۔

(سنن ابن ماجه، ابواب المساجد باب مایکره فی المساجد، ج 1، ص 247، دار احیاء الکتب العربیه، بیروت)

حالانکہ کچے گوشت کی بو بہت خفیف ہے تو جہاں سے مسجد میں بو پہنچے وہاں تک ممانعت کی جائے گی۔ (فتاوی رضویہ، ج16، ص232)

جنگل میں مسجد بنانے سے مسجد نہ ہو گی:

سوال: اگر کسی نے جنگل میں مسجد بنا دی، جہاں نہ آبادی ہے نہ لوگوں کا آنا جانا ہے، کیا وہ مسجد ہو جائے گی؟

جواب: جبکہ یہ صحیح ہو کہ وہ جگہ آباد نہیں ہو سکتی اور وہ مسجد کام میں بھی نہ آئے گی تو وہ مسجد نہ ہوئی، ان اینٹوں اور روپے کو دوسری مسجد میں صرف کر سکتے ہیں۔

(فتاوی رضویہ، ج16، ص505)

ایک مسجد کی چیزیں دوسری مسجد میں دینا جائز نہیں:

سوال: مسجد کی رقم اور زائد چیزیں مدرسے میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی

طرح ایک مسجد کی چیزیں دوسری مسجد میں دے سکتے ہیں؟

جواب: مسجد جب تک آباد ہے اس کا مال نہ کسی مدرسے میں صرف ہوسکتا ہے نہ دوسری مسجد میں، یہاں تک کہ اگر ایک مسجد میں سو چٹائیاں یا لوٹے حاجت سے زیادہ ہوں اور دوسری مسجد میں ایک بھی نہ ہو تو جائز نہیں کہ یہاں کی ایک چٹائی یا لوٹا دوسری مسجد میں دے دیں۔ (فتاوی رضویہ، ج16، ص280)

مدرسہ کے مال سے مسجد کا قرض نہیں ادا کر سکتے:

سوال: کیا مدرسہ کے مال سے مسجد کا قرض ادا کیا جاسکتا ہے؟

جواب: مدرسہ کے مال سے مسجد کا قرض ادا نہیں کیا جاسکتا جو ادا کرے گا تاوان اس پر ہے مسجد کے مال سے نہیں لے سکتا۔ (فتاوی رضویہ، ج16، ص157)

مسجد کی دریاں اور مائیک عیدگاہ لے کر جانا گناہ ہے:

سوال: کیا مسجد کی دریاں اور مائیک وغیرہ عیدگاہ میں لے جاسکتے ہیں؟

جواب: یہ فعل ناجائز و گناہ ہے، ایک مسجد کی چیز دوسری مسجد میں بھی عاریۃً دینا جائز نہیں، نہ کہ عیدگاہ میں۔ (فتاوی رضویہ، ج16، ص452)

مسجد سے باہر نام کی تختی:

سوال: جس نے مسجد تعمیر کروائی، کیا وہ اپنے نام کی تختی مسجد کے باہر لگوا سکتا ہے، اسی طرح اپنے نام پر مسجد کا نام رکھ سکتا ہے؟۔

جواب: ریا کے لیے ہو تو حرام ہے مگر بلا وجہ شرعی مسلمان پر ریا کے ارادے کی بدگمانی بھی حرام ہے، اور بنظر دعا ہے تو حرج نہیں۔۔۔۔ وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرء مانوی ۔ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ (ماخوذ من فتاوی رضویہ، ج16، ص499)

مسجد کے منارے بنانے کی حکمتیں:

سوال: کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور میں مساجد کے منارے نہیں تھے، اگر نہیں تھے تو بعد میں کیوں بنائے گئے؟

جواب: واقعی زمانہ اقدس حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مساجد کے لئے برج کنگرے اور اس طرح کے منارے جن کو لوگ مینار کہتے ہیں ہرگز نہ تھے بلکہ زمانہ اقدس میں پکے ستون نہ پکی چھت، نہ پکا فرش نہ گچکاری، یہ امور اصلاً نہ تھے۔۔۔۔۔

مگر تغیر زمانہ سے جبکہ قلوبِ عوام تعظیم باطن پر تنبہ کے لئے تعظیم ظاہر کے محتاج ہوگئے (یعنی زمانہ کے تبدیل ہونے سے جب عوام کے دل باطنی عظمت پر تنبیہ کے لیے ظاہری شان وشوکت کے محتاج ہوگئے تو) اس قسم کے امور علماء وعامہ مسلمین نے مستحسن رکھے، اسی قبیل سے ہے قرآن عظیم سے ہے قرآن عظیم پر سونا چڑھانا کہ صدرِ اول میں نہ تھا اور اب بہ نیت تعظیم واحترام قرآن مجید مستحب ہے۔ یونہی مسجد میں گچکاری اور سونے کا کام، ((وما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن)) جس شے کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ بھی اچھی ہوتی ہے۔

(مسند احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ج1، ص379، دار الفکر، بیروت)

اور ان میں ایک منفعت یہ بھی کہ مسافر یا ناواقف منارے کنگرے دور سے دیکھ کر پہچان لے گا کہ یہاں مسجد ہے، تو اس میں مسجد کی طرف مسلمانوں کو ارشاد وہدایت اور امر دین میں ان کی امداد واعانت ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿تعاونوا علی البر والتقوٰی﴾ نیکی اور تقوٰی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔

تیسری منفعت جلیلہ یہ ہے کہ جہاں کفار کی کثرت ہو، اکثر مسجدیں سادی گھروں کی طرح ہوں تو ممکن ہے کہ ہمسایہ کے کفار بعض مساجد پر گھر اور مملوک ہونے کا دعوٰی کردیں اور جھوٹی گواہیوں سے جیت لیں بخلاف اس صورت کے کہ یہ ہیأت خود بتائے گی کہ یہ مسجد ہے تو اس میں مسجد کی حفاظت اور اعداء سے اس کی صیانت (حفاظت) ہے۔

(فتاوی رضویہ تلخیصاً واضافۃً، ج16، ص294)

مسجد کے آس پاس کی جگہ ویران ہوگئی تو کیا حکم ہے:

سوال: مسجد کے آس پاس جگہ ویران ہوگئی وہاں لوگ رہے نہیں کہ مسجد میں نماز پڑھیں، تو کیا حکم ہے؟

جواب: مسجد کے آس پاس جگہ ویران ہوگئی وہاں لوگ رہے نہیں کہ مسجد میں نماز پڑھیں یعنی مسجد بالکل بیکار ہوگئی جب بھی وہ بدستور مسجد ہے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اُسے توڑ پھوڑ کر اُسکے اینٹ پتھر وغیرہ اپنے کام میں لائے یا اُسے مکان بنالے۔ یعنی وہ قیامت تک مسجد ہے۔ (الدرالمختار، کتاب الوقف، ج6، ص550)

اور مسجد ویران ہوگئی کہ وہاں لوگ رہے نہیں تو اُس کا سامان دوسری مسجد کو منتقل کردیا جائے بلکہ ایسی منہدم ہوجائے اور اندیشہ ہو کہ اس کا عملہ لوگ اٹھالے جائیں گے اور اپنے صرف میں لائیں گے تو اسے بھی دوسری مسجد کی طرف منتقل کردینا جائز ہے۔

(الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فیمالوخرب المسجد الخ، ج2، ص458)

فتاوی رضویہ میں ہے:

اجزاء یعنی زمین وعمارت قائمہ کی بیع تو کسی حال ممکن نہیں مگر جب مسجد معاذ اللہ ویران مطلق ہوجائے اور اس کی آبادی کی کوئی شکل نہ رہے تو ایک روایت میں باذن قاضی شرع حاکم اسلام اس کا عملہ بیچ کر دوسری مسجد میں صرف کر سکتے ہیں، مواضع ضرورت میں اس روایت پر عمل جائز ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج16، ص261)

مسجد شہید ہوگئی تو ملبہ کا کیا کریں گے؟:

سوال: اگر مسجد شہید ہوگئی تو اس کے ملبہ کا کیا کریں گے؟

جواب: فتاوی رضویہ میں ہے:

اگر معاذ اللہ مسجد کی کچھ بنا منہدم ہوجانے یا اس میں ضعف آجانے کے سبب خو منہدم کرکے از سر نو تجدید عمارت کریں اب جو اینٹوں کڑیوں تختوں کے ٹکڑے حاجت سے زائد بچیں کہ عمارت مسجد کے کام نہ آئیں اور دوسرے وقت حاجت عمارت۔

اٹھار کھنے میں ضائع ہونے کا خوف ہو تو ان دو شرطوں سے ان کی بیع میں مضایقہ نہیں مگر اذن قاضی درکار ہے اور اس کی قیمت جو کچھ ہو وہ محفوظ رکھی جائے کہ عمارت ہی کے کام آئے۔

(فتاوی رضویہ، ج16، ص264)

مسجد کی چٹائی اگر مسجد کے لیے کار آمد نہ رہی تو اس کا کیا کریں:

سوال: مسجد کی چٹائی جانماز وغیرہ اگر بیکار ہوں اور اِس مسجد کے لیے کار آمد نہ ہوں تو ان کا کیا کریں؟

جواب: مسجد کی چٹائی جانماز وغیرہ اگر بیکار ہوں اور اِس مسجد کے لیے کار آمد نہ ہوں تو جس نے دیا ہے وہ جو چاہے کرے اُسے اختیار ہے۔

(الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فیمالوخرب المسجد الخ، ج2، ص458)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس کا تفصیلی حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مسجد کے اسباب جیسے بوریا، مصلی، فرش، قندیل، وہ گھاس کہ گرمی کے لئے جاڑوں میں بچھائی جاتی ہے وغیرڈ لک، اگر سالم وقابل انتفاع ہیں اور مسجد کو ان کی طرف حاجت ہے تو ان کے بیچنے کی اجازت نہیں، اور اگر خراب وبیکار ہوگئی یا معاذ اللہ بوجہ ویرانی مسجد ان کی حاجت نہ رہی، تو اگر مال مسجد سے ہیں تو متولی، اور متولی نہ ہو تو اہل محلہ متدین امین باذن قاضی بیچ سکتے ہیں، اور اگر کسی شخص نے اپنے مال سے مسجد کو دئے تھے تو مذہب مفتی بہ پر اس کی ملک کی طرف عود کرے گی جو وہ چاہے کرے، وہ نہ رہا ہو اور اس کے وارث وہ بھی نہ رہے ہوں یا پتا نہ ہو تو ان کا حکم مثل لقطہ ہے، کسی فقیر کو دے دیں، خواہ باذن قاضی کسی مسجد میں صرف کردیں۔

(فتاوی رضویہ، ج16، ص265)

جہاں قاضی نہ ہو تو وہاں کیا کریں گے؟:

سوال: ماقبل میں کئی مسائل ایسے مذکور ہوئے جن میں قاضی کی اجازت کی حاجت ہے، اگر قاضی شرع نہ ہو تو کیا کریں گے؟

جواب: جہاں جہاں ان مسائل میں اذن قاضی کی شرط مذکور ہوئی اگر قاضی

شرع نہ ہو جیسے ان بلاد میں، تو بضرورت مسلمانان دین دار موتمن معتمد اس بار کو اپنے اوپر اٹھا سکتے ہیں اور اللہ حساب لینے والا ہے اور وہ مصلح و مفسد کو خوب جانتا ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج16، ص278)

مسجد کی چیز خریدنے والا اسے بے ادبی کی جگہ نہ لگائے:

سوال : جہاں شریعت کی طرف سے مسجد کی چیزیں بیچنے کی اجازت ہے، کس کو بیچی جائیں اور خریدنے والا استعمال کرنے میں کیا احتیاط کرے؟

جواب :ان چیزوں کی بیع کافر کے ہاتھ نہ ہو بلکہ مسلمان کے ہاتھ (ہو)۔ اور مسلمان ان کو بے ادبی کی جگہ استعمال نہ کرے۔ (فتاوی رضویہ، ج16، ص405تا408)

عین مسجد کے کسی حصے کو وضو خانہ بنا دینا حرام ہے:

سوال : عین مسجد جہاں نماز پڑھی جاتی ہے، اس کے کسی حصے کو وضو خانہ میں تبدیل کر دینا کیسا ہے؟

جواب: عین مسجد والی جگہ پر وضو خانہ بنانا اور یہاں پر وضو کرنا حرام اور جہنم میں لے کر جانے والا کام ہے کیونکہ زمین کا جو حصہ عین مسجد یعنی نماز پڑھنے کے لئے مختص ہو چکا وہ اب قیامت تک مسجد ہی رہے گا، اسے مسجدیت سے خارج کر کے وضو خانہ بنا دینا مسجد کو ویران کرنا اور وہاں بندگانِ خدا کو نماز و ذکر سے روکنا ہے اور بنص قرآنی ایسا کرنا ظلم ہے اور ایسا کرنے والوں کو دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم کی وعید سنائی گئی ہے چنانچہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِی الدُّنْيَا خِزْیٌ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نام خدا لئے جانے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے ان کو نہ پہنچتا تھا کہ مسجدوں میں جائیں مگر ڈرتے ہوئے ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب۔

(سورت بقرۃ، آیت نمبر 114)

نیز یہ تغییر وقف ہے اور تغییر وقف بھی حرام ہے جیسا کہ ایک جگہ مسجد کے کچھ حصے کو جوتا اتارنے کی جگہ بنایا گیا تھا تو اس پر سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں ''مسجد کے ایک حصہ کو مسجد سے خارج کر دیا گیا اور اسے جوتا اتارنے کی جگہ بنایا یہ بھی تصرف باطل و مردود و حرام ہے، اوقاف میں تبدیل و تغییر کی اجازت نہیں لا یجوز تغییر الوقف عن ھیأتہ''

(فتاوی رضویہ، جلد 16، صفحہ 417، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اور پھر یہ تغییر بھی ایسی کہ جس میں مسجد کی کھلی بے حرمتی ہے یعنی وہ جگہ جو کل تک اللہ عزوجل کی بارگاہ میں سجدہ ریزی کے لئے مختص تھی اب اسے معاذ اللہ عزوجل پاکی وناپاکی دھونے اور وضو کا پانی گرانے کیلئے مہیا کر دیا گیا حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو مسجد میں تھوکنے تک سے منع فرمایا ہے چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((البزاق فی المسجد خطیئۃ وکف ارتھا دفنھا)) ترجمہ: مسجد میں تھوکنا خطا (گناہ۔ مرقاۃ) ہے اس کا کفارہ اسے دفن کر دینا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النھی عن البصاق الخ، جلد 1، صفحہ 390، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اور وضو کے دوران گرنے والے پانی سے گھن آتی ہے خصوصاً کلی اور ناک صاف کرنے میں جو پانی استعمال ہوتا ہے اور ایسا گھن والا پانی کوئی بھی اپنے جسم پر گرانا پسند نہیں کرتا تو مسجد جیسی مقدس جگہ پر گرانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ اسی وجہ سے علماء فرماتے ہیں کہ مسجد میں وضو کرنا حرام ہے چنانچہ در مختار میں ہے ''یحرم فیہ الوضوء'' ترجمہ: مسجد میں وضو کرنا حرام ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے تحت فرماتے ہیں: کیونکہ وضو سے گرنے والا پانی سے طبعی طور مستقذر ہے (یعنی اس سے گھن آتی ہے) لہٰذا اس سے مسجد کو پاک رکھنا ایسے ہی واجب ہے جیسے مسجد کو رینٹھ اور بلغم سے پاک رکھنا واجب ہے، بدائع۔

(در مختار مع رد المحتار، باب ما یفسد الصلوٰۃ الخ، جلد 1، صفحہ 660، دار الفکر، بیروت)

سوال :اگر کسی انتظامیہ نے مسجد کے چندے سے ایسا کیا ہوتو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب :چونکہ یہاں وضوخانہ بنانا ہی جائز نہ تھا تو یہاں پر مسجد کا چندہ صرف کرنا بھی ناجائز و بے جا تصرف تھا لہٰذا جس شخص نے ایسا تصرف کیا اس پر لازم ہے کہ مسجد کا فرش جیسا پہلے تھا ویسا ہی اپنے پلے سے تعمیر کرادے اور جو چندہ مسجد کا صرف کیا وہ بھی مسجد کو پورا کر دے وہ یوں کہ یہ ناجائز تعمیر ختم کر کے اگر کوئی قابلِ قیمت ملبہ بچے تو وہ مسجد کو دیا جائے اور باقی رقم نقدی کی صورت میں ادا کر دی جائے مثلاً اس ناجائز تعمیر پر اگر بیس ہزار روپیہ چندے کا صرف ہوا اور اب ملبہ دو ہزار روپے کا بچا ہے تو بقیہ اٹھارہ ہزار یہ تصرف کرنے والا اپنے پلے سے دے۔ایک شخص نے مسجد کی دیوار پر ناجائز تصرفات کئے تھے اس کا جواب دیتے ہوئے امام اہل سنت سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن لکھتے ہیں ''اس پر فرض ہے کہ حجرۂ مسجد پر جو دیوار بنائی ہے ابھی ابھی فوراً فوراً ڈھادے مسمار کردے،اوراس میں جو کچھ نقصان حجرہ مسجد یا دیوار حجرہ مسجد کو پہنچے اسے اپنے داموں سے ویسا ہی بنوادے۔۔۔۔۔دیوار مسجد میں جو سوراخ کیا ہے وہ سوراخ اسکے ایمان میں ہوگیا اس پر فرض قطعی ہے کہ اس ناپاک کڑی کو ابھی ابھی فوراً نکال لے اور دیوار مسجد کی ویسی ہی اصلاح کر دے جیسی تھی۔''

(فتاوی رضویہ ، جلد16 ، صفحہ8-307، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مسجد کو سڑک کر دینا:

سوال :مسجد کی جگہ سڑک بنا دینا اور مسجد دوسری جگہ منتقل کرنا کیسا ہے؟ صرف فنائے مسجد کو سڑک کے لیے دینا کیسا ہے؟

جواب :مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا اور اس کی زمین پر راستہ یا مکان بنانا سب اشد حرام قطعی ہے اگر چہ اس کی عوض دوسری جگہ سونے کی مسجد بنوادی جائے۔

(فتاوی رضویہ، ج16، ص522)

صرف فنائے مسجد کو بھی سڑک کے لیے دینا حرام ہے۔فتاوی رضویہ میں ہے:
جب فنائے مسجد میں خود مصلحت مسجد کے لئے دکان بنانا متولی مسجد کو حرام اور مسجد کی بے ادبی اور اس کی حرمت کا ساقط کرنا ہے (جیسا کہ کتب فقہ میں ہے) تو فنائے مسجد کو عام سڑک کے لئے دے دینا کس درجہ سخت حرام اور مسجد کی بے حرمتی اور اس کی عظمت کا منہدم کرنا ہوگا۔
(فتاوی رضویہ،ج16،ص352)

عین مسجد میں زینہ بنادینا:

سوال: بانی مسجد نے جامع مسجد بنا کر عین مسجد میں زینہ بنادیا، کیا حکم ہے؟

جواب: خود بانی نے کہ جامع مسجد بنا کر اس مسجد کے ایک حصہ زمین میں اس کا زینہ بنایا یہ بھی ناجائز ہے کہ مسجد بعد تمامی مسجدیت کسی تبدیل کی متحمل نہیں۔واجب ہے کہ اسے بھی زائل کر کے اسے خاص مسجد ہی رکھیں۔
(فتاوی رضویہ،ج16،ص492)

مسجد ومدرسہ کے متعلقین کے وظائف

مدرسہ پر وقف جائیداد کے مصارف:

سوال :مدرسہ پر جائیداد وقف کی تو اس کی آمدنی کن کاموں میں صرف ہوسکتی ہے؟

جواب :مدرسہ پر جائداد وقف کی تو مدرس کی تنخواہ،طلبہ کی خوراک،وظیفہ، کتاب،لباس وغیرہا میں جائداد کی آمدنی صرف کی جاسکتی ہے۔وقف کے نگران،حساب کا دفتر اور محاسب کی تنخواہ،یہ چیزیں بھی مصارف میں داخل ہیں۔بلکہ وقف کے متعلق جتنے کام کرنے والوں کی ضرورت ہو سب کو وقف سے تنخواہ دی جائے گی۔

(بہار شریعت،حصہ10،ص545)

اوقاف سے ملنے والے وظائف اجرت ہیں یا صلہ:

سوال :اوقاف سے کام کے عوض جو ماہانہ وظائف مقرر ہوتے ہیں،یہ اجرت ہیں یا صلہ؟

جواب :اوقاف سے جو ماہوار وظائف مقرر ہوتے ہیں یہ من وجہ اُجرت ہے اور من وجہ صلہ،اُجرت تو یوں ہے کہ امام و موذن کی اگر اثنائے سال میں وفات ہو جائے تو جتنے دن کام کیا ہے اُسکی تنخواہ ملے گی اور محض صلہ ہوتا تو نہ ملتی اور اگر پیشگی تنخواہ ان کو دی جا چکی ہے بعد میں انتقال ہو گیا یا معزول کر دیے گئے تو جو کچھ پہلے دے چکے ہیں وہ واپس نہیں ہوگا اور محض اُجرت ہوتی تو واپس ہوتی۔ (درمختار،کتاب الوقف،ج6،ص569)

تعطیل کے دنوں کی تنخواہ مدرس کو ملے گی یا نہیں:

سوال:تعطیل کے دنوں کی تنخواہ مدرس کو ملے گی یا نہیں؟

جواب :مدرسہ میں تعطیل کے جو ایام ہیں مثلاً جُمعہ،ماہ رمضان اور عید الفطر،بقر

عید کی تعطیلیں، جو عام طور پر مسلمانوں میں رائج و معمول ہیں ان تعطیلات کی تنخواہ کا مدرس مستحق ہے اور ان کے علاوہ اگر مدرسہ میں نہ آیا یا بلا وجہ تعلیم نہ دی تو اُس روز کی تنخواہ کا مستحق نہیں۔ (الدر المختار ورد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فی استحقاق القاضی، ج6، ص570،571)

امام مہینے میں کتنی چھٹیاں کر سکتا ہے:

سوال: مدرس وغیرہ کو تو ہر جُمعہ یا اتوار چھٹی کا عرف و رواج ہے، امام و مؤذن کی ہفتہ وار یا ماہانہ چھٹیوں عرف کیا ہے؟

جواب: ہمارے ہاں امام و مؤذن کی ایک یا دو ماہانہ چھٹیوں کا عرف ہے، یعنی ماہانہ اتنی چھٹیوں کیں تو پوری تنخواہ کے مستحق ہیں، اس سے زیادہ کیں تو تنخواہ سے کٹوتی کروانا پڑے گی۔ خاص عید کے دنوں میں تقریبا ایک ہفتہ چھٹیوں کا عرف ہے۔

طلبہ وظیفے کے کب مستحق ہوں گے؟:

سوال: بعض مدارس کی طرف سے طلبہ کو وظیفہ ملتا ہے، تو طالب علم کب وظیفہ کا مستحق ہے اور کب نہیں؟

جواب: طالبعلم وظیفہ کا اُس وقت مستحق ہے کہ تعلیم میں مشغول ہو اور اگر دوسرا کام کرنے لگا یا بیکار رہتا ہے تو وظیفہ کا مستحق نہیں اگرچہ اُسکی سکونت مدرسہ ہی میں ہو اور اگر اپنے پڑھنے کے لیے کتاب لکھنے میں مشغول ہوگیا جس کا لکھنا ضروری تھا اس وجہ سے پڑھنے نہیں آیا تو وظیفہ کا مستحق ہے اور اگر وہاں سے مسافت سفر (92 کلومیٹر کے فاصلہ) پر چلا گیا تو واپسی پر وظیفہ کا مستحق نہیں اور مسافت سفر سے کم فاصلہ کی جگہ پر گیا ہے اور پندرہ دِن وہاں رہ گیا جب بھی مستحق نہیں اور اِس سے کم ٹھہرا مگر جانا سیر و تفریح کے لیے تھا جب بھی مستحق نہیں اور اگر ضرورت کی وجہ سے گیا مثلاً کھانے کے لیے اُسکے پاس کچھ نہیں تھا اس غرض سے گیا کہ وہاں سے کچھ لے کر لائے تو وظیفہ کا مستحق ہے۔

(فتاوی خانیہ، کتاب الوقف، فصل فی الوقف، ج2، ص321)

فرض حج کی چھٹیوں کا عوض نہیں ملے گا:

سوال: مدرس یا طالب علم اگر فرض حج کے لیے گیا تو کیا وہ غیر حاضریوں کی وجہ سے معزول کیے جانے کا مستحق ہے اور کیا ان دنوں کا وظیفہ ملے گا؟

جواب: مدرس یا طالب علم حجِ فرض کے لیے گیا تو اس غیر حاضری کی وجہ سے معزول کیے جانے کا مستحق نہیں، مگر ان دنوں کی (تنخواہ یا) وظیفہ نہیں ملے گا۔

(درمختار، کتاب الوقف، ج6، ص642)

امام اگر کسی کو نائب بنائے تو تنخواہ کسے ملے گی؟:

سوال: امام نے چند دنوں کے لیے کسی کو اپنا نائب بنا دیا تو جتنے دن اس نائب نے امامت کی اجرت کا مستحق کون ہے؟

جواب: امام نے اگر چند روز کے لیے کسی کو اپنا نائب (قائم مقام) مقرر کر دیا ہے تو یہ اُس کا قائم مقام ہے مگر وقف کی آمدنی (اور چندے) سے اسکو کچھ نہیں دیا جاسکتا کیونکہ امام کی جگہ اِس کا تقرر نہیں ہے اور جو کچھ امام نے اسکے لیے مقرر کیا ہے وہ امام سے لے گا۔

(ردالمحتار، کتاب الوقف، ج6، ص643)

اگر امام یا مؤذن تنخواہ ملنے سے پہلے انتقال کر جائیں:

سوال: امام و مؤذن کی سالانہ تنخواہ مقرر تھی، سال کے دوران ان کا انتقال ہو گیا تو جتنے دن انہوں نے کام کیا ہے اس کے اجرت کے مستحق ہیں؟

جواب: امام و موذن کی سالانہ اجرت مقرر تھی اور سال کے دوران ان کا انتقال ہو گیا تو جتنے دنوں کام کیا ہے اُتنے دنوں کی تنخواہ کے مستحق ہیں انکے ورثہ کو دی جائے۔ اگرچہ اوقاف کی آمدنی آنے سے پہلے انتقال ہو گیا ہو۔ اور مدرس کا انتقال ہو گیا تو جتنے دنوں کام کیا ہے یہ بھی اتنے دنوں کی تنخواہ کا مستحق ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الوقف، فصل یراعی شرط الواقف، ج6، ص638تا640)

امام و مؤذن (اور مدرس) میں سالانہ کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ششماہی یا ماہوار

تنخواہ ہو (جیسا کہ ہمارے ہاں عموماً ماہوار تنخواہ ہوتی ہے سالانہ یا ششماہی اتفاقاً ہوتی ہے) اور درمیان میں انتقال ہو جائے تو اتنے دنوں کی تنخواہ کا مستحق ہے۔

(بہار شریعت، ج10، ص547)

امام کی تنخواہ میں کب اضافہ کیا جا سکتا ہے؟:

سوال: امام کی تنخواہ میں اضافہ کب کیا جا سکتا ہے؟

جواب: وقف سے امام کی جو کچھ تنخواہ مقرر ہے اگر وہ ناکافی ہے تو قاضی اُس میں اضافہ کر سکتا ہے اور اگر اتنی تنخواہ پر دوسرا امام مل رہا ہے مگر یہ امام عالم پرہیزگار ہے اُس سے بہتر ہے جب بھی اضافہ جائز ہے اور اگر ایک امام کی تنخواہ میں اضافہ ہوا اسکے بعد دوسرا امام مقرر ہوا تو اگر امام اول کی تنخواہ کا اضافہ اُسکی ذاتی بزرگی کی وجہ سے تھا جو دوسرے میں نہیں تو دوسرے کے لیے اضافہ جائز نہیں اور اگر وہ اضافہ کسی بزرگی وفضیلت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ضرورت وحاجت کی وجہ سے تھا تو دوسرے کے لیے بھی تنخواہ میں وہی اضافہ ہوگا یہی حکم دوسرے وظیفہ پانے والوں کا بھی ہے کہ ضرورت کی وجہ سے اُنکی تنخواہوں میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ (الدر المختار ورد المحتار، کتاب الوقف، فصل یراعی شرط الواقف، ج6، ص669)

امام کا اجارہ بھی معین ہونا ضروری ہے:

سوال: بعض مساجد میں امام سے اس طرح اجارہ کیا جاتا ہے کہ جُمُعَہ کے دن نمازِ جُمُعَہ میں جمع ہونے والا سارا چندہ آپ کو ملے گا اور اس کے علاوہ ماہانہ اجارہ نہیں دیا جاتا ۔کیا کمیٹی کا اس طرح اجارہ کرنا جائز ہے؟

جواب: اس طرح اجارہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نہ کمیٹی کو معلوم ہے کہ جُمُعَہ میں چندہ کتنا ہوگا (کیونکہ چندہ گھٹتا اور بڑھتا رہتا ہے) اور نہ ہی امام کو چندہ کی مقدار کا علم ہے جبکہ اجارہ میں ضروری ہے کہ عاقدین کو اُجرت کی مقدار معلوم ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((من استأجر أجیرا فلیعلمه أجره)) ترجمہ: جو کسی کو مزدوری پر رکھے اُسے چاہئے کہ اجیر کو اُس کی اُجرت بتا

دے۔

(السنن الکبری للبیھقی، کتاب الاجارة، باب لاتجوز الاجارة حتی تکون معلومة وتکون الاجرة معلومة، ج6، ص198، دارالکتب العلمیة، بیروت)

امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''اگر اجارہ صراحۃً خواہ دلالۃً واقع تو ہُوا یعنی اس نے اُجرت کے لئے امامت کی اور قوم نے بھی اسے اجیر سمجھا مگر تعین اجرت نہ بیان میں آیا نہ قرائن سے واضح ہوا تو اجارہ فاسدہ ہے وہ اُجرت اُس کے حق میں خبیث ہے اُسے تصدق کر دینے کا حکم ہے۔''

(فتاوی رضویہ، ج6، ص639، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

بلاوجہ شرعی امام یا خطیب کو فارغ کرنا گناہ ہے:

سوال: بلاوجہ شرعی امام یا خطیب کو مسجد سے فارغ کر دینا کیسا ہے؟

جواب: بلاوجہ شرعی امام یا خطیب کو امامت یا خطابت سے فارغ کر دینا ناجائز وگناہ ہے۔ فتاوی خیریہ میں ہے ''لایجوز عزل صاحب وظیفة بغیر جنحة'' ترجمہ: کسی صاحبِ وظیفہ کو بغیر جرم کے معزول کرنا جائز نہیں۔

(فتاوی خیریہ، ج1، ص151، دارالمعرفة، بیروت)

ردالمحتار میں ہے: ناظر کو بلا جرم معزول کرنے کے صحیح نہ ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقف میں کسی صاحب وظیفہ کو بلا جرم اور بغیر نااہلی کے معزول کرنا صحیح نہیں۔

(ردالمحتار، ج3، ص386، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ''اگر صحتِ مذہب وقرأت وطہارت میں بقدرِ جوازِ نماز ہیں اور امام وظیفہ پاتا ہے تو بلاقصور پہلے کو معزول کرنا گناہ ہوا کہ بلاوجہ ایذائے مسلم کہ **لایعزل صاحب وظیفة بغیر جنحة** (صاحبِ وظیفہ بغیر جرم معزول نہیں کیا جا سکتا) اور متولی کا کہنا کہ ہماری مسجد ہے ہم جو چاہیں کریں محض باطل ہے، مسجدیں اللہ عزوجل کی ہیں **ان المساجد لله فلاتدعوا مع الله احداً** اس میں وہی کیا جائے گا جو حکمِ شرع ہے۔''

(فتاوی رضویہ، ج6، ص615، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

امام اہل سنت علیہ الرحمہ سے سوال ہوا کہ ''متولی مسجد کو یہ حق حاصل ہے کہ امام مسجد کو بغیر کسی عذرِ شرعی کے خارج کر دے'' تو جواباً ارشاد فرمایا ''بغیر عذرِ شرعی کے امام کو خارج کرنے کا متولی کسی کو حق نہیں۔'' (فتاوی رضویہ، ج16، ص586، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

آپ علیہ الرحمہ ایک مقام پر فرماتے ہیں ''اگر واقع میں امام اول نہ وہابی ہے نہ غیر مقلد نہ دیوبندی نہ کسی قسم کا بدمذہب، نہ اس کی طہارت یا قرأت یا اعمال کی وجہ سے کوئی وجہِ کراہت، تو بلاوجہ اس کو معزول کرنا ممنوع ہے حتی کہ حاکمِ شرع کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا۔ ردالمحتار میں ہے: لیس للقاضی عزل صاحب وظیفة بغیر جنحة''

(فتاوی رضویہ، ج6، ص582، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

صدرالشریعہ بدرالطریقہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ''مقرر کرنے کے بعد اسے کس جرم میں علیحدہ کیا گیا۔۔۔ کمیٹی نے ایسا کیا تو یہ کمیٹی کا صریح ظلم ہے۔۔۔ بلاوجہ شرعی امام مقررہ کو علیحدہ کرنا جائز نہیں۔''

(فتاوی امجدیہ، حصہ1، ص155، 156، مکتبہ رضویہ، کراچی)

فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''بلاوجہ شرعی امامت سے الگ کرنا گناہ ہے یہاں تک کہ حاکمِ شرع کو بھی یہ اختیار نہیں دیا گیا۔''

(فتاوی فیض الرسول، حصہ1، ص271، شبیر برادرز، لاہور)

امام کو معزول کرنے کے اعذار:

سوال: امام کو معزول کرنے کے اعذار کیا ہیں؟

جواب: امام عقائدِ اہل سنت کو ترک کر دے یا برملا شریعت کی خلاف ورزی کرتا ہو یا اس کی قرأت، طہارت وغیرہ ما تجوز بہ الصلوۃ (جس سے نماز ٹھیک ہو جائے) نہ ہو یا اس میں کوئی ایسا عیب پایا جاتا ہو جس سے جماعتِ نماز میں کمی واقع ہو یا کمیٹی کے ایسے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہو جو مسجد سے متعلق ہوں تو اسے فارغ کیا جا سکتا ہے، اس کے علاوہ نہیں نکالا جا سکتا۔ (فتاوی رضویہ تلخیصاً و تسہیلاً، ج16، ص554)

قبرستان کا بیان

قبرستان کے لیے زمین وقف کر سکتے ہیں:

سوال: قبرستان کے لیے زمین وقف کرنے سے وقف ہو جائے گی؟

جواب: جی ہاں! قبرستان کے لیے زمین وقف کی تو وقف صحیح ہے۔

(فتاوی خانیہ، کتاب الوقف، ج2، ص296)

زمین قبرستان کے لیے وقف کرتے ہی واقف کی ملک سے خارج ہو جائے گی:

سوال: قبرستان کے لیے زمین وقف کرنے سے واقف کی ملک سے کب خارج ہوگی؟

جواب: اصح یہ ہے کہ وقف کرنے سے ہی واقف کی ملک سے خارج ہوگئی اگرچہ نہ ابھی مردہ دفن کیا ہو اور نہ اپنے قبضہ سے نکال کر دوسرے کو قبضہ دلایا ہو۔

(فتاوی خانیہ، کتاب الوقف، ج2، ص296)

قبرستان کے لیے زمین وقف کرتے وقت اس میں درخت یا عمارت ہے:

سوال: زمین قبرستان کے لیے وقف کی اور اس میں بڑے بڑے درخت ہیں یا عمارت ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: زمین قبرستان کے لیے وقف کی اور اس میں بڑے بڑے درخت ہیں تو درخت وقف میں داخل نہیں واقف یا اُسکے ورثہ کی ملک ہے۔ یوہیں اُس زمین میں عمارت ہے تو یہ بھی وقف میں داخل نہیں۔

(فتاوی خانیہ، کتاب الوقف، فصل فی المقابر الخ، ج2، ص310)

قبرستان کی ضرورت کے لیے اس کی زمین میں کمرہ بنانا کیسا؟:

سوال: گاؤں والوں نے قبرستان کے لیے زمین وقف کی اور مردے بھی اس میں دفن کیے پھر اسی گاؤں کے کسی شخص نے (تنہا یا بعض دوسرے لوگ بھی اس سے راضی

تھے) اس زمین میں اس لیے کمرہ بنایا کہ تختے وغیرہ قبرستان کے ضروریات اُس میں رکھے جائینگے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب : اگر قبرستان میں وسعت ہے تو کوئی حرج نہیں یعنی جبکہ یہ مکان قبروں پر نہ بنا ہو اور مکان بننے کے بعد اگر اِس زمین کی مردہ دفن کرنے کے لیے ضرورت پڑ گئی تو عمارت اُٹھوا دی جائے۔ (فتاوی خانیه، کتاب الوقف، فصل فی المقابر الخ، ج2، ص310)

وقف شدہ قبرستان میں امیر وغریب سب دفن ہو سکتے ہیں:

سوال : وقف شدہ قبرستان میں صرف غریب لوگ اپنے مردے دفن کر سکتے ہیں یا مالدار بھی دفن کر سکتے ہیں؟

جواب : وقفی قبرستان میں جس طرح غریب لوگ اپنے مردے دفن کر سکتے ہیں، مالدار بھی دفن کر سکتے ہیں فقرا کی تخصیص نہیں۔

(تبیین الحقائق، کتاب الوقف، ج4، ص273)

کفار کے قبرستان کو مسلمانوں کا قبرستان بنانا کیسا؟:

سوال : ایک جگہ پہلے کفار کا پرانا قبرستان تھا، اب مسلمان اس جگہ کو قبرستان بنانا چاہتے ہیں، کیا انہیں اجازت ہے؟

جواب : کفار کا قبرستان ہے اُسے مسلمان اپنا قبرستان بنانا چاہتے ہیں اگر اُن کے نشانات مٹ چکے ہیں ہڈیاں بھی گل گئی ہیں تو حرج نہیں اور اگر ہڈیاں باقی ہیں تو کھود کر پھینک دیں اور اب اسے قبرستان بنا سکتے ہیں۔

(فتاوی ہندیه، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر، ج2، ص469)

مسلمانوں کے پرانے قبرستان کا بھی ادب لازم ہے:

سوال : مسلمانوں کا پرانا قبرستان جس میں قبروں کے نشانات بھی مٹ چکے ہیں، کیا اس کو کسی اور کام کے لیے استعمال کر سکتے ہیں؟

جواب :مسلمانوں کا قبرستان ہے جس میں قبر کے نشان بھی مٹ چکے ہیں ہڈیوں کا بھی پتہ نہیں جب بھی اس کو کھیت بنانا یا اس میں مکان بنانا ناجائز ہے اور اب بھی وہ قبرستان ہی ہے، قبرستان کے تمام آداب بجالائے جائیں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر، ج2، ص470,471)

کسی کی کھودی ہوئی قبر میں دوسرے کا مردہ دفن کرنا کیسا؟:

سوال :قبرستان میں کسی نے اپنے لیے قبر کھودوا رکھی ہے، کیا دوسرے لوگ اس میں اپنا مردہ دفن کر سکتے ہیں؟

جواب:قبرستان میں کسی نے اپنے لیے قبر کھودوا رکھی ہے اگر قبرستان میں جگہ موجود ہے تو دوسرے کو اُس قبر میں دفن کرنا نہ چاہیے اور جگہ موجود نہ ہو تو دوسرے لوگ اپنا مردہ اس میں دفن کر سکتے ہیں۔ بعض لوگ مسجد میں جگہ گھیرنے کے لیے پہلے سے رومال رکھ دیتے ہیں یا مصلّٰی بچھا دیتے ہیں اگر مسجد میں جگہ ہو تو دوسرے کا رومال یا جانماز ہٹا کر بیٹھنا نہ چاہیے اور جگہ نہ ہو تو بیٹھ سکتا ہے۔(فتاوی خانیہ، کتاب الوقف، فصل فی المقابر، ج2، ص310)

کسی کی زمین میں بغیر اجازت مردہ دفن کر دیا:

سوال :کسی کی زمین میں بغیر اجازت مالک اگر کسی نے مردہ دفن کر دیا تو حکم ہے؟

جواب :زمین مملوک میں بغیر اجازت مالک کسی نے مردہ دفن کر دیا تو مالک زمین کو اختیار ہے کہ مردہ کو نکلوا دے یا زمین برابر کر کے کھیتی کرے۔

(فتاوی خانیہ، کتاب الوقف، فصل فی المقابر، ج2، ص310)

قبرستان وغیرہ میں درخت کے احکام

قبرستان کے درختوں کا مالک کون؟:

سوال: قبرستان میں اگر درخت ہوں تو ان کا مالک کون ہے؟

جواب: قبرستان میں کسی نے درخت لگائے تو یہی شخص ان درختوں کا مالک ہے اور درخت خودرو (خود بخود اُگنے والے) ہیں یا معلوم نہیں کس نے لگائے تو قبرستان کے قرار پائیں گے یعنی قاضی کے حکم سے بیچ کر اسی قبرستان کی درستی میں صَرف کیا جائے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر، ج2، ص473,474)

مسجد یا زمین موقوفہ میں کسی نے درخت لگائے تو مالک کون؟:

سوال: مسجد یا زمین موقوفہ میں کسی نے درخت لگائے تو وہ کس کے قرار پائیں گے؟

جواب: مسجد میں کسی نے درخت لگائے تو درخت مسجد کا ہے لگانے والے کا نہیں اور زمین موقوفہ میں کسی نے درخت لگائے اگر یہ شخص اس زمین کی نگرانی کے لیے مقرر ہے یا واقف نے درخت لگایا اور وقف کا مال اس پر صرف کیا یا اپنا ہی مال صرف کیا مگر کہہ دیا کہ وقف کے لیے یہ درخت لگایا تو ان صورتوں میں وقف کا ہے ورنہ لگانے والے کا۔ درخت کاٹ ڈالے جڑیں باقی رہ گئیں اِن جڑوں سے پھر درخت نکل آیا تو یہ اُسی کی مِلک ہے جسکی مِلک میں پہلا تھا۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر، ج2، ص474)

وقف کی زمین کرایہ پر لے کر درخت اُگائے تو مالک کون؟:

سوال: وقف کی زمین کرایہ پر لی، اس میں درخت اُگائے تو وہ کس کے ہوں گے؟

جواب: وقفی زمین کرایہ پر لی اور اس میں درخت بھی لگا دیے تو درخت اِسی کے ہیں اسکے بعد اسکے ورثہ کے اور اجارہ فسخ ہونے پر اس کو اپنا درخت نکال لینا ہوگا۔

(فتاوی خانیہ، کتاب الوقف، فصل فی الاشجار، ج2، ص308)

مسجد کے پھلدار درخت کا پھل نمازی نہیں کھا سکتا:

سوال: مسجد میں پھلدار درخت ہے تو کیا اس کا پھل نمازی کھا سکتے ہیں؟

جواب: مسجد میں انار یا امرود وغیرہ پھلدار درخت ہے نمازیوں کو اسکے پھل کھانا جائز نہیں بلکہ جس نے بویا ہے وہ بھی نہیں کھا سکتا کہ درخت اُسکا نہیں بلکہ مسجد کا ہے، پھل بیچ کر مسجد پر صرف کیا جائے۔

(فتاوی خانیہ، کتاب الوقف، فصل فی الاشجار، ج2، ص308)

مسافر خانہ کا پھل کیا مسافر کھا سکتا ہے؟:

سوال: مسافر خانہ میں پھلدار درخت ہے تو کیا اس کا پھل مسافر کھا سکتے ہیں؟

جواب: مسافر خانہ میں پھلدار درخت ہیں، اگر ایسے درخت ہوں جن کے پھلوں کی قیمت نہیں ہوتی تو مسافر کھا سکتے ہیں اور قیمت والے پھل ہوں تو احتیاط یہ ہے کہ نہ کھائے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر، ج2، ص474)

یہ سب اُس صورت میں ہے کہ معلوم نہ ہو کہ درخت لگانے والے کی کیا نیت تھی یا معلوم ہو کہ مسافر خانہ کے لیے لگایا ہے اور اگر معلوم ہو کہ عام مسلمانوں کے کھانے کے لیے لگایا ہے تو جس کا جی چاہے کھالے۔ (الدرالمختار، کتاب الوقف، ج6، ص664)

وقف کے مکان میں موجود درخت کا پھل کرایہ دار کے کھانا کیسا؟:

سوال: وقف کا مکان کسی نے کرایہ پر لیا ہوا ہے، اس میں پھلدار درخت ہے، تو کیا وہ اس کا پھل کھا سکتا ہے؟

جواب: وقفی مکان میں پھلدار درخت ہو تو کرایہ دار کو اُسکے پھل کھانا جائز نہیں جبکہ وقف کے لیے درخت لگائے ہوں یا درخت لگانے والے کی نیت معلوم نہ ہو۔

(البحرالرائق، کتاب الوقف، ج5، ص341)

سڑک اور گزرگاہ پر موجود درخت کے پھل کا حکم:

سوال : سڑک اور گزرگاہ پر درخت اس لیے لگائے گئے کہ راگیر اِس سے فائدہ اُٹھائیں تو کیا لوگ ان کا پھل کھا سکتے ہیں؟

جواب : سڑک اور گزرگاہ پر درخت اس لیے لگائے گئے کہ راگیر اِس سے فائدہ اُٹھائیں تو یہ لوگ انکے پھل کھا سکتے ہیں۔ اور امیر وغریب دونوں کھا سکتے ہیں۔

(فتاوی خانیہ، کتاب الوقف، فصل فی الاشجار، ج2، ص308)

کوئیں اور سبیل کے پانی کا حکم:

سوال: کوئیں اور سبیل کے پانی کا کیا حکم ہے؟

جواب: کوئیں کے پانی کی روک ٹوک نہیں خود بھی پی سکتے ہیں جانور کو بھی پلا سکتے ہیں، پانی پینے کے لیے سبیل لگائی ہے تو اِس سے وضو نہیں کر سکتے اگر چہ کتنا ہی زیادہ ہو اور وضو کے لیے وقف ہو تو اُسے پی نہیں سکتے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر، ج2، ص465)

تولیت کا بیان

کہے مجھے متولی بناؤ:

سوال: جو کہے مجھے متولی بناؤ، اسے متولی بنانا چاہیے یا نہیں؟

جواب: جو شخص اوقاف کی تولیت کی درخواست کرے ایسے کو متولی نہیں بنانا چاہیے۔ (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی، ج6، ص584)

متولی کسے بنایا جائے:

سوال: متولی کس کو بنانا چاہیے؟

جواب: اور متولی ایسے کو مقرر کرنا چاہیے جو امانت دار ہو اور وقف کے کام کرنے پر قادر ہو خواہ خود ہی کام کرے یا اپنے نائب سے کرائے اور متولی ہونے کے لیے عاقل بالغ ہونا شرط ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی، ج6، ص584)

سوال: متولی کن خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے؟

جواب: متولی میں درج ذیل خصوصیات ہونی چاہیں: (1) سنی صحیح العقیدہ ہو (2) دیانت دار ہو (3) کام کرنے والا ہونا (4) ہوشیار سمجھدار ہو (5) وقف کی حفاظت کرنے والا (6) وقف کا خیر خواہ (7) فاسق نہ ہو (8) لالچی نہ ہو (9) لاپرواہ نہ ہو (10) لہو لعب میں مشغول رہنے والا نہ ہو (11) بدعقل نہ ہو (12) کام کرنے سے عاجز نہ ہو (13) سست و کاہل نہ ہو۔

یہ تمام خصوصیات اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل عبارت سے مستفاد ہیں:

لائق وہ ہے کہ دیانت کار گزار ہوشیار ہو جس پر در بارہ حفاظت و خیر خواہی وقف اطمینان کافی ہو، فاسق نہ ہو جس سے بطمع نفسانی یا بے پروائی یا ناحفاظتی یا انہماک لہو ولعب وقف کو ضرر پہنچانے یا پہنچنے کا اندیشہ ہو بدعقل یا عاجز یا کاہل نہ ہو کہ اپنی حماقت یا نادانی یا کام نہ کر سکنے یا محنت سے بچنے کے باعث وقف کو خراب کرے، فاسق اگر چہ کیسا ہی ہوشیار

کارگزار مالدار ہو ہرگز لائق تولیت نہیں کہ جب وہ نافرمانی شرع کی پروانہیں رکھتا کسی کاردینی میں اس پر کیا اطمینان ہوسکتا ہے، ولہذا حکم ہے کہ اگر خود واقف فسق کرے واجب ہے کہ وقف اس کے قبضہ سے نکال لیا جائے اور کسی امین متدین کو سپرد کیا جائے پھر دوسرا تو دوسرا ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج16، ص557)

متولی مقرر کرنے کا حق کسے ہے؟:

سوال: متولی مقرر کرنے کا حق کسے ہے؟

جواب: وقف نامہ میں تولیت کے متعلق کچھ مذکور نہیں تو تولیت کا حق واقف کو ہے خود بھی متولی ہوسکتا ہے اور دوسرے کو بھی کرسکتا ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الخامس، ج2، ص408)

متولی مرگیا اور واقف زندہ ہے تو دوسرا متولی خود واقف ہی مقرر کریگا اور واقف بھی مرچکا ہے تو اُس کا وصی مقرر کریگا اور وصی بھی نہ ہو تو اب قاضی کا کام ہے، یہ اپنی رائے سے مقرر کرے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الخامس، ج2، ص411)

متولی کو کب معزول کرنا واجب ہے:

سوال: متولی کو کب معزول کرنا واجب ہے؟

جواب: متولی اگر امین نہ ہو خیانت کرتا ہو یا کام کرنے سے عاجز ہے یا علانیہ شراب پیتا جوا کھیلتا یا کوئی دوسرا فسق علانیہ کرتا ہو یا اسے کیمیا بنانے کی دُھت (تانبے کو سونا بنانے کی عادت) ہو تو اُسکو معزول کردینا واجب ہے کہ اگر قاضی نے اُسکو معزول نہ کیا تو قاضی بھی گنہگار ہے اور جس میں یہ صفات پائے جاتے ہوں، اُسکو متولی بنانا بھی گناہ ہے۔

(درمختار، کتاب الوقف، ج6، ص583)

وقف کے کسی حصے کو فروخت کرنے والا متولی خائن ہے:

سوال: اگر متولی نے وقف کے کسی جز کو فروخت کردیا یا رہن رکھ دیا تو کیا حکم

ہے؟

جواب: وقف کے کسی جز کو بیع یا رہن کر دینا خیانت ہے۔ ایسے متولی کو معزول
کر دیا جائے گا۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الخامس، ج2، ص413)

واقف خود متولی ہے تو اس میں بھی متولی کی صفات کا ہونا ضروری ہے:

سوال: واقف نے اپنے آپ ہی کو متولی کر رکھا ہے تو کیا اس میں بھی اُن
صفات کا ہونا ضروری ہے، جو دوسرے متولی میں ضروری ہیں؟

جواب: واقف نے اپنے ہی کو متولی کر رکھا ہے تو اس میں بھی اُن صفات کا ہونا
ضروری ہے، جو دوسرے متولی میں ضروری ہیں یعنی جن وجوہ سے متولی کو معزول کر دیا جاتا
ہے اگر وہ وجوہ خود اس میں پائی جائیں تو اسے بھی معزول کر دینا ضرور ہوگا اس بات کا خیال
ہرگز نہیں کیا جائے گا کہ یہ تو خود ہی واقف ہے۔ (درمختار، کتاب الوقف، ج6، ص582)

اگر متولی واقف ہی کیوں نہ ہو معزول کر دیں گے:

سوال: واقف نے اپنے آپ ہی کو متولی کیا ہے اور وقف نامہ میں یہ شرط لکھ
دی ہے کہ "مجھے اس کی تولیت سے جدا نہیں کیا جا سکتا یا مجھے قاضی یا بادشاہ اسلام بھی معزول
نہیں کر سکتے" اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: واقف نے اپنے ہی کو متولی کیا ہے اور وقف نامہ میں یہ شرط لکھ دی
ہے کہ "مجھے اس کی تولیت سے جدا نہیں کیا جا سکتا یا مجھے قاضی یا بادشاہ اسلام بھی معزول
نہیں کر سکتے" اِس شرط کی پابندی نہیں کی جا سکتی اگر خیانت وغیرہ وہ امور ظاہر ہوئے جن
سے متولی معزول کر دیا جاتا ہے تو یہ بھی معزول کر دیا جائے گا۔ یونہیں واقف نے دوسرے کو
متولی کیا ہے اور یہ شرط کر دی ہے کہ اسے میں معزول نہیں کر سکتا تو یہ شرط بھی باطل ہے۔
یونہیں ایک شخص نے دوسرے کو وصی کیا ہے اور شرط کر دی ہے کہ وصی یہی رہے گا اگرچہ
خیانت کرے تو اس وصی کو خیانت ظاہر ہونے پر معزول کر دیا جائیگا۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الخامس، ج2، ص409)

عورت اور نابینا بھی متولی ہو سکتے ہیں:

سوال: کیا عوت کو متولی کر سکتے ہیں؟ اسی طرح نابینا کو؟

جواب: جی ہاں عورت کو بھی متولی کر سکتے ہیں اور نابینا کو بھی۔

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی، ج6، ص584)

اولاد میں سے ہوشیار اور نیکوکار کی شرط کی تو کسے بنائیں گے:

سوال: واقف نے یہ شرط کی کہ وقف کا متولی میری اولاد میں سے اُسکو کیا جائے، جو سب میں ہوشیار نیکوکار ہو تو کسے بنائیں گے؟

جواب: واقف نے یہ شرط کی ہے کہ وقف کا متولی میری اولاد میں سے اُسکو کیا جائے، جو سب میں ہوشیار نیکوکار ہو تو اِس شرط کو لحاظ رکھتے ہوئے متولی مقرر کیا جائے اسکے خلاف متولی کرنا صحیح نہیں۔

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فیماشاع فی زماننا من تفویض الخ، ج6، ص585)

صورتِ مذکورہ میں اُسکی اولاد میں جو سب میں بہتر تھا وہ فاسق ہو گیا تو متولی وہ ہوگا جو اُسکے بعد سب میں بہتر ہے۔ یوہیں اگر اُس افضل نے تولیت سے انکار کردیا تو جو اُسکے بعد بہتر ہے وہ متولی ہوگا۔ اور اگر سب ہی اچھے ہوں تو جو بڑا ہے وہ ہوگا۔ اگرچہ وہ عورت ہو اور اگر اُسکی اولاد میں سب نااہل ہوں تو کسی اجنبی کو قاضی متولی مقرر کریگا اُس وقت تک کے لیے کہ ان میں کا کوئی اہل ہو جائے۔ (البحرالرائق، کتاب الوقف، ج5، ص387)

ایک زیادہ پرہیزگار ہے اور دوسرا زیادہ ہوشیار تو کسے بنائیں گے:

سوال: اگر ایک زیادہ پرہیزگار ہے دوسرا کم مگر یہ دوسرا وقف کے کام کو پہلے کی بہ نسبت زیادہ جانتا ہو تو کس کو متولی کیا جائے؟

جواب: اگر ایک زیادہ پرہیزگار ہے دوسرا کم مگر یہ دوسرا وقف کے کام کو پہلے کی بہ نسبت زیادہ جانتا ہو تو اسی کو متولی کیا جائے جب کہ اس کی طرف سے خیانت کا اندیشہ

ہو۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الخامس،ج2،ص411)

جس کے لیے تولیت کی وصیت کی وہ نابالغ ہے تو کیا کریں گے؟:

سوال :اگر واقف نے وصیت کی کہ میرے بعد میرا لڑکا متولی ہوگا، واقف مرگیا اور اس کا لڑکا ابھی نابالغ ہے، تو کیا حکم ہے؟

جواب :واقف نے وصیت کی کہ میرے بعد میرا لڑکا متولی ہوگا اور واقف کے مرنے کے وقت لڑکا نابالغ ہے تو جب تک نابالغ ہے دوسرے شخص کو متولی کیا جائے اور بالغ ہونے پر لڑکے کو تولیت دی جائے گی۔

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی،ج6،ص584)

جس کو واقف نے متولی کیا قاضی اسے بلاوجہ معزول نہیں کرسکتا:

سوال:واقف نے جس کو متولی کیا ہے، کیا قاضی اسے معزول کرسکتا ہے؟

جواب :واقف نے جس کو متولی کیا ہے وہ جب تک خیانت نہ کرے قاضی معزول نہیں کرسکتا اور بلاوجہ معزول کر کے قاضی نے دوسرے کو اُسکی جگہ متولی کردیا تو دوسرا متولی نہیں ہوگا کہ وہ پہلا بدستور متولی ہے۔اور قاضی نے متولی مقرر کیا ہو تو بغیر خیانت بھی اسے معزول کیا جاسکتا ہے۔

(اور صورت مذکورہ میں) واقف کو اختیار ہے متولی کو مطلقاً جدا کرسکتا ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی عزل الناظر،ج6،ص586)

واقف کو اختیار ہے کہ متولی کو معزول کر کے دوسرا متولی مقرر کردے یا خود اپنے آپ متولی بن جائے۔ (فتح القدیر، کتاب الوقف،ج5،ص424)

جس کو قاضی نے متولی مقرر کیا واقف اس کو معزول نہیں کرسکتا:

سوال:اگر قاضی نے متولی مقرر کیا تو کیا واقف اسے معزول کرسکتا ہے؟

جواب :واقف نے کسی کو متولی نہیں کیا ہے اور قاضی نے مقرر کردیا تو واقف اب اس کو جُدا نہیں کرسکتا۔ (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی عزل الناظر،ج6،ص586)

ایک وقف کے دو متولی:

سوال :ایک وقف کے متعلق دو وقف نامے ملے،ایک میں ایک شخص کو متولی لکھا ہے اور دوسرے میں دوسرے شخص کو، تو کیا حکم ہے؟

جواب :ایک وقف کے متعلق دو وقف نامے ملے ایک میں ایک شخص کو متولی بنانا لکھا ہے اور دوسرے میں دوسرے شخص کو اگر دونوں کی تاریخیں بھی آگے پیچھے ہیں جب بھی یہ دونوں اُس وقف کے متولی ہیں شرکت میں کام کریں۔

(درمختار، کتاب الوقف،ج6،ص 647)

سوال:اگر دو متولی ہوں تو کیا ایک تنہا وقف میں تصرف کر سکتا ہے؟

جواب :دو شخصوں کو متولی کیا تو ان میں تنہا ایک شخص وقف میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا جتنے کام ہونگے وہ دونوں کی مجموعی رائے سے انجام پائیں گے اور اِن میں سے اگر ایک نے کوئی کام کر لیا اور دوسرے نے اُسے جائز کر دیا ایک نے دوسرے کو وکیل کر دیا اور اس نے اُس کام کو انجام دیا تو جائز ہے کہ دونوں کی شرکت ہوگئی۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف،الباب الخامس،ج2،ص410)

واقف کے خاندان والوں کو تولیت میں ترجیح دی جائے گی:

سوال :واقف کے خاندان والے موجود ہوں، تو کیا انہیں تولیت میں ترجیح دی جائے گی؟

جواب :واقف کے خاندان والے موجود ہوں اور اہلیت بھی رکھتے ہوں تو انھیں کو متولی کیا جائے اور اگر یہ لوگ نا اہل تھے اور دوسرے کو متولی کر دیا گیا اسکے بعد اُن میں کوئی تولیت کے لائق ہوگیا تو اس کی طرف تولیت منتقل ہو جائے گی اور اگر خاندان والے اس خدمت کو مفت نہیں کرنا چاہتے اور غیر شخص مفت کرنے کو تیار ہے تو قاضی وہ کرے جو وقف کے لیے بہتر ہو۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف،الباب الخامس،ج2،ص412)

یہ اُس صورت میں ہے کہ واقف نے اپنے خاندان کے لیے تولیت مخصوص نہ کی

ہو اور اگر مخصوص کر دی تو دوسرے کو متولی نہیں بنا سکتے مگر اُس صورت میں کہ خاندان والوں میں کوئی امین نہ ملتا ہو۔ (بہار شریعت، حصہ 10، ص 580)

متولی کا دوسرے کو متولی بنانا:

سوال: متولی کسی دوسرے کو اپنی جگہ متولی بنا سکتا ہے؟

جواب: متولی اپنی حیات وصحت میں دوسرے کو اپنا قائم مقام کرنا چاہتا ہے یہ جائز نہیں مگر جب کہ عموماً تمام اختیارات اُسے سپرد ہوں (یعنی آگے متولی بنانے کا اختیار اسے ہو) تو یہ کر سکتا ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الخامس، ج 2، ص 412)

ہاں متولی کو یہ اختیار ہے کہ مرتے وقت دوسرے کے لیے تولیت کی وصیت کر جائے اور یہ دوسرا اُسکے بعد متولی ہوگا۔

(فتح القدیر، کتاب الوقف، الفصل الاول فی المتولی، ج 5، ص 450)

اہل محلہ کا متولی بنانا:

سوال: متولی مسجد کا انتقال ہو گیا اہل محلہ نے اپنی رائے سے بغیر اجازت قاضی کسی کو متولی مقرر کیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: متولی مسجد کا انتقال ہو گیا اہل محلہ نے اپنی رائے سے بغیر اجازت قاضی کسی کو متولی مقرر کیا تو اصح یہ ہے کہ یہ شخص متولی نہیں کہ متولی مقرر کرنا قاضی کا کام ہے۔ (فتح القدیر، کتاب الوقف، الفصل الاول فی المتولی، ج 5، ص 450)

ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم سلطنت اسلام کے لیے ہے جہاں قاضی ہوتے ہیں اور وہ ان امور کو انجام دیتے ہیں اور چونکہ اس وقت ہندوستان میں نہ تو قاضی ہے نہ اسلامی سلطنت ایسی حالت میں اگر اہل محلہ کا متولی مقرر کرنا صحیح نہ ہو تو اوقاف بغیر متولی رہ کر ضائع ہو جائیں گے، لہٰذا یہاں کی ضرورتوں کا خیال کرتے ہوئے دوسرے قول پر جس کو غیر اصح کہا جاتا ہے فتویٰ دینا چاہیے یعنی اہل محلہ کا متولی مقرر کرنا جائز ہے اور جسے یہ لوگ مقرر کریں گے وہ جائز متولی ہوگا اور اُس کے تصرفات مثلاً کرایہ وغیرہ پر دینا پھر اُن کو ضرورت

میں صرف کرنا سب جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (بہار شریعت، حصہ10، ص581)

متولی کی اجرت اجرتِ مثل تک کی جاسکتی ہے:

سوال: واقف نے متولی کے لیے حقِ تولیت جو کچھ مقرر کیا ہے اگر وہ کم ہے تو زیادہ کیا جاسکتا ہے؟

جواب: واقف نے متولی کے لیے حقِ تولیت جو کچھ مقرر کیا ہے اگر بلحاظ خدمت وہ کم مقدار ہے تو قاضی اُجرتِ مثل تک اضافہ کرسکتا ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب المراد من العشر الخ، ج6، ص669)

متولی وقف کے لیے ملازم رکھ سکتا ہے:

سوال: متولی وقف کے لیے ملازم رکھ سکتا ہے؟

جواب: متولی وقف کے کام کے لیے ملازم نوکر رکھ سکتا ہے اور ان کی تنخواہ دے سکتا ہے اور اُن کو موقوف کر کے اُن کی جگہ دوسرے رکھ سکتا ہے۔

(فتح القدیر، کتاب الوقف، الفصل الاول فی المتولی، ج5، ص450)

متولی اپنی اولاد کو وقف کا اجیر نہیں رکھ سکتا:

سوال: کیا متولی اپنی اولاد میں سے کسی کو وقف کا اجیر رکھ سکتا ہے؟

جواب: متولی نے اپنی اولاد یا اپنے باپ دادا کے ہاتھ وقف کی کوئی چیز بیچ کی یا ان کو نوکر رکھا یا اُجرت پر ان سے کام کرایا یہ سب ناجائز ہے۔

(درمختار، کتاب الوقف، ج6، ص699)

موقوفہ زمین مکان بنا کر کرایہ پر دے یا فصل اُگائے؟:

سوال: جس زمین کی آمدنی وقف ہے متولی اس میں مکان بنا کر کرایہ پر دے یا فصل اُگائے؟

جواب: اگر وقفی زمین شہر سے متصل ہو اور دیکھتا ہے کہ مکانات بنوانے میں

آمدنی زیادہ ہوگی اور کھیت رکھنے میں آمدنی کم ہے تو مکانات بنوا کر کرایہ پر دے سکتا ہے اور اگر مکانات میں بھی اتنا ہی نفع ہو جتنا کھیت رکھنے میں تو مکان بنوانے کی اجازت نہیں۔

(فتح القدیر، کتاب الوقف، الفصل الاول فی المتولی، ج5، ص451)

وقف کی زمین میں کسی نے مکان بنادیا تو وہ مکان کس کا ہوگا؟:

سوال: وقف کی زمین میں کسی نے مکان بنایا تو وہ مکان کس کا ہے؟

جواب: وقفی زمین میں متولی نے مکان بنایا چاہے وقف کے روپے سے بنایا یا اپنے روپے سے بنایا مگر وقف کے لیے بنایا یا کچھ نیت نہیں کی اِن صورتوں میں وہ وقف کا مکان ہے اور اگر اپنے روپے سے بنایا اور اپنے ہی لیے بنایا اور اس پر گواہ بھی کر لیا تو خود اس کا ہے اور دوسرا شخص بناتا اور کچھ نیت نہ کرتا جب بھی اُسی کا ہوتا۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الخامس، ج2، ص416،415)

متولی کا وقف پر ادھار پیسے خرچ کرنے کا حکم:

سوال: متولی نے وقف کی مرمت وغیرہ میں اپنا ذاتی روپیہ صرف کر دیا اور یہ شرط کر لی تھی کہ واپس لے لوں گا تو کیا حکم ہے؟

جواب: متولی نے وقف کی مرمت وغیرہ میں اپنا ذاتی روپیہ صرف کر دیا اور یہ شرط کر لی تھی کہ واپس لے لوں گا تو واپس لے سکتا ہے اور اگر وقف کا روپیہ اپنے کام میں صرف کر دیا پھر اُتنا ہی اپنے پاس سے وقف میں خرچ کر دیا تو تاوان سے بری ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الخامس، ج2، ص416)

مگر ایسا کرنا جائز نہیں اور اگر وقف کے روپے اپنے روپے میں ملا دیے تو کل کا تاوان دے۔

(بہارِ شریعت، حصہ10، ص584)

متولی نے مزدوروں کے ساتھ مل کر کام کیا تو اسے اجرت نہیں ملے گی:

سوال: متولی نے مزدوروں کے ساتھ مل کر کام کیا تو وہ اس کی اجرت لے سکتا ہے؟

جواب: متولی نے اگر مزدوروں کے ساتھ وہ کام کیا جو مزدور کرتے ہیں اور اسکے فرائض سے یہ کام نہ تھا تو اسکی اُجرت متولی نہیں لے سکتا۔

(البحرالرائق، کتاب الوقف، ج5، ص409)

متولی اندھا بہرا گونگا ہو گیا تو کیا حکم ہے:

سوال: متولی اگر اندھا بہرا گونگا ہو گیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: متولی اگر اندھا بہرا گونگا ہو گیا مگر اِس قابل ہے کہ لوگوں سے کام لے سکتا ہے تو حق تولیت ملے گا ورنہ نہیں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الخامس، ج2، ص425)

متولی پاگل ہو گیا تو کیا حکم ہے:

سوال: متولی پاگل ہو گیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: متولی کو جنون مطبق ہو گیا یعنی ایک سال جنون کو گزر گیا تو تولیت سے علیحدہ کر دیا جائے اور اگر یہ شخص اچھا ہو گیا اور کام کے لائق ہو گیا تو اسے تولیت پر مامور کیا جا سکتا ہے۔ (فتح القدیر، کتاب الوقف، الفصل الاول فی المتولی، ج5، ص451)

متولی پر لوگوں نے خیانت کا الزام لگایا تو کیا کریں گے؟:

سوال: متولی پر کسی نے طعن کیا کہ خائن ہے تو کیا حکم ہے؟

جواب: متولی پر کسی نے طعن کیا کہ مثلاً خائن ہے تو فقط لوگوں کے کہہ دینے سے اُس کا حق تولیت باطل نہیں ہوگا اور نہ اُسے تولیت سے جدا کیا جائے گا بلکہ واقع میں خیانت ثابت ہو جائے تو برطرف کیا جائے گا۔ اور حق بھی بند ہو جائے گا اور اگر پھر اُسکی حالت درست و قابل اطمینان ہو جائے تو پھر اُسے متولی کر دیا جائے اور حق تولیت بھی دیا جائے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الخامس، ج2، ص425)

کن لوگوں پر وقف درست ہے اور کن پر نہیں

موقوف علیہم (جن پر وقف کیا) ان کے اعتبار سے وقف کی اقسام:

سوال: وقف کتنی قسم کا ہوتا ہے؟

جواب: وقف تین طرح ہوتا ہے صرف فقرا کے لیے وقف ہو مثلاً اس جائداد کی آمدنی خیرات کی جاتی رہے یا اغنیاء کے لیے پھر فقرا کے لیے۔ مثلاً نسلاً بعد نسل اپنی اولاد پر وقف کیا اور یہ ذکر کر دیا کہ اگر میری اولاد میں کوئی نہ رہے تو اسکی آمدنی فقرا پر صرف کی جائے یا اغنیا وفقرا دونوں کے لیے جیسے کوآں، سرائے، مسافر خانہ، قبرستان، پانی پلانے کی سبیل، پل، مسجد کہ ان چیزوں میں عرفاً فقرا کی تخصیص نہیں ہوتی، لہٰذا اگر اغنیا کی تصریح نہ کرے جب بھی ان چیزوں سے اغنیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اور ہسپتال پر جائداد وقف کی کہ اسکی آمدنی سے مریضوں کو دوائیں دی جائیں تو اس دوا کو اغنیا اس وقت استعمال کر سکتے ہیں جب واقف نے تعمیم کر دی ہو کہ جو بیمار آئے اُسے دوا دی جائے یا اغنیا کی تصریح کر دی ہو کہ امیر وغریب دونوں کو دوائیں دی جائیں۔ (درمختار، کتاب الوقف، ج6، ص610،611)

صرف اغنیا پر وقف درست نہیں:

سوال: کیا صرف اغنیا پر وقف ہو سکتا ہے؟

جواب: صرف اغنیا پر وقف جائز نہیں ہاں اگر اغنیا پر ہو انکے بعد فقرا پر اور جن اغنیا پر وقف کیا جائے ان کی تعداد معلوم ہو تو جائز ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الثالث فی المصارف، الفصل الاول، ج2، ص369)

مسافروں پر وقف:

سوال: اگر مسافروں پر وقف کیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: مسافروں پر وقف کیا یعنی وقف کی آمدنی مسافروں پر صرف ہو یہ وقف جائز ہے اور اسکے مستحق وہی مسافر ہیں جو فقیر ہوں جو مسافر مالدار ہوں وہ حقدار نہیں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الثالث فی المصارف، الفصل الاول، ج2، ص369)

امورِ خیر پر وقف:

سوال: اگر امور خیر پر وقف کیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر امور خیر کے لیے وقف کیا اور یہ کہا کہ آمدنی سے پانی کی سبیل لگائی جائے یا لڑکیوں اور یتامیٰ کی شادی کا سامان کردیا جائے یا کپڑے خرید کر فقیروں کو دیے جائیں یا ہر سال آمدنی صدقہ کردی جائے یا زمین وقف کی کہ اسکی آمدنی جہاد میں صرف کی جائے یا مجاہدین کا سامان کردیا جائے یا مُردوں کے کفن دفن میں صرف کی جائے یہ سب صورتیں جائز ہیں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الثالث فی المصارف، الفصل الاول، ج2، ص369)

سڑک اور پل کے لیے زمین وقف کرنا:

سوال: راستہ، سڑک اور پل کے لیے وقف کرسکتے ہیں؟

جواب: زمین خرید کر راستہ کے لیے وقف کردی کہ لوگ چلیں گے یا سڑک بنوادی یہ وقف صحیح ہے۔ اُس کے ورثہ دعوٰی نہیں کرسکتے۔ یوہیں پل بنا کر وقف کیا تو یہ پل کی عمارت وقف ہے۔

(فتاوی خانیہ، کتاب الوقف، ج2، ص299)

اولاد پر یا اپنی ذات پر وقف کا بیان

اپنے اوپر اور اپنی اولاد کے اوپر وقف کرنے کی صورت:

سوال: کیا اپنے اوپر اور اپنی اولاد کے اوپر وقف کر سکتے ہیں؟ اور اس کی کیا صورت ہے؟

جواب: جی ہاں! اپنے اور اپنی اولاد پر وقف کر سکتے ہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ یوں کہے کہ اس جائیداد کو میں نے اپنے اوپر وقف کیا میرے بعد اس کی آمدنی فقراء پر خرچ ہوگی، اسی طرح یہ جائیداد میری اولاد پر وقف ہے وہ نہ رہے تو فقراء پر۔ فتاوی ہندیہ میں ہے: یوں کہا کہ اِس جائیداد کو میں نے اپنے اوپر وقف کیا میرے بعد فلاں پر اُسکے بعد فقراء پر یہ وقف جائز ہے۔ یو ہیں اپنی اولاد یا نسل پر بھی وقف کرنا جائز ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الثالث فی المصارف، الفصل الاول، ج2، ص371)

اولاد پر وقف کیا تو اسے ملے گا جو آمدنی کے وقت موجود ہو:

سوال: جو اولاد وقف کے وقت موجود نہ ہو مگر آمدنی کے وقت موجود ہو تو کیا اسے حصہ ملے گا؟

جواب: اپنی اولاد پر وقف کیا انکے بعد مساکین وفقراء پر تو جو اولاد آمدنی کے وقت موجود ہے اگرچہ وقف کے وقت موجود نہ تھی اُسے حصہ ملے گا اور جو وقف کے وقت موجود تھی اور اب مر چکی ہے اُسے حصہ نہیں ملے گا۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الثالث فی المصارف، الفصل الاول، ج2، ص371)

غیر موجود اولاد پر وقف درست ہے:

سوال: اولاد نہیں ہے اور اولاد پر یوں وقف کیا کہ جو میری اولاد پیدا ہو وہ آمدنی کی مستحق ہے، کیا یہ وقف درست ہے؟

جواب: اولاد نہیں ہے اور اولاد پر یوں وقف کیا کہ جو میری اولاد پیدا ہو وہ

آمدنی کی مستحق ہے یہ وقف صحیح ہے اور اِس صورت میں جب تک اولاد پیدا نہ ہو وقف کی جو کچھ آمدنی ہوگی مساکین پر صرف ہوگی اور جب اولاد پیدا ہوگی تو اب جو کچھ آمدنی ہوگی اس کو ملے گی۔ (فتاوی خانیہ، کتاب الوقف، فصل فی الوقف علی الاولاد، ج 2، ص 316)

اولاد پر وقف کیا تو کون اس میں شامل ہوگا؟:

سوال: اولاد پر وقف کیا تو کون کون شامل ہوگا اور صرف لڑکوں یا صرف لڑکیوں پر وقف کیا تو کون شامل ہوگا؟

جواب: اولاد پر وقف کیا تو لڑکے اور لڑکیاں اور خنثیٰ (ہیجڑا) سب اس میں داخل ہیں اور لڑکوں پر وقف کیا تو لڑکیاں اور خنثیٰ داخل نہیں اور لڑکیوں پر وقف کیا تو لڑکے اور خنثیٰ داخل نہیں اور یوں کہا کہ لڑکے اور لڑکیوں پر وقف کیا تو خنثیٰ داخل ہے کہ وہ حقیقۃً لڑکا ہے یا لڑکی اگرچہ ظاہر میں کوئی جانب متعین نہ ہو۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الثالث فی المصارف، الفصل الاول، ج 2، ص 371)

عالم اولاد پر وقف کیا تو غیر عالم کو نہیں ملے گا:

سوال: اگر اولاد میں جو عالم ہو اس پر وقف کیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: اپنی اولاد میں جو عالم ہو اُس پر وقف کیا تو غیر عالم کو نہیں ملے گا اور فرض کرو چھوٹا بچہ چھوڑ کر مر گیا جو بعد میں عالم ہو گیا تو جب تک عالم نہیں ہوا ہے اسے نہیں ملے گا۔ اور نہ اس زمانہ کی آمدنی کا حصہ اسکے لیے جمع رکھا جائے گا بلکہ اب سے حصہ پانے کا مستحق ہوگا۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الثالث فی المصارف، الفصل الثانی، ج 2، ص 373)

یہ شرط لگائی کہ جو کوئی مذہب حنفی سے عدول کرے وہ وقف سے خارج ہے:

سوال: اپنی جائداد اولاد پر وقف کی اور یہ شرط کردی کہ جو کوئی مذہب امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منتقل ہو جائے گا وہ وقف سے خارج ہوگا تو کیا حکم ہے اور اسی طرح یہ شرط رکھی کہ جو کوئی اہلسنت سے نکلے گا وقف سے خارج ہو جائے گا تو کیا حکم

ہے؟

جواب :اپنی جائداداولاد پر وقف کی اور یہ شرط کر دی کہ جو کوئی مذہب امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منتقل ہو جائے گا وہ وقف سے خارج ہوگا تو اس شرط کی پابندی ہوگی اور فرض کرو ایک نے دوسرے پر دعوے کیا کہ اس نے مذہب حنفی سے خروج کیا اور مدعیٰ علیہ انکار کرتا ہے تو مدعی (جس نے دعوی کیا ہے اس) کو گواہوں سے ثابت کرنا ہوگا اور گواہوں سے ثابت نہ کر سکے تو مدعیٰ علیہ (جس پر دعوی کیا ہے اس) کا قول معتبر ہے اور اگر یہ شرط ہے کہ جو مذہب اہلسنت سے خارج ہو وہ وقف سے خارج اور اُن میں کوئی رافضی، خارجی، وہابی وغیرہ ہو گیا تو وقف سے نکل گیا۔ یوہیں اگر کھلم کھلا مرتد ہو گیا جب بھی خارج ہے۔ اگر توبہ کر کے پھر مذہب اہلسنّت کو قبول کیا تو اب بھی وقف سے محروم ہی رہے گا ہاں اگر واقف نے یہ شرط کر دی ہو کہ اگر تائب ہو کر مذہب اہلسنّت کو قبول کرے تو وقف کی آمدنی کا مستحق ہو جائے گا تو اب اسے ملے گا۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف،الباب الرابع،ج2،ص406)

اولاد کی اولاد پر وقف کیا تو اس کا حکم:

سوال:اگر اولاد اور اولاد کی اولاد پر وقف کیا تو کیا حکم ہے؟

جواب :اولاد اور اولاد کی اولاد پر وقف کیا تو صرف دو ہی پشت تک کی اولاد حقدار ہے پوتے کی اولاد مستحق نہیں اور اس میں بھی بیٹی کی اولاد یعنی نواسے نواسیوں کا حق نہیں اور اگر یوں کہا کہ اولاد پھر اولاد کی اولاد پھر انکی اولاد یعنی تین پشتیں ذکر کر دیں تو یہ ایسا ہی ہے جیسے نسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بطن کہتا کہ جب تک سلسلہ اولاد میں کوئی باقی رہے گا حقدار ہے اور نسل منقطع ہو جائے تو فقرا کو ملے گا۔

(فتاوی خانیہ، کتاب الوقف،فصل فی الوقف علی الاولاد،ج2،ص313)

صحت میں فقرا پر وقف کیا تو واقف کے فقیر ورثہ کو دینا بہتر ہے:

سوال:اپنی صحت میں فقرا پر وقف کیا اور واقف کے ورثہ فقیر ہیں تو کیا انہیں دے سکتے ہیں؟

جــــواب: صحت میں فقرا پر وقف کیا اور واقف کے ورثہ فقیر ہوں تو ان کو دینا زیادہ بہتر ہے مگر اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ کل مال انہی کو نہ دیا جائے بلکہ کچھ اِن کو دیا جائے اور کچھ غیروں کو اور اگر کل دیا جائے تو ہمیشہ نہ دیا جائے کہ کہیں لوگ یہ نہ سمجھنے لگیں کہ انھیں پر وقف ہے۔ (فتاوی خانیہ، کتاب الوقف، فصل الوقف علی القرابات، ج2، ص320)

فقرا پر وقف کیا تو اس کا بہتر مصرف:

سوال: صحت میں جو وقف فقرا پر کیا گیا اُس کا بہتر مصرف کون سے فقرا ہیں؟

جواب: صحت میں جو وقف فقرا پر کیا گیا اُس کا مصرف اولاد کے بعد سب سے بہتر واقف کی قرابت والے ہیں پھر اسکے آزاد کردہ غلام پھر اُسکے پڑوس والے پھر اُسکے شہر کے وہ لوگ جو واقف کے پاس اُٹھنے بیٹھنے والے اُسکے دوست احباب تھے۔

(فتاوی خانیہ، کتاب الوقف، فصل الوقف علی القرابات، ج2، ص320)

رہائش کے لیے وقف کیا تو کرایہ پر نہیں دے سکتے:

سوال: اپنی اولاد پر رہائش کے لیے وقف کیا تو کیا وہ کرایہ پر دے سکتے ہیں؟

جواب: اپنی اولاد پر مکان وقف کیا ہے کہ یہ لوگ اُس میں سکونت (رہائش) رکھیں تو اس میں سکونت ہی کر سکتے ہیں کرایہ پر نہیں دے سکتے، اگرچہ اولاد میں صرف ایک ہی شخص ہے اور مکان اسکی ضرورت سے زیادہ ہے۔ اور اگر اسکی اولاد میں بہت سے اشخاص ہوں کہ سب اس میں سکونت نہیں کر سکتے جب بھی کرایہ پر نہیں دے سکتے بلکہ باہمی رضامندی سے نمبروار ہر ایک اس میں سکونت کر سکتا ہے۔

(فتح القدیر، کتاب الوقف، ج5، ص426)

جس پر رہائش کے لیے وقف ہے وہ بیوی ساتھ رکھ سکتا ہے:

سوال: جس پر سکونت کے لیے وقف ہے تو کیا اپنے ساتھ اپنی بیوی بھی رکھ سکتا ہے؟

جواب :اگر مکان موقوف بہت بڑا ہے جس میں بہت سے کمرے اور حجرے ہیں تو مردوں کی عورتیں اور عورتوں کے شوہر بھی رہ سکتے ہیں کہ مرد اپنی عورت اور نوکر چاکر کے ساتھ علیحدہ کمرہ میں رہے اور دوسرے لوگ دوسرے کمروں میں اور اگر اتنے کمرے اور حجرے نہ ہوں کہ ہر ایک علیحدہ سکونت کرے تو صرف وہی لوگ رہ سکتے ہیں جن پر وقف ہے۔
(فتح القدیر، کتاب الوقف، ج5، ص426)

بیوہ کے لیے مکان وقف کیا اور بعد میں بیوہ نے نکاح کرلیا:

سوال :مکان وقف کیا اور شرط یہ کردی کہ میری فلاں بیوہ جب تک نکاح نہ کرے اس میں سکونت کرے۔ واقف کے مرنے کے بعد اُسکی بیوہ نے نکاح کرلیا تو کیا حکم ہے؟

جواب :مکان وقف کیا اور شرط یہ کردی کہ میری فلاں بیوہ جب تک نکاح نہ کرے اس میں سکونت کرے۔ واقف کے مرنے کے بعد اُسکی بیوہ نے نکاح کرلیا تو سکونت کا حق جاتا رہا اور نکاح کے بعد پھر بیوہ ہوگئی یا شوہر نے طلاق دیدی جب بھی حق سکونت عود نہ کریگا۔
(درمختار، کتاب الوقف، ج6ص693)

اپنے پڑوس کے فقراپر وقف کیا تو کون لوگ مستحق ہیں؟:

سوال :اپنے پڑوس کے فقراپر وقف کیا تو کون لوگ مستحق ہیں؟

جواب :اپنے پڑوس کے فقراپر وقف کیا تو پڑوسی سے مراد وہ لوگ ہیں جو اُس محلہ کی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں، اگر چہ اُن کا مکان واقف کے مکان سے متصل نہ ہو اور ایک شخص اُس محلہ میں رہتا ہے مگر جس مکان میں رہتا ہے اُس کا مالک دوسرا شخص ہے جو یہاں نہیں رہتا تو مالک مکان پڑوسیوں میں شمار نہ ہوگا بلکہ وہ جس کی یہاں سکونت ہے۔ وقف کے وقت جو لوگ محلہ میں تھے وہ [illegible] کر چلے گئے تو وہ پڑوسی نہ رہے بلکہ یہ ہیں جو اب یہاں رہتے ہیں۔(فتاوی خانیہ، کتاب الوقف، فصل فی الوقف علی القرابات، ج2، ص320)

مشاع کی تعریف اور اس کا وقف

مشاع کا معنی:

سوال: مشاع (مشترک) کسے کہتے ہیں؟

جواب: مشاع اُس چیز کو کہتے ہیں جسکے ایک جزو غیر متعین کا یہ مالک ہو اور دوسرا شخص بھی اس میں شریک ہو یعنی، دونوں حصوں میں امتیاز نہ ہو۔

(بہارشریعت، حصہ10، ص538)

مشاع کی اقسام:

سوال: مشاع کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: اسکی دو قسمیں ہیں:

ایک قابل قسمت جو تقسیم ہونے کے بعد قابل انتفاع باقی رہے جیسے زمین، مکان۔

دوسری غیر قابل قسمت کہ تقسیم کے بعد اس قابل نہ رہے جیسے حمام، چکی، چھوٹی سی کوٹھری کہ تقسیم کر دینے سے ہر ایک کا حصہ بیکار سا ہو جاتا ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الثانی ،ج2، ص365)

مشاع کے وقف کا حکم:

سوال: مشاع کے وقف کا کیا حکم ہے؟

جواب: مشاع غیر قابل قسمت کا وقف بالاتفاق جائز ہے اور قابل قسمت ہو اور تقسیم سے پہلے وقف کرے تو صحیح یہ ہے کہ اس کا وقف بھی جائز ہے اور متاخرین نے اِسی قول کو اختیار کیا۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الثانی ،ج2، ص365)

مشاع جگہ کو مسجد یا قبرستان نہیں بنا سکتے:

سوال: مشاع جگہ کو مسجد یا قبرستان بنا سکتے ہیں؟

جواب: مشاع کو مسجد یا قبرستان بنانا بالاتفاق ناجائز ہے چاہے وہ قابل قسمت ہو یا غیر قابل قسمت کیونکہ مشترک و مشاع میں مہایاۃ (باری مقرر) ہوسکتی ہے کہ دونوں باری باری اُس چیز سے انتفاع (فائدہ) حاصل کریں مثلاً مکان میں ایک سال شریک سکونت (رہائش) کرے اور ایک سال دوسرا رہے یا وقف ہے تو وہ شخص رہے جس پر وقف ہوا ہے یا کرایہ پر دیا جائے اور کرایہ مصرف وقف میں صرف کیا جائے مگر مسجد و مقبرہ ایسی چیزیں نہیں کہ ان میں مہایاۃ (باری مقرر) ہو سکے یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک سال تک اُس میں نماز ہو اور ایک سال شریک اُس میں سکونت کرے یا ایک سال تک قبرستان میں مردے دفن ہوں اور ایک سال شریک اس میں زراعت کرے اس خرابی کی وجہ سے اِن دونوں چیزوں کے لیے مشاع کا وقف ہی درست نہیں۔

(فتح القدیر، کتاب الوقف، ج5، ص426 ☆ جوہرہ نیرہ، کتاب الوقف، 431)

ایک وارث نے دیگر ورثہ کی اجازت کے بغیر ترکہ کو مسجد بنا دیا:

سوال: ایک شخص فوت ہوا اور اثت میں زمین چھوڑی، فوت ہونے والے کی بیوی نے اسے مسجد بنا دیا حالانکہ دیگر ورثہ کا بھی اس میں حق ہے، کیا یہ جگہ مسجد ہو جائے گی؟

جواب: صورت مستفسرہ میں باجماع مسلمین وہ ہرگز مسجد نہیں بلکہ ایک زمین ہے بدستور اپنے مالکوں کی ملک پر باقی، کہ جب یہ عورت تنہا اس کی مالک نہیں جیسا کہ بیان سائل ہے تو وہ ساری زمین اس کے وقف کئے سے وقف نہیں ہوسکتی، نہ یہ ممکن کہ اس میں سے اس کے حصہ کو مسجد ٹھہرا دیں باقی ملک دیگر ورثہ سمجھیں کہ جب وہ غیر منقسم ہے تو اس کا حصہ متعین نہیں اور مسجد بالاجماع مشاع نہیں ہوسکتی۔ ہاں اگر باقی ورثہ سب عاقل بالغ ہوں اور سب بالاتفاق اس وقت مسجدیت کو جائز کر دیں تو اب جائز ہو جائے گی۔

(فتاوی رضویہ ملخصاً، ج16، ص407)

مشترک حصہ وقف ہوا تو تقسیم کون کرائے گا:

سوال: مشترک زمین میں سے ایک نے اپنا حصہ وقف کر دیا تو دوسرے

شریک سے تقسیم کون کرائے گا؟

جواب: زمین مشترک میں اس نے اپنا حصہ وقف کر دیا تو اسکا بٹوارہ (تقسیم) شریک سے خود یہ واقف کرائے گا اور واقف کا انتقال ہو گیا ہو تو متولی کا کام ہے اور اگر اپنی نصف زمین وقف کر دی تو وقف و غیر وقف میں تقسیم یوں ہو گی کہ وقف کی طرف سے قاضی ہو گا اور غیر وقف کی طرف سے یہ خود یا یوں کرے کہ غیر وقف کو فروخت کر دے اور مشتری کے مقابلہ میں وقف کی تقسیم کرائے۔ (ہدایہ، کتاب الوقف، ج2، ص18)

دو اشخاص میں مشترک زمین کو دونوں نے وقف کر دیا:

سوال: دو شخصوں میں مشترک زمین تھی دونوں نے وقف کر دی تو کیا حکم ہے؟

جواب: دو شخصوں میں زمین مشترک تھی اور دونوں نے اپنے حصے وقف کر دیئے خواہ دونوں نے ایک ہی مقصد کے لیے وقف کیے یا دونوں کے دو مقصد مختلف ہوں مثلاً ایک نے مساکین پر صرف کرنے کے لیے دوسرے نے مدرسہ یا مسجد کے لیے اور دونوں نے الگ الگ اپنے وقف کا متولی مقرر کیا یا ایک ہی شخص کو دونوں نے متولی بنایا یا ایک شخص نے اپنی کل جائداد وقف کی مگر نصف ایک مقصد کے لیے اور نصف دوسرے مقصد کے لیے یہ سب صورتیں جائز ہیں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الثانی، ج2، ص365)

وقف میں شرائط کا بیان

واقف ہر طرح کی شرط رکھ سکتا ہے بشرطیکہ خلافِ شرع نہ ہو:

سوال: واقف کس طرح کی شرط لگا سکتا ہے اور کس قسم کی نہیں؟

جواب: واقف کو اختیار ہے جس قسم کی چاہے وقف میں شرط لگائے اور جو شرط لگائے گا اُس کا اعتبار ہوگا۔ ہاں ایسی شرط لگائی جو خلاف شرع ہے تو یہ شرط باطل ہے۔ اور اِس کا اعتبار نہیں۔

(ردالمحتار، کتاب الوقف،فصل فی نقل کتب الخ،ج6،ص561)

زندگی میں اپنے لیے آمدنی کی شرط رکھنا درست ہے:

سوال: واقف نے یہ شرط کی ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں کُل آمدنی یا اسکے اتنے جز کا میں مستحق ہوں اور میرے بعد فقرا کو ملے یا یہ شرط کہ آمدنی سے میرا قرض ادا کیا جائے پھر فقرا کو۔ یا یہ کہ میری زندگی تک میں لوں گا پھر قرض ادا ہوگا پھر فقرا کو، تو کیا یہ صورتیں جائز و درست ہیں؟

جواب: جی ہاں! یہ سب صورتیں جائز ہیں۔

(فتاوی ہندیه، کتاب الوقف،الباب الرابع ،ج2،ص398)

لائبریری سے کتب لینے کے لیے ایڈوانس کی شرط رکھنا:

سوال: وقف کی لائبریری میں اس طرح کی شرط رکھی جا سکتی ہے کہ ایڈوانس رقم رکھ کر ہی کتاب لے جا سکتے ہیں؟

جواب: شرطِ واقف کا اعتبار کیا جائے گا۔۔۔۔۔ اگر یہ شرط کردی کہ کتاب جو عاریۃً لے جانا چاہے اتنا مال اس کے عوض گویا بطور گروی رکھا جائے تو یونہی کیا جائے گا بے اس کی اجازت نہیں اور اگر بلا شرط عاریۃً کی اجازت قوم یا اشخاص خاص کو دی تو انہیں کیلئے اجازت ہوگی اور عام تو عام۔

(فتاوی رضویه،ج16،ص570)

وہ جگہیں ہیں جہاں واقف کی شرائط کا اعتبار نہیں:

سوال: وہ کون سے جگہیں ہیں جہاں واقف کی شرائط کا اعتبار نہیں؟

جواب: چند جگہوں میں واقف کی شرط کا اعتبار نہیں بلکہ اُس کے خلاف عمل کیا جائے گا مثلاً (1) اُس نے یہ شرط لکھ دی کہ جائداد اگرچہ بیکار ہو جائے اُس کا تبادلہ نہ کیا جائے تو اگر قابل انتفاع نہ رہے تبادلہ کیا جائے گا اور شرط کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ (2,3) یا یہ شرط ہے کہ متولی کو قاضی معزول نہیں کر سکتا یا وقف میں قاضی وغیرہ کوئی مداخلت نہ کرے کوئی اس کی نگرانی نہ کرے یہ شرط بھی باطل ہے کہ نا اہل کو قاضی ضرور معزول کر دے گا۔ وقف کی قاضی کی طرف سے نگرانی ضرور ہوگی (4) یا یہ شرط ہے کہ وقف کی زمین یا مکان ایک سال سے زیادہ کے لیے کسی کو کرایہ پر نہ دیا جائے اور ایک سال کے لیے کرایہ پر کوئی لیتا نہیں، زیادہ دنوں کے لیے لوگ مانگتے ہیں یا ایک سال کے لیے دیا جائے تو کرایہ کی شرح کم ملتی ہے اور زیادہ دنوں کے لیے دیا جائے تو زیادہ شرح سے ملے گا تو قاضی کو جائز ہے واقف کی شرط کی پابندی نہ کرے مگر متولی شرط کے خلاف نہیں کر سکتا (5) یا یہ شرط کی کہ اس کی آمدنی فلاں مسجد کے سائل کو دی جائے تو متولی دوسرے مسجد کے سائل کو یا بیرون مسجد جو سائل ہیں اُن کو یا غیر سائل کو بھی دے سکتا ہے (6) یا یہ شرط کی کہ ہر روز فقیروں کو اِس قدر روٹی گوشت دیا جائے تو روٹی گوشت کی جگہ قیمت بھی دے سکتا ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی اشتراط الادخال والاخراج، ج6، ص591تا593)

وقف میں تبادلہ کی شرط

واقف جائیداد موقوفہ کے تبادلہ کی شرط لگا سکتا ہے:

سوال: کیا واقف جائیدادِ موقوفہ میں تبادلہ کی شرط لگا سکتا ہے؟

جواب: واقف جائیداد موقوفہ کے تبادلہ کی شرط لگا سکتا ہے کہ میں یا فلاں شخص جب مناسب جانیں گے اس کو دوسری جائیداد سے بدل دیں گے اِس صورت میں یہ دوسری جائیداد اُس موقوفہ کے قائم مقام ہوگی اور تمام وہ شرائط جو وقف نامہ میں تھے وہ سب اس میں جاری ہونگے اگر چہ وقف نامہ میں یہ نہ ہو کہ بدلنے کے بعد دوسری پہلی کے قائم مقام ہوگی اور اسکے تمام شرائط اس میں جاری ہوں گے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الرابع ،ج2،ص399)

جس کے لیے تبادلہ کی شرط ہے وہ کتنی مرتبہ تبادلہ کر سکتا ہے؟:

سوال: تبادلہ کی شرط وقف نامہ میں تھی ،ایک مرتبہ تبادلہ کرلیا، کیا اب پھر تبادلہ کرسکتا ہے؟

جواب: تبادلہ کی شرط وقف نامہ میں تھی اِس بنا پر تبادلہ کرلیا تو اب دوبارہ اِس جائداد کے بدلنے کا حق نہیں ہے۔ ہاں اگر شرط کے ایسے الفاظ ہوں جن سے عموم سمجھا جاتا ہے مثلاً میں جب کبھی چاہوں گا تبادلہ کرلیا کروں گا تو ایک بار کے تبادلہ سے حق ساقط نہیں ہوگا۔

(فتح القدیر، کتاب الوقف،ج5،ص439)

اگر تبادلہ کی شرط تھی تو مکان سے تبادلہ کرے یا زمین سے:

سوال: وقفی جائیداد کا مکان سے تبادلہ کرے گا یا زمین سے؟

جواب: وقف میں صرف تبادلہ مذکور ہے یہ نہیں ہے کہ مکان یا زمین سے تبادلہ کروں گا تو اختیار ہے مکان سے تبادلہ کرے یا زمین سے اور اگر مکان کا لفظ ہے تو زمین سے تبادلہ نہیں کرسکتا اور زمین ہے تو مکان سے نہیں ہوسکتا اور اگر یہ ذکر نہ ہو کہ فلاں جگہ کی

جائداد سے تبادلہ کروں گا تو جہاں کی جائداد سے چاہے تبادلہ کرسکتا ہے اور معین کردیا ہے تو وہیں کی جائداد سے تبادلہ ہوسکتا ہے دوسری جگہ کی جائداد سے نہیں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الرابع ،ج2،ص400)

ادنی محلّہ کی جگہ سے بدلنا جائز نہیں:

سوال: وقف کی جائیداد اعلی محلّہ میں ہے تو کیا ادنی محلّہ کی جگہ سے تبدیل کرسکتے ہیں؟

جواب: وقفی مکان کو دوسرے مکان سے بدلنا اُس وقت جائز ہے کہ دونوں مکان ایک ہی محلّہ میں ہوں یا وہ محلّہ اِس سے بہتر ہو۔ اور عکس ہو یعنی یہ اُس سے بہتر ہے تو ناجائز ہے۔

(البحرالرائق، کتاب الوقف، ج5،ص373)

بیچ کر دوسری جائیداد خریدنے کی شرط:

سوال: اگر یہ شرط رکھی کہ متولی کو اختیار ہے کہ جب چاہے اس جائیداد کو بیچ کر اس کی رقم سے دوسری زمین خرید لے، تو کیا حکم ہے؟

جواب: یہ شرط ہے کہ متولی کو اختیار ہے جب چاہے اِس جائداد کو بیچ ڈالے اور اسکے داموں سے دوسری زمین خرید لے تو یہ شرط جائز ہے اور ایک دفعہ تبادلہ کا حق حاصل ہے۔

(درمختار، کتاب الوقف، ج6،ص590)

جس کو تبادلہ کا اختیار تھا وہ تبادلہ کا وکیل بنا سکتا ہے:

سوال: اپنے لیے تبادلہ کی شرط رکھی تھی تو کیا کسی کو تبادلہ کا وکیل بنا سکتا ہے؟

جواب: یہ شرط تھی کہ میں تبادلہ کروں گا اور خود نہ کیا بلکہ وکیل سے کرایا تو بھی جائز ہے۔

(فتح القدیر، کتاب الوقف، ج5،ص440)

ہر متولی کے لیے اختیار رکھنا:

سوال: اگر وقف نامہ میں یہ ہو کہ جو کوئی اِس وقف کا متولی ہو وہ تبادلہ کرسکتا

ہے تو کس متولی کا اختیار ہوگا؟

جواب :اگر وقف نامہ میں یہ ہو کہ جو کوئی اِس وقف کا متولی ہو وہ تبادلہ کرسکتا ہے تو ہر ایک متولی کو یہ اختیار حاصل رہے گا۔ (فتاوی خانیہ، کتاب الوقف، ج 2، ص 307)

غاصب سے تاوان کی رقم کا حکم:

سوال :وقفی زمین کو کسی نے غصب کرلیا اور غاصب ہی کے ہاتھ میں زمین تھی کہ پانی میں ڈوب گئی اور غاصب سے تاوان لیا گیا تو اس رقم کا کیا کریں؟

جواب :وقفی زمین کو کسی نے غصب کرلیا اور غاصب ہی کے ہاتھ میں زمین تھی کہ دریا برد ہوگئی اور غاصب سے تاوان لیا گیا تو اِس روپے سے دوسری زمین خریدی جائے گی۔ اور یہ زمین وقف قرار پائے گی اور اس وقف میں تمام وہ شرائط ملحوظ ہونگے جو پہلی میں تھے۔ (فتاوی خانیہ، کتاب الوقف، ج 2، ص 305)

غاصب سے کب معاوضہ لے سکتے ہیں:

سوال :وقف کو کسی نے غصب کرلیا ہے اور اسکے پاس گواہ نہیں کہ وقف کو ثابت کرے اور غاصب اُسکے معاوضہ میں روپیہ دینے کو تیار ہے تو کیا کریں؟

جواب :وقف کو کسی نے غصب کرلیا ہے اور اسکے پاس گواہ نہیں کہ وقف کو ثابت کرے اور غاصب اُسکے معاوضہ میں روپیہ دینے کو تیار ہے تو روپیہ لے کر دوسری زمین خرید کر وقف کے قائم مقام کردیں۔ (ردالمحتار، کتاب الوقف، ج 6، ص 594)

وقف میں تبادلہ کاذکرنہ ہوتوتبادلہ کی شرطیں

واقف نے تبادلہ کی شرط نہیں رکھی تو تبادلہ کی صورت:

سوال: واقف نے وقف میں تبادلہ کی شرط نہیں رکھی تو کس صورت میں تبادلہ کر سکتے ہیں؟

جواب: واقف نے وقف میں استبدال (تبادلہ کرنے) کو ذکر نہیں کیا یا عدم استبدال (تبادلہ نہ کرنے) کو ذکر کر دیا ہے مگر وقف بالکل قابل انتفاع (نفع حاصل کرنے کے قابل) نہ رہا یعنی اتنی بھی آمدنی نہیں ہوتی جو وقف کے مصارف کے لیے کافی ہو تو ایسے وقف کا تبادلہ جائز ہے مگر اسکے لیے چند شرطیں ہیں:

(1) غبن فاحش کے ساتھ بیع نہ ہو۔

(2) تبادلہ کرنے والا قاضی عالم باعمل ہو جس کے تصرفات کی نسبت لوگوں کو اطمینان ہو سکے۔

(3) تبادلہ غیر منقول سے ہو روپے اشرفی سے نہ ہو۔

(4) ایسے سے تبادلہ نہ کرے جس کی شہادت اس کے حق میں نامقبول ہو۔

(5) ایسے شخص سے تبادلہ نہ کرے، جس کا اس پر دَین ہو۔

(6) دونوں جائدادیں ایک ہی محلّہ میں ہوں یا وہ ایسے محلّہ میں ہو کہ اِس محلّہ سے بہتر ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی اشتراط الادخال والاخراج، ج6، ص591)

جب تک وقف قابلِ انتفاع ہے تبادلہ نہیں کر سکتے:

سوال: وقف اگر قابلِ انتفاع ہو اور واقف نے تبادلہ کی شرط نہ لگائی ہو تو کیا اسے بہتر سے بدل سکتے ہیں؟

جواب: وقف اگر قابل انتفاع ہے یعنی اُسکی آمدنی ایسی ہے کہ مصارف سے بچ رہتی ہے اور اُس کے بدلے میں ایسی زمین ملتی ہے جس کا نفع زیادہ ہے تو جب تک

واقف نے تبادلہ کی شرط نہ کی ہو تبادلہ نہ کریں۔

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی اشتراط الادخال والاخراج، ج6، ص592)

دو مختلف شرطوں میں سے آخری کا اعتبار ہے:

سوال: وقف میں دو شرطیں متعارض (متضاد) ہوں تو کس پر عمل ہوگا؟

جواب: وقف نامہ میں دو شرطیں متعارض ہوں تو آخر والی شرط پر عمل ہوگا۔

(ردالمحتار، کتاب الوقف، فصل یراعی شرط الواقف، ج6، ص681)

سوال: وقف نامہ میں پہلے بیچنے سے منع لکھا اور آخر میں متولی کے لیے اجازت لکھ دی تو کس کا اعتبار ہے؟

جواب: وقف نامہ میں پہلے یہ لکھا کہ میں نے اسے وقف کیا اس کو نہ بیع کیا جائے نہ ہبہ کیا جائے وغیرہ وغیرہ پھر آخر میں یہ لکھا کہ متولی کو یہ اختیار ہے کہ اسے بیچ کر دوسری زمین خرید کر اس کی جگہ پر وقف کر دے تو اگر چہ پہلے لکھ چکا ہے کہ بیع نہ کی جائے مگر اس کی بیع جائز ہے کہ آخر کلام اول کلام کا ناسخ (منسوخ کرنے والا) یا موضح (وضاحت کرنے والا) ہے اور اگر عکس کیا یعنی پہلے تو یہ لکھا کہ متولی کو بیع واستبدال کا اختیار ہے مگر آخر میں لکھ دیا کہ بیع نہ کی جائے تو اب بدلنا جائز نہیں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الرابع، ج2، ص402)

اوقاف کے اجارہ کا بیان

وقف کے مکانات اور زمین کی مدتِ اجارہ طویل نہیں ہونی چاہیے:

سوال: وقف کے مکانات اور زمین کو کتنی مدت کے لیے کرایہ پر دے سکتے ہیں؟

جواب: اوقاف کے اجارہ کی مدت طویل نہیں ہونی چاہیے، تین سال سے زیادہ کے لیے کرایہ پر دینا جائز نہیں۔

(فتح القدیر، کتاب الوقف، الفصل الاول فی المتولی، ج5، ص451)

اور اگر واقف نے کرایہ کی کوئی مدت بیان کر دی ہے تو اُسکی پابندی کی جائے اور نہ بیان کی ہو تو مکانات کو ایک سال تک کے لیے اور زمین کو تین سال تک کے لیے کرایہ پر دیا جائے مگر جب کہ مصلحت اسکے خلاف کا تقاضا کرے تو جو تقاضائے مصلحت ہو وہ کیا جائے اور یہ زمانہ اور مواضع (جگہوں) کے اعتبار سے مختلف ہے۔

(درمختار، کتاب الوقف، ج6، ص613)

واقف نے ایک سال سے زیادہ دینے سے منع کی شرط لگا دی:

سوال: واقف نے یہ شرط کر دی ہے کہ ایک سال سے زیادہ کے لیے کرایہ پر نہ دیا جائے مگر وہاں ایک سال کے لیے کرایہ پر کوئی لیتا ہی نہیں زیادہ مدت کے لیے لوگ مانگتے ہیں تو کیا کریں گے؟

جواب: واقف نے یہ شرط کر دی ہے کہ ایک سال سے زیادہ کے لیے کرایہ پر نہ دیا جائے مگر وہاں ایک سال کے لیے کرایہ پر کوئی لیتا ہی نہیں زیادہ مدت کے لیے لوگ مانگتے ہیں تو متولی شرطِ واقف کے خلاف کر کے ایک سال سے زیادہ کے لیے نہیں دے سکتا۔ بلکہ یہ معاملہ قاضی کے پاس پیش کرے اور قاضی سے اجازت حاصل کر کے ایک سال سے زیادہ کے لیے دے اور اگر وقف نامہ میں یوں ہو کہ ایک سال سے زیادہ کے لیے

نہ دیا جائے مگر جب کہ اس میں نفع ہو تو خود متولی بھی دے سکتا ہے، قاضی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔

(الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الوقف، فصل یراعی شرط الواقف، ج6، ص612)

اوقاف کو اجرت مثل کے ساتھ کرایہ پر دیا جائے:

سوال: اوقاف کو کرایہ پر دیں تو کتنی اجرت پر دیں؟

جواب: اوقاف کو اجرت مثل کے ساتھ کرایہ پر دیا جائے یعنی اس حیثیت کے مکان کا جو کرایہ وہاں ہو یا اس حیثیت کے کھیت کا جو لگان (ٹھیکہ) اُس جگہ ہو اُس سے کم پر دینا جائز نہیں بلکہ جس شخص کو اوقاف کی آمدنی ملتی ہے وہ خود بھی اگر چاہے کہ کرایہ یا لگان کم لے کر دے دوں تو نہیں دے سکتا۔

(الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الوقف، فصل یراعی شرط الواقف، ج6، ص616)

متولی نے اجرتِ مثل سے کم کرایہ پر دے دیا تو کیا حکم ہے:

سوال: متولی نے اجرت مثل سے کم کرایہ پر دے دیا، تو کیا حکم ہے؟

جواب: متولی نے اجر مثل سے کم کرایہ پر اجارہ دیا تو لینے والے کو اجر مثل دینا ہوگا اور اُجرت کا ذکر نہ کیا جب بھی یہی حکم ہے۔ یوہیں یتیم کی جائداد کو کم کرایہ پر دیدیا تو واجبی کرایہ دینا ہوگا۔ (فتاوی خانیہ، کتاب الوقف، فصل فی الاجارہ الخ، ج2، ص322)

یعنی مکان یا کھیت کو کم پر دیدیا تو یہ کمی مستاجر (کرایہ پر لینے والے) سے پوری کرائی جائے گی متولی سے وصول نہ کریں گے مگر متولی سے سہو اور غفلت کی بنا پر ایسا ہوا تو درگزر کریں گے اور قصداً ایسا کیا تو خیانت ہے، معزول کر دیا جائے گا بلکہ خود واقف نے قصداً کم پر دیا ہے تو اسکے ہاتھ سے بھی وقف کو نکال لیں گے۔

(الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الوقف، فصل یراعی شرط الواقف، ج6، ص623)

کیا متولی وقف کا مکان خود کرایہ پر لے سکتا ہے:

سوال: کیا متولی وقف کا مکان خود کرایہ پر لے سکتا ہے؟ اسی طرح اپنے باپ

یا بیٹے کو دے سکتا ہے؟

جواب: وقفی زمین کو متولی خود اپنے اجارہ میں نہیں لے سکتا کہ خود مکانِ موقوف میں رہے اور کرایہ دے یا کھیت بوئے اور لگان (ٹھیکہ) دے البتہ قاضی اسکو اجارہ پر دے تو ہوسکتا ہے۔ اور اجر مثل سے زیادہ کرایہ پر لے تو ہوسکتا ہے۔ یوہیں اپنے باپ یا بیٹے کو بھی کرایہ پر نہیں دے سکتا مگر جب کہ بہ نسبت دوسروں کے ان سے زیادہ کرایہ لے۔

(البحر الرائق، کتاب الوقف، ج5، ص394)

مکان موقوف کو بطورِ عاریت دینے کا حکم:

سوال: متولی نے عاریت کے طور پر کسی وقف کا مکان دے دیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: مکانِ موقوف کو عاریت دینا یعنی بغیر کرایہ کسی کو رہنے کے لیے دیدینا ناجائز ہے اور رہنے والے کو کرایہ دینا پڑیگا۔ یوہیں جو شخص متولی کی بغیر اجازت رہنے لگا اُسے بھی جو کرایہ ہونا چاہیے دینا ہوگا۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الخامس، ج2، ص420)

کیا متولی وقف کے لیے قرض لے سکتا ہے؟:

سوال: وقف کو ضرورت پیش آئی اور آمدنی کا روپیہ نہیں تو کیا متولی قرض لے سکتا ہے؟

جواب: متولی کو وقف پر قرض لینے کی دو شرط سے اجازت ہے ایک یہ کہ امر ضروری و مصالح لابدی وقف کے لئے باذن قاضی شرع (قاضی شرع کی اجازت سے) قرض لے اگر وہاں قاضی نہ ہو خود لے سکتا ہے، دوسرا یہ کہ وہ حاجت سوائے قرض اور کسی سہل طریقہ سے پوری نہ ہوتی ہو مثلاً وقف کا کوئی ٹکڑا اجارہ پر دے کر کام نکال لینا۔

(فتاوی رضویہ، ج16، ص572تا577)

غاصب نے وقف کی زمین میں اضافہ کردیا تو اضافہ کا حکم:

سوال: کسی نے وقف کی زمین غصب کرلی اور غاصب نے اپنی طرف سے اضافہ کیا، زمین واپس لیں گے تو اضافہ کا کیا کریں گے؟

جواب: وقفی زمین کسی نے غصب کرلی اور غاصب نے اپنی طرف سے کچھ اضافہ کیا ہے اگر یہ زیادت مال متقوم نہ ہو مثلاً زمین کو جوت کر ٹھیک کیا ہے یا اُس میں نہر کھدوائی ہے یا کھیت میں کھاد ڈلوائی ہے جو مٹی میں مل گئی تو غاصب سے زمین واپس لی جائے گی اور ان چیزوں کا کچھ معاوضہ نہیں دیا جائے گا اور اگر وہ زیادت مال متقوم ہے مثلاً مکان بنایا ہے یا پیڑ لگائے ہیں تو اگر مکان یا درخت کے نکالنے سے زمین خراب نہ ہو تو غاصب سے کہا جائے گا اپنا عملہ اُٹھالے یا پیڑ اُکھاڑ لے اور زمین خالی کر کے واپس کردے اور اگر مکان یا درخت جدا کرنے میں زمین خراب ہو جائے گی تو اُکھڑے ہوئے درخت یا نکالے ہوئے عملہ کی قیمت غاصب کو دی جائے گی اور غاصب کو یہ بھی اختیار ہے کہ زمین کے اوپر سے درخت کو اسطرح کاٹ لے کہ زمین کو نقصان نہ پہنچے۔

(فتاوی خانیہ، کتاب الوقف، فصل فی الاجارۃ الاوقاف الخ، ج2، ص324)

متولی یا واقف کے مرنے سے وقف کے مکان کا اجارہ ختم نہیں ہوگا:

سوال: متولی نے وقف کا مکان کرایہ پر دیا پھر مر گیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: متولی نے وقفی مکان یا زمین کو اجارہ پر دیا پھر مر گیا تو اجارہ بدستور باقی رہے گا۔ یوہیں واقف نے کرایہ پر دیا ہو پھر مر گیا جب بھی یہی حکم ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الخامس، ج2، ص418)

وقفِ مریض کا بیان

مرض الموت میں جائیداد وقف کرنے کا حکم:

سوال: کوئی شخص مرض الموت میں اپنی جائیداد وقف کرسکتا ہے؟

جواب : مرض الموت میں اپنے اموال کی ایک تہائی وقف کرسکتا ہے اسکو کوئی روک نہیں سکتا۔ تہائی سے زیادہ کا وقف کیا اور اسکا کوئی وارث نہیں تو جتنا وقف کیا سب جائز ہے اور وارث ہو تو ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے اگر ورثہ جائز کردیں تو جو کچھ وقف کیا سب صحیح و نافذ ہے اور ورثہ انکار کریں تو ایک تہائی کی قدر کا وقف درست ہے اس سے زیادہ کا باطل اور اگر ورثہ میں اختلاف ہوا بعض نے وقف کو جائز رکھا اور بعض نے رد کردیا تو ایک تہائی وقف ہے اور اس سے زیادہ میں جس نے جائز رکھا اُس کا حصہ وقف ہے اور جس نے رد کردیا اُس کا حصہ وقف نہیں۔

(الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب الوقف فی مرض الموت، ج6، ص607)

مریض کا اپنے مکان کو مسجد بنانا:

سوال : ایسا مریض جو مرض الموت میں ہے اس نے اپنے مکان کو مسجد قرار دے دیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: مریض نے اپنے مکان کو مسجد کردیا اگر وہ مکان مریض کے تہائی مال کے اندر ہے تو مسجد بنانا صحیح ہے مسجد ہوگی اور اگر تہائی سے زائد ہے اور ورثہ نے اجازت دے دی جب بھی مسجد ہے اور ورثہ نے اجازت نہیں دی تو کُل کا کُل میراث ہے۔ اور مسجد نہیں ہوسکتا کہ اُس میں ورثہ بھی حقدار ہیں اور مسجد کو حقوق العباد سے جدا ہونا ضروری ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المساجد، الفصل الاول، ج2، ص456)

مریض کا دَین تمام جائیداد گھیرے ہو تو وقف کرنے کا حکم:

سوال : مریض پر اتنا دَین (قرض) ہے کہ اُسکی تمام جائداد کو گھیرے ہوئے

ہے اس نے اپنی جائداد وقف کردی تو کیا حکم ہے؟

جواب: مریض پر اتنا دَین ہے کہ اُسکی تمام جائداد کو گھیرے ہوئے ہے اس نے اپنی جائداد وقف کردی تو وقف صحیح نہیں بلکہ تمام جائداد بیچ کر دَین ادا کیا جائے گا اور تندرست پر ایسا دَین ہوتا تو وقف صحیح ہوتا مگر جبکہ حاکم کی طرف سے اُسکے تصرفات روک دیے ہوں تو اس کا وقف بھی صحیح نہیں، (الدرالمختار، کتاب الوقف، ج6، ص608)

احکامِ چندہ

دینی کاموں کے لیے چندہ کرنا ثواب کا کام ہے:

سُوال: مساجد و مدارسِ اسلامیہ وغیرہ دینی کاموں کیلئے چندہ کرنا کیسا ہے؟

جواب: ثواب کا کام ہے اور اس کی اصل سُنّت سے ثابت ہے۔

حضرتِ سیِّدُنا عبدُ الرحمٰن بن خَبّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مَروی ہے کہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضِر تھا اور رَحمتِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم صَحابہ کرام علیہم الرضوان کو "جَیشِ عُسرت "(یعنی غزوہ تبوک) کی تیاری کیلئے ترغیب ارشاد فرما رہے تھے۔ حضرتِ سیِّدُنا عُثمان بنِ عَفّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُٹھ کر عرض کی: یارسولَ اللہ عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم پالان اور دیگر مُتعلِّقہ سامان سَمیت سو 100 اُونٹ میرے ذِمّے ہیں۔ حُضورِ سراپا نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم نے صَحابہ کرام علیہم الرضوان سے پھر تَرغیباً فرمایا تو حضرتِ سیِّدُنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوبارہ کھڑے ہوئے اور عرض کی: یارسولَ اللہ عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم! میں تمام سامان سَمیت دوسو 200 اُونٹ حاضِر کرنے کی ذِمّہ داری لیتا ہوں۔ دو جہاں کے سلطان صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم نے صَحابہ کرام علیہم الرضوان سے پھر تَرغیباً ارشاد فرمایا تو حضرتِ سیِّدُنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسولَ اللہ عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم میں مع سامان تین سو 300 اُونٹ اپنے ذِمّے قَبول کرتا ہوں۔

راوی فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ حُضورِ انور، مدینے کے تاجور صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم نے یہ سن کر منبرِ مُنوَّر سے نیچے تشریف لاکر دو مرتبہ فرمایا: آج سے عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جو کچھ کرے اس پر مُواخَذہ (یعنی پوچھ گچھ) نہیں۔

(سُنَنُ التِّرمِذی، باب مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج 5، ص 625، مطبعۃ مصطفی البابی، مصر)

امامِ اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اُمورِ خیر (یعنی بھلائی کے کاموں) کے لئے چندہ کرنا احادیثِ صحیحہ سے ثابِت ہے، مالدار پر واجِب نہیں کہ ساری مسجد اپنے مال سے بنائے، اَمرِ خیر (یعنی بھلائی کے کام) میں چندہ کی تحریک دلالتِ خیر (یعنی بھلائی کی طرف رہنمائی) ہے۔ حدیثِ مبارک میں ہے: ((مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ)) جو کارِ خیر کی راہنمائی کرے اُس کو بھی اُتنا ہی اَجر ملتا ہے جتنا کارِ خیر کرنے والے کو۔

(صحیح مسلم، باب فضل اعانة، ج3، ص1506، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(فتاوی رضویہ، ج16، ص468، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

مسجِد خواہ کسی اور ضَرورتِ دینی کیلئے چندہ کرنا جائز اور سنّت سے ثابِت ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج16، ص418، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

دینی کاموں کے لیے چندہ کرنے سے روکنے کا حکم:

سُوال: دینی کاموں کیلئے چندہ کرنے والے کو روکنا کیسا؟

جواب: بِلا وجہِ شَرعی اِس کارِ خیر سے روکنے کی شرعاً مُمانَعت ہے۔ چُنانچہ امامِ اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان ایک سُوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: اُمورِ خیر کیلئے مسلمانوں سے اِس طرح چندہ کرنا بدعت نہیں بلکہ سنّت سے ثابِت ہے۔ جو لوگ اِس سے روکتے ہیں (وہ) ﴿مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ﴾ (ترجمہ کنز الایمان: بھلائی سے بڑا روکنے والا حد سے بڑھنے والا گنہگار (سورۃ القلم پ 29 آیت 12) میں داخِل ہوتے ہیں۔ سیِّدُنا جَریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، کچھ (حضرات) بَرَہنہ پا، بَرَہنہ بدن صِرف ایک کملی کفنی کی طرح چیر کر گلے میں ڈالے خدمتِ اقدسِ حضورِ پُرنور، سیِّدِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضِر ہوئے، حُضورِ پرنور، رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کی محتاجی دیکھی، چہرہ انور کا رنگ بدل گیا۔ بِلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کا حکم دیا، بعدِ نَماز خُطبہ فرمایا، بعدِ تلاوتِ آیاتِ مبارکہ ارشاد کیا: کوئی شخص اپنی اَشرَفی سے صَدَقہ کرے

،کوئی روپے سے ،کوئی کپڑے سے ،کوئی اپنے قلیل گیہوں سے ،کوئی اپنے تھوڑے چُھوہاروں سے، یہاں تک فرمایا،اگرچہ آدھا چُھوہارا۔"اِس ارشادِ گرامی (یعنی چندہ دینے کی ترغیب) کوسن کر ایک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روپیوں کاتھیلا اُٹھالائے جس کے اُٹھانے میں اُن کے ہاتھ تھک گئے ، پھرلوگ پے درپے صَدَقات لانے لگے، یہاں تک کہ دو2 اَنبار(دو 2ڈھیر) کھانے اور کپڑے کے ہوگئے، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ رسولُ اللہ عزّوجلّ و صلّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلّم کا چہرہ انور خوشی کے باعِث کُندَن (یعنی خالص سونے) کی طرح دَمکنے لگااورارشادفرمایا: جوشخص اسلام میں کوئی اچھی راہ نکالے اس کیلئے اُس کاثواب ہےاوراُسکے بعد جتنے لوگ اُس راہ پرعمل کریں گےسب کاثواب اس (اچھی راہ نکالنے والے) کیلئے ہے بغیراس کے کہ اُن (عمل کرنے والوں) کے ثوابوں میں کچھ کمی ہو۔" صحیح مُسلِم۔

(فتاوی رضویہ،ج 23،ص 127،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

عمومی طور پر چندے صدقات نافلہ ہوتے ہیں:

سوال: مسجِدوں،مدرَسوں،کی تعمیرواَخراجات کے لئے یاکسی اور مذہبی و دینی ضَرورت کے لئے جو چندے وُصُول ہوتے ہیں یہ محض صَدَقہ ہیں یا وَقف بھی کہے جاسکتے ہیں؟

جواب: عُموماً یہ چندے صَدَقہ نافِلہ ہوتے ہیں ان کووَقف نہیں کہا جاسکتا کہ وَقف کے لئے یہ ضَرور ہے کہ اصل حَبس (محفوظ) کرکےاس کے مَنافع کام میں صَرف کئے جائیں۔جس کے لئے وَقف ہو،نہ یہ کہ خود اصل ہی کو خرچ کر دیا جائے۔یہ چندے جس خاص غَرَض کے لئے کئے گئے ہیں اس کے غیر میں صَرف نہیں کئے جاسکتے۔اگروہ غرض پوری ہوچکی ہوتو جس نے دیئے ہیں اس کو واپَس کئے جائیں۔یااس کی اجازت سے دوسرے کام میں خرچ کریں۔بغیر اجازت خرچ کرنا ناجائز ہے۔

(فتاوی امجدیہ،ج 3،ص 38)

کفار سے چندہ مانگنا ممنوع ہے:

سوال: کفار سے چندہ مانگنا کیسا؟

جواب: ممنوع اور سخت معیوب ہے۔اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''کسی دینی کام کے لئے کفار سے چندہ لینا اول تو خود ہی ممنوع اور سخت معیوب ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:((اِنَّا لَا نَسْتَعِینُ بِمُشْرِكٍ)) ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیتے۔

(سنن ابی داؤد،باب فی المشرک یسہم لہ،ج 3،ص75،المکتبۃ العصریہ،بیروت)(فتاوی رضویہ ج14، ص566،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

چندہ وصول کرنے والوں کے لیے اس کے مسائل سیکھنا لازم ہے:

سوال: کیا چندہ وصول کرنے والوں کے لیے اس کے ضروری مسائل سیکھنا لازم ہے؟

جواب: جی ہاں!چندہ کرنے والوں کے لیے اس کے ضروری مسائل سیکھنا لازم ہے کیونکہ ہر شخص جس حالت میں ہے اس کے متعلق احکام شریعت سے واقف ہونا اس کے لیے فرض ہے۔اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:''علم دین سیکھنا اس قدر ہے کہ مذہب حق سے آگاہ ہو، وضو غسل، نماز، روزے وغیرہا ضروریات کے احکام سے مطلع ہو۔تاجر تجارت،مزارع (کسان) زراعت،اجیر (ملازم) اجارے،غرض ہر شخص جس حالت میں ہے اس کے متعلق احکام شریعت سے واقف ہو،فرض عین ہے۔۔۔۔۔حدیث میں ہے: ((طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة)) ترجمہ:ہر مسلمان مرد عورت پر علم کی تلاش فرض ہے۔

(فتاوی رضویہ،ج23،ص648،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

سود اور رشوت کی رقم سے چندہ دینا:

سوال: سود یا رشوت کی رقم سے غریبوں کی مدد کرنا یا مسجد کے استنجا خانے تعمیر کروانا کیسا؟

جواب: کسی نے سُود اگرچہ نیک کاموں میں خرچ کرنے کیلئے لیا تاہم اُسے سُود لینے کا گُناہ ہوگا۔ سودی مال کے مُتعلِّق حکم یہ ہے کہ جس سے لیا اسے واپس کریں یا اس مال کو صدقہ کریں جبکہ رشوت، چوری یا گناہوں کی اجرت کے بارے میں حکم یہ ہے کہ انہیں بھی نیک کاموں میں خرچ نہیں کرسکتے بلکہ ان میں تو یہ ضَروری ہے کہ جس کی رقم ہے اُسے ہی واپس لوٹائے اور وہ نہ رہے ہوں تو اس کے وُرَثاء کو دے اور وہ بھی نہ ملیں تو پھر صَدَقہ کرنے کا حکم ہے چُنانچِہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو مال رشوت یا تَغَنّی (یعنی گانے) یا چوری سے حاصل ہوا اس پر فرض ہے کہ جس جس سے لیا ان پر واپس کردے، وہ نہ رہے ہوں ان کے وُرثہ کو دے، پتا نہ چلے تو فقیروں پر تصدُّق کرے۔ خرید وفروخت کسی کام میں اس مال کا لگانا حرامِ قطعی ہے بغیر صورتِ مذکورہ کے کوئی طریقہ اس کے وَبال سے سُبکدَوشی کا نہیں یہی حکم سُود وغیرہ عُقُودِ فاسِدہ کا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں جس سے لیا بالخصوص انہیں واپَس کرنا فرض نہیں بلکہ اسے اختیار ہے کہ (جس سے لیا ہے) اسے واپَس دے خواہ ابتداءً تصدُّق (یعنی خیرات) کردے۔

(فتاوی رضویہ، ج23، ص 551، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

اور یہ بھی یاد رکھئے کہ سُود و رِشوت وغیرہ حرام مال کو نیک کاموں میں خرچ کرکے ثواب کی اُمّید رکھنے کے بارے میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: اُسے یعنی مالِ حرام کو خیرات کرکے جیسا پاک مال پر ثواب ملتا ہے اس کی اُمّید رکھے تو سخت حرام ہے، بلکہ فُقَہاء نے کُفر لکھا ہے۔ ہاں وہ جو شَرع نے حکم دیا کہ حقدار (یعنی جس کا مال ہے وہ، یا وہ نہ رہا ہو تو اُس کا وارِث اور وہ بھی) نہ ملے تو فقیر پر تَصَدُّق (خیرات) کردے اِس حکم کو مانا تو اِس پر (یعنی حکمِ شریعت پر عمل کرنے پر) ثواب کی اُمّید کرسکتا ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج23، ص 580، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

ایک اور مقام پر اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ''سُود کے روپیہ سے جو کارِ نیک کیا جائے اِس میں اِستحقاقِ ثواب نہیں۔ حدیث شریف میں ہے: جو مالِ حرام لے کر حج کو جاتا

ہے جب لَبَّیک کہتا ہے، ہاتِف، غیب سے جواب دیتا ہے: نہ تیری لَبَّیک قَبول، نہ خدمت پذیر، اور تیرا حج تیرے منہ پر مَردود ہے۔ یہاں تک کہ تُو یہ مالِ حرام (جو) کہ تیرے قبضے میں ہے اُس کے مُستَحِقّوں کو واپَس دے (اتحاف السادۃ المتقین)۔ حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم فرماتے ہیں: بے شک اللہ عزوجل پاک ہے، پاک ہی چیز کو قَبول فرماتا ہے۔ صحیح مسلم۔

(فتاوی رضویہ، ج 23، ص 541)

چندے کی رقم بچ گئی تو اس کے احکام

اگر گیارہویں وغیرہ کی رقم بچ گئی:

سُوال: گیارہویں شریف، اجتماع، جلسہ، جشن ولادت کی سجاوٹ اور اعراسِ بزرگانِ دین وغیرہ کے لیے کیا ہوا چندہ بچ گیا تو اس کا کیا کریں؟ کیا اسے کسی دوسری جگہ استعمال کر سکتے ہیں؟

جواب: گیارھویں شریف کی نیاز، اجتماع، جلسہ، جشنِ ولادت کی سجاوٹ، اوراَعراسِ بزرگانِ دین وغیرہ کیلئے لیا ہوا چندہ بچ جانے کی صُورت میں چندہ دینے والے اگر معلوم ہوں تو بچی ہوئی رقم اُنہیں کو لوٹانی ضَروری ہے، اُن کی اجازت کے بِغیر کسی دوسرے مَصرف میں استِعمال کرنا جائز نہیں اور اگر معلوم نہ ہوں تو جس کام کے لئے چندہ دینے والوں نے دیا تھا اسی میں صَرف کریں (مَثَلاً ایک گیارہویں شریف کی محفل کے لیے لیا تو دوسری گیارہویں شریف کی محفل پر خرچ کریں) اگر اس طرح کا کوئی دوسرا کام نہ پائیں تو فقراء پر تصدُّق کریں۔ چُنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رضویہ میں فرماتے ہیں: چندہ کا جو روپیہ کام ختم ہو کر بچے لازم ہے کہ چندہ دینے والوں کو حصہ رسد واپس دیا جائے یا وہ جس کام کے لئے اب اجازت دیں اس میں صَرف ہو، بے ان کی اجازت کے صَرف کرنا حرام ہے، ہاں جب ان کا پتانہ چل سکے تو اب یہ چاہئے کہ جس طرح کے کام کے لئے چندہ لیا تھا اسی طرح کے دوسرے کام میں اُٹھائیں (یعنی استِعمال کریں) مَثَلاً تعمیرِ مسجد کا چندہ تھا مسجد تعمیر ہو چکی تو باقی بھی کسی مسجد کی تعمیر میں اُٹھائیں، غیر کام مَثَلاً تعمیرِ مدرسہ میں صرف نہ کریں اور اگر اسی طرح کا دوسرا کام نہ پائیں تو وہ باقی روپیہ فقیروں کو تقسیم کر دیں۔ (فتاوی رضویہ ،ج 16، ص206، رضافاؤنڈیشن ،لاہور)

بچی ہوئی رقم دوسرے مصرف میں استعمال کرنے کے لیے اجازت:

سُوال: مخصوص مَد مَثَلاً مدرَسے کی تعمیر کیلئے کئی افراد سے چندہ لیا گیا ہو اور اُس

میں سے کچھ رقم بچ جائے تو کیا اُس بچی ہوئی رقم کے دوسرے مَصرف میں استعمال کے بارے میں ایک ایک سے اجازت لینی پڑے گی؟

جواب: جی ہاں۔ فقط بعض کی اجازت کافی نہ ہوگی، سب سے اجازت مل گئی فَبِہا (یعنی مُراد حاصل)، ورنہ جتنوں سے اجازت لی اُن ہی کے حصّے میں تصرُّف کرنا جائز ہوگا۔

مثال کے ذریعہ مذکورہ بالا مسئلہ کی مزید وضاحت:

سوال: مدرَسے میں ٹھنڈے پانی کا کُولر لگانے کیلئے 12 افراد سے ایک ایک ہزار روپے حاصل کئے اور ان میں سے چار ہزار بچ گئے۔ ان بَقِیَّہ چار ہزار کے مدرَسے کیلئے تھال خریدنے کا ذِہن بنا تو کیا اب بھی 12 افراد سے اجازت لینی ضروری ہوگی یا چار کی اجازت کافی ہے؟

جواب: اگر رقم اس طرح ملادی تھی کہ کسی کے نوٹوں وغیرہ کی شناخت نہ رہی تھی تب تو 12 افراد سے اجازت لینی ہوگی اور اگر رقم جُدا جُدا رکھی تھی یا مِلادی تھی مگر شناخت باقی تھی یا نوٹوں پر نشان لگادیئے تھے اور معلوم ہے کہ بَقِیَّہ چار ہزار فُلاں فُلاں چار 4 افراد کے بچ رہے ہیں تو صرف اُن چار 4 افراد کی اجازت کافی ہوگی۔

مسجد کے چندے کے مصارف

مسجد کے لیے جمع شدہ چندے کا استعمال:

سُوال: مسجِد کے صَندوقچے کا جمع شُدہ چندہ نیز جُمعہ وغیرہ کو مسجِد کیلئے جو چندہ ملتا ہے وہ کس طرح استِعمال کیا جائے؟

جواب: مسجِد کے نام پر ملا ہوا چندہ وہاں کے عُرف (یعنی رَواج) کے مطابق استِعمال کرنا ہوگا مَثَلاً امام، مُؤَذِّن اور خادِم کی تنخواہیں، مسجِد کی بجلی کا بِل، عِمارتِ مسجِد یا اُس کی اَشیا کی حسبِ ضَرورت مَرَمَّت، ضَرورتِ مسجِد کی چیزیں مَثَلاً لوٹے، جھاڑو، پائیدان، لائٹ، پنکھے، چٹائی وغیرہ۔

مسجد کے چندے سے جشن ولادت کا چراغاں کرنے کا حکم:

سُوال: مسجِد کے چندے کی رَقم سے مسجِد پر جشنِ ولادت کے دِنوں میں چَراغاں کرنا کیسا؟

جواب: اگر چندہ دینے والوں کی صَراحۃً یا دَلالۃً اجازت ہو تو کرسکتے ہیں ورنہ نہیں۔ صَراحۃً سے مُراد یہ ہے کہ مسجِد کے لئے چندہ لیتے وقت کہہ دیا کہ ہم آپ کے چندے سے جشنِ ولادت اور گیارھویں شریف، شبِ براءت وغیرہ بڑی راتوں کے مواقِع پر نیز رَمَضانُ المبارَک میں مسجِد میں روشنی بھی کریں گے اور اُس نے اجازت دیدی۔ دَلالۃً یہ ہے کہ چندہ دینے والے کو معلوم ہے کہ اِس مسجِد پر جشنِ ولادت اور دیگر بڑی راتوں کے مواقع پر اور رَمَضانُ المبارَک میں چَراغاں ہوتا ہے اور اُس میں مسجِد ہی کا چندہ استِعمال کیا جاتا ہے۔ عافِیت اِسی میں ہے کہ چَراغاں وغیرہ کے لئے الگ سے چندہ کیا جائے، جتنا چندہ ہو جائے اُسی سے چَراغاں کرلیا جائے اور چَراغاں میں جو کچھ بجلی خرچ ہوئی اُس کے پیسے بھی اُسی سے ادا کئے جائیں۔

(چندے کے بارے میں سوال جواب، ص20، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

مسجد کے چندے سے حفاظ کی خدمت:

سوال: کیا مسجد کے چندہ کے پیسوں سے رمضان میں ختم قرآن پاک کے موقع پر حفاظ کرام کی خدمت اور لنگر کا انتظام کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: مسجد کا چندہ ان امور میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ قوانین شرع کے مطابق مسجد کے نام پر ملا ہوا چندہ عرف ورواج کے مطابق استعمال ہونا ضروری ہے اور ہمارے ہاں لوگ مسجد کو اس غرض سے چندہ نہیں دیتے کہ اس کو ختم قرآن وغیرہ کے سلسلہ میں خرچ کیا جائے گا بلکہ مسجد کے معروف مصارف میں استعمال کرنے کے لئے دیتے ہیں اور ختم قرآن کی محفل کے انتظامات کے لئے الگ سے چندہ کیا جاتا ہے۔ امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن (متوفی 1340ھ) مسجد کا پیسہ مدرسہ میں خرچ کرنے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہے: ''وقف جس غرض کے لئے ہے اس کی آمدنی اگرچہ اس کے صرف سے فاضل ہو دوسری غرض میں صرف کرنی حرام ہے، وقف مسجد کی آمدنی مدرسہ میں صرف ہونی درکنار دوسری مسجد میں بھی صرف نہیں ہو سکتی، نہ ایک مدرسہ کی آمدنی مسجد یا دوسرے مدرسہ میں۔''

(فتاوی رضویہ، ج16، ص 206-205، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ختم قرآن کے نام پر کیا گئے چندے کا استعمال:

سوال: رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مساجد میں نماز کے بعد یہ اعلان ہوتا ہے کہ ''ستائیسویں شب ختم قرآن پاک کے سلسلہ میں پروگرام کا انعقاد ہوگا، جو اس میں حصہ ڈالنا چاہے رابطہ فرمائے'' کیا اس نام سے ملنے والے چندہ کو مسجد میں ہونے والے دیگر پروگرام مثلاً گیارہویں شریف یا بارہویں شریف کی محفل کے انتظام کے سلسلہ میں یا امام ومؤذن کی تنخواہیں اس میں سے دے سکتے ہیں؟

جواب: ختم قرآن کے نام سے ملنے والے چندہ کو صرف ختم قرآن کی محفل سے متعلقہ امور میں استعمال کرنا ضروری ہے، مسجد میں ہونے والے دیگر پروگرام یا امام

ومؤذن کی تنخواہوں میں اس چندہ کو صرف نہیں کر سکتے۔ کیونکہ چندہ کے بارے میں اُصول ہے کہ چندہ جس خاص مدّ میں استعمال کرنے کے لئے لیا جائے اسی مدّ میں اس کو ستعمال کرنا ضروری ہوتا ہے اور اسے کسی دوسری مدّ میں استعمال نہیں کر سکتے۔ اگر چندہ بچ جائے تو جن لوگوں نے دیا تھا اُن کو واپس کر دیا جائے یا اُن کی اجازت سے کسی دوسری مدّ میں استعمال کر لیا جائے جبکہ چندہ والے کا علم ہو سکے اور اگر یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کس کس نے دیے تھے تو پھر کسی دوسری مسجد کی ختم قرآن کی محفل میں اُس کو استعمال کر لیا جائے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اگلے سال ہونے والی ختم قرآن کی محفل میں استعمال کیا جائے۔ امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن (متوفی 1340ھ) ارشاد فرماتے ہیں: ''چندہ کا روپیہ جو کام ختم ہو کر بچے لازم ہے کہ چندہ دینے والوں کو حصہ رسد واپس دیا جائے یا وہ جس کام کے لئے اب اجازت دیں اس میں صرف ہو، بے ان کی اجازت کے صرف کرنا حرام ہے، ہاں جب ان کا پتا نہ چل سکے تو اب یہ چاہیے کہ جس طرح کے کام کے لئے چندہ لیا تھا اسی طرح کے دوسرے کام میں اٹھائیں، مثلاً تعمیرِ مسجد کا چندہ تھا مسجد تعمیر ہو چکی تو باقی بھی کسی مسجد کی تعمیر میں اٹھائیں، غیر کام مثلاً تعمیر مدرسہ میں صرف نہ کریں، اور اگر اس کا دوسرا کام نہ پائیں تو وہ باقی روپیہ فقیروں کو تقسیم کر دیں۔ درمختار میں ہے: ''ان فضل شئی ردللمتصدق ان علم والا کفن به مثله والا تصدق به'' یعنی اگر چندہ سے کچھ بچ جائے تو دینے والا اگر معلوم ہو تو اسے واپس کیا جائے گا ورنہ اس جیسے فقیر کے کفن پر صرف کیا جائے یا صدقہ کر دیا جائے۔''

(فتاوی رضویہ، ج 16، ص 206، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: ''ایسے چندوں سے جو روپیہ فاضل بچے وہ چندہ دہندگان کا ہے انہیں کی طرف رجوع لازم ہے وہ دیگ وغیرہ جس امر کی اجازت دیں وہی کیا جائے، ان میں جو نہ رہے اس کے عاقل بالغ وارثوں کی طرف رجوع کی جائے اگر ان میں کوئی مجنون یا نابالغ ہے تو باقیوں کی اجازت صرف اپنے حصص کے قدر میں معتبر ہوگی

صبی ومجنون کا حصہ خواہی نخواہی واپس دینا ہوگا، اور اگر وارث بھی نہ معلوم ہوں تو جس کام کے لئے چندہ دہندوں نے دیا تھا اسی میں صرف کریں، وہ بھی نہ بن پڑے تو فقراء پر تصدق کر دیں، غرض بے اجازت مالکان دیگ لینے کی اجازت نہیں۔''

(فتاوی رضویہ، ج16، 134، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مسجد کے چندے سے کمیٹی ڈالنا جائز نہیں:

سوال: مسجد کے چندے سے کمیٹی ڈال سکتے ہیں؟

جواب: مسجد کے لئے وقف شدہ آمدنی کو مسجد کے مصرف کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا بی سی (کمیٹی) بھی نہیں ڈالی جا سکتی۔

(وقار الفتاوی، ج2، ص315، بزم وقار الدین، کراچی)

مسجد کا مال کسی کو قرض نہیں دے سکتے

البحر الرائق میں ہے منتظمِ وقف کے لئے جائز نہیں کہ مسجد کے مال کو قرض دے۔ اگر قرض دیا تو اس پر تاوان لازم ہوگا۔

(البحر الرائق، کتاب القضاء، باب التحکیم، جلد7، صفحہ24، دار الکتاب الإسلامی، بیروت)

امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ الرحمن فرماتے ہیں: ''متولی کو روا نہیں کہ مال وقف کسی کو قرض دے یا بطور قرض اپنے تصرف میں لائے۔''

(فتاوی رضویہ شریف، جلد16، صفحہ574، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مسجد کے چندے سے پرائز بانڈز خریدنے کی اجازت نہیں:

سوال: مسجد کے متولی کا چندے کی رقم سے سرکاری بانڈز خریدنا کیسا ہے؟ تاکہ انعام نکلنے کی صورت میں مسجد کا فائدہ ہو۔

جواب: مسجد کے چندے سے پرائز بانڈز خریدنا منع ہے کیونکہ چندہ مصارف معہودہ (یعنی مخصوص مد) میں استعمال کرنے کے لئے ہوتا ہے اور پرائز بانڈز خریدنا ان مصارف میں سے نہیں لہٰذا اس کی اجازت نہیں۔

امام کے انتقال کے بعد ان کے گھر والوں کی خدمت:

سوال: کسی مسجد کے امام صاحب کا انتقال ہو جائے تو جس طرح زندگی میں وہ امامت کا مشاہرہ لیتے تھے، کیا انتظامیہ مسجد انتقال کے بعد مسجد کے فنڈ سے اُس کے گھر والوں کو وہ مشاہرہ دے سکتے ہیں؟

جواب: مسجد انتظامیہ کا اس طرح مسجد کے فنڈ سے سابقہ امام کے گھر والوں کو پیسے دینا اور گھر والوں کا لینا جائز نہیں ہے۔ امام کے انتقال کے بعد اس امام صاحب کا مسجد سے اجارہ ختم ہو گیا۔ اب جب امام صاحب کے گھر والوں میں سے کسی کا باقاعدہ مسجد کے متعلقات میں سے کسی کام کا اجارہ نہیں ہوا تو اب ان کو اجرت بھی نہیں دی جاسکتی کیونکہ تنخواہ کام کرنے کے عوض ہوتی ہے۔ مسجد کے چندہ سے امام صاحب کے گھر والوں کو خیر خواہی کے طور پر بھی رقم نہیں دی جاسکتی کیونکہ شرعی طور پر مسجد کا چندہ مسجد کے مصالح میں خرچ ہوتا ہے اور بطورِ مدد کسی کو چندہ سے دینا مصالحِ مسجد میں سے نہیں ہے۔

البتہ اگر مخیّر حضرات اپنی جیب سے یا انتظامیہ اور اہلِ محلّہ مل کر سابقہ امام صاحب کے گھر والوں کی خدمت کے لئے علیحدہ سے چندہ کریں تو یہ نہ صرف جائز بلکہ بہت اچھا اور کارِ خیر ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ ترجمہ: نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی۔ (سورۃ رحمٰن، آیت نمبر 60)

مسجد کے چندہ کو ادھار دینا گناہ ہے:

سُوال: مسجد کے چندے سے کسی محلّہ دار وغیرہ کو ادھار دے سکتے ہیں؟

جواب: نہیں دے سکتے، دیں گے تو گناہ گار ہوں، اگر رقم ڈوب گئی تو ادھار دینے والے کو تاوان بھی دینا ہوگا۔ اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مُتَوَلّی کو روا (یعنی جائز) نہیں کہ مالِ وقف کسی کو قرض دے یا بطورِ قرض اپنے تصرُّف میں لائے۔ (فتاوی رضویہ، ج 16، ص 574، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

انت کو استعمال میں لانا گناہ ہے:

سُوال :اگر کسی کے پاس اَمانۃً مسجِد کا چندہ رکھوایا گیا اور اُس نے اَمانت کی رقم لو اپنے لئے بطورِ قرض لیکر خرچ کر دیا ہو، اُس کو کیا کرنا چاہئے؟

جواب :مسجِد خواہ غیر مسجِد کسی کی امانت اپنے صَرف میں لانا اگرچہ قرض سمجھ کر سو حرام و خِیانت ہے۔ توبہ و اِستِغفار فرض ہے اور تاوان لازم، پھر (اُتنی ہی رقم) دے ینے سے تاوان ادا ہو گیا، وہ گناہ نہ مٹا جب تک توبہ نہ کرے۔

(فتاوی رضویہ، ج 16، ص489، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

چندے کا غلط استعمال اور تاوان

مسجد کا مدرسے کی رقم کا ذاتی استعمال کرنا گناہ ہے:

سوال: مسجد یا مدرسے کیلئے کیا ہوا چندہ اگر مُتوَلّی اپنے ذاتی استعمال میں لے آئے تو اُس کیلئے کیا حکم ہے؟ اگر یہی کام غیر مُتوَلّی سے سرزد ہو تو کیا کرے؟

جواب: چندے کی رقم کا ذاتی استعمال کرنا حرام اور گناہ ہے چاہے متولی کرے یا غیر متولی، اور جو بھی کرے اس پر اتنی رقم کا تاوان لازم ہے اور توبہ بھی کرنی ہوگی۔

خزانچی کا مسجد کی رقم کا ذاتی استعمال ناجائز ہے:

سوال: مسجد کا خزانچی اگر مسجد کے چندے کو اپنے کسی ذاتی کام میں لگا دے جبکہ اس کی اپنی ذاتی رقم گھر میں موجود ہے اور یہ نیت ہو کہ ابھی میں مسجد کی رقم کو استعمال کر لیتا ہو بعد میں گھر سے لیکر مسجد کے چندے میں ڈال دوں گا کیا اس طرح کر سکتے ہیں؟

جواب: اس طرح کرنا ناجائز و گناہ ہے۔

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور اگر وقف کا روپیہ اپنے کام میں صرف کر دیا پھر اُتنا ہی اپنے پاس سے وقف میں خرچ کر دیا تو تاوان سے بری ہے۔ مگر ایسا کرنا جائز نہیں۔'' (بہار شریعت جلد 2، ص 584، مکتبہ اسدیہ، کراچی)

تاوان کی ادائیگی کی صورتیں:

سوال: متولی یا غیر متولی تاوان کیسے ادا کریں گے؟

جواب: تاوان کے احکام مُتوَلّی اور غیر مُتوَلّی کے لئے الگ الگ ہیں۔ اگر مسجِد یا مدرَسہ موجود ہیں اور ان کا کوئی مُتوَلّی بھی ہے تو ان کی مزید تعمیر کے لئے یا ان کے مَصارِف (اَخراجات) کے لئے جو چندہ مُتوَلّی کے پاس جمع ہوتا ہے یہ مسجد یا مدرَسے کے لئے ہِبہ ہوتا ہے اور مُتوَلّی، مسجد یا مدرَسہ کی طرف سے وَکیل بِالقَبض ہوتا ہے لہٰذا چندے کے مُتوَلّی کے قبضے میں آتے ہی ہِبہ تام (یعنی ہِبہ مکمّل) ہو جاتا ہے اور چندہ مسجد یا مدرَسے

کی مِلک میں آجاتا ہے اور مالک کی مِلک سے نکل جاتا ہے۔ اگر مُتَوَلّی اس چندے کو اپنے ذاتی کام میں خرچ کریگا تو اس پر لازم آئے گا کہ جتنا روپیہ اس نے اپنے ذاتی کام میں خرچ کیا ہے اُتنا اپنے پلّے سے اُسی کام میں لگادے جس کام کے لئے چندہ لیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ توبہ بھی کرے۔

اگر چندہ لینے والا غیرِ مُتَوَلّی ہے یا جس چیز کے لئے چندہ لیا گیا ہے اس کا کوئی مُتَوَلّی نہیں یا ابھی مسجد یا مدرَسہ وغیرہ بنانے کی ترکیب ہے اور اس کے لئے چند افراد چندہ جمع کر رہے ہیں، تو ایسی صورت میں چُونکہ کوئی مُتَوَلّی نہیں لہٰذا جب تک چندہ اس کام میں صَرف نہیں ہو جاتا جس کے لئے لیا گیا ہے تو اُس وقت تک چندہ دِہَندہ (یعنی چندہ دینے والے) کی مِلک پر باقی رہے گا لہٰذا ان چندہ وُصول کرنے والوں میں سے کسی نے بھی چندے کو اپنے ذاتی کام میں خرچ کر دیا تو اب اس پر واجِب ہے کہ جتنی رقم اِس نے اپنے ذاتی کام میں خَرچ کی ہے اُتنی ہی رقم چندہ دِہَندہ (یعنی جس نے چندہ دیا تھا اُس) کو واپس کرے کہ چندہ ابھی چندہ دِہَندہ (یعنی چندہ دینے والے) کی مِلک میں باقی تھا اور اگر اس نے بلا اجازتِ چندہ دِہَندہ اپنی طرف سے اس کام میں رقم خرچ کر دی جس کام کے لئے چندہ لیا جا رہا تھا تو بھی بَری نہ ہوگا۔ کیوں کہ اِس نے حقیقت میں جو چندے کی رقم لی تھی وہ تو اپنے کسی کام میں خرچ کر کے ہلاک کر چکا تھا۔ اب جو رقم پلّے سے دے رہا ہے وہ چندہ دینے والے کو دینی ہے یا پھر اس سے نئی اجازت لینی ضَروری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ توبہ بھی کرے۔

اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت امام اَحمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں": اس پر توبہ فرض ہے اور تاوان ادا کرنا فرض ہے جتنے دام اپنے صَرف (ذاتی استعمال) میں لایا تھا اگر یہ اس مسجد کا مُتَوَلّی تھا تو اُسی مسجد کے تیل بتّی میں صَرف کرے دوسری مسجد میں صَرف کر دینے سے بھی بَرِئُ الذِّمّہ نہ ہوگا اور اگر مُتَوَلّی نہ تھا تو جس نے اسے دام (چندہ) دیئے تھے اُسے واپس کرے کہ تمہارے دیئے ہوئے داموں (یعنی چندے) سے اِتنا خرچ ہوا

اور اتنا باقی رہا تھا کہ تمہیں دیتا ہوں۔اس لئے کہ اگر وہ مُتَوَلّی ہے تو تسلیم تام ہوگئی (یعنی سپرد کرنا مکمّل ہوگیا) ورنہ چندہ دینے والے کی مِلک پر باقی ہے۔

(فتاوی رضویہ ، ج 16، ص 461، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:"کسی شخص نے لوگوں سے مسجد بنانے کے لئے چندہ جمع کیا اوران دراہم (روپیوں) کواس نے اپنی ذاتی ضَروریات پر خرچ کرلیا پھراس کے بدلے میں مسجِد کی ضَرورت میں اپنا مال خرچ کیا تو ایسا کرنے کا اس کو کوئی اِختیار نہیں ہے اگراس طرح کرلیا،تو اگر چندہ دینے والوں کو جانتا ہے تو چندہ دینے والوں کو اُس کا تاوان (اُتنی ہی رقم)واپس کرے یاان سے نئی اجازت لے۔ (فتاوی عالمگیری ج2ص480)

جس کو تاوان دینا تھا وہ انتقال کرگیا یا معلوم نہ ہو تو کیا حکم ہے:

سوال:جس سے چندہ لیا تھا ذاتی استعمال کی صورت میں اسے اپنے پلے سے واپس کرنی تھی ،مگر وہ انتقال کرگیا یا اس کا معلوم ہی نہیں تو اب کیا کریں؟

جواب:اگر وہ فوت ہو چکا ہو تو اُس کے وارِثوں کو دے اگر بالِغ وارِث کسی اور نیک کام میں صَرف کرنے کی اجازت دے دیں تو جو جو اِجازت دیگا اُسی کے حصّے میں سے صَرف کیا جاسکتا ہے اور اگر ان میں نابالِغ یا پاگل بھی ہیں تو ان کا حصّہ ہرصورت میں ادا کرنا واجِب ہے، کیونکہ وہ اجازت دینے کے شرعاً اہل نہیں۔اگر چندہ دینے والے کا کوئی وارِث نہ ہو یا کسی طرح چندہ دینے والے کا پتا نہ لگے تو اب چندہ جس مَدّ میں (یعنی جس کام کے لئے)لیا تھا اُسی طرح کے کام میں تاوان والی رقم خرچ کردے،اگر یہ بھی نہ بن پڑے تو اس کا حکم لُقطے کے مال (یعنی گری پڑی ملنے والی چیز) کی طرح ہے یعنی مساکین میں خیرات کردے یا کسی بھی مَصْرَفِ خیر مَثَلاً مسجد مدرَسہ وغیرہ میں بھی صَرف کرسکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:"چندے کا روپیہ چندہ دینے والوں کی مِلک رہتا ہے جس کام کے لئے وہ دیں، جب اس میں صَرف نہ ہو تو فرض ہے کہ انہیں کو واپس دیا جائے یا کسی دوسرے کام کے لئے (استِعمال کرلیں جس کی)وہ اجازت دیں،

ان (چندہ دینے والوں) میں جو (زندہ) نہ رہا ہو ان کے وارِثوں کو دیا جائے یا ان کے عاقِل بالِغ (ورثا) جس کام میں (صَرف کرنے کی) اجازت دیں (اس میں استعمال کریں) ہاں جو ان میں (زندہ) نہ رہا اور ان کے وارث بھی (زندہ) نہ رہے یا پتا نہیں چلتا یا معلوم نہیں ہوسکتا کہ کس کس سے لیا تھا کیا کیا تھا وہ مِثلِ مالِ لُقطہ ہے۔ مَصرفِ خیر مِثلِ مسجِد اور مدرَسہ اہلِ سنّت و مَطبعِ اہلِ سنّت وغیرہ میں صَرف ہوسکتا ہے۔ وھُوَ تعالٰی اعلم۔ (فتاوی رضویہ، ج23، ص563، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

چندہ غیرمصرف میں استعمال کرنا:

سوال : چندہ اگر کسی نے غیرمصرف میں خرچ کرنا کیسا اور اس کا تاوان (ضمان) ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب : قصداً چندہ غیرمصرف میں استعمال کرنا ناجائز اور گناہ ہے، اس کے تاوان کی ادائیگی کی بھی مذکورہ بالا دو صورتیں بنیں گی کہ متولی نے خرچ کیا تو اپنے پلے سے مصرف میں خرچ کردے اور اگر غیرمتولی نے ایسا کیا تو مالک کو اتنی رقم کا تاوان دے۔

چندے کی رقم گم ہوگئی:

سوال : کسی کے پاس چندے کی رقم اَمانتاً رکھی ہوئی تھی اور وہ گم ہوگئی یا کسی نے چُرا، یا چھین لی ایسی صورت میں بھی کیا اُس کو تاوان دینا ہوگا؟

جواب: امانت کا مال اگر اچھی طرح سنبھال کر رکھا اور ضائع ہوگیا تو تاوان نہیں ورنہ ہے۔ امام اہلسنت سے سوال ہوا کہ" مُتَوَلّی وَقف کے مَسکَن (یعنی مکان) و صندوق سے مالِ وَقف چوری ہوگیا تاوان لازِم ہے یا نہیں؟" تو جواباً ارشاد فرمایا: اگر مُتَوَلّی نے کوئی بے اِحتیاطی نہ کی تو اُس پر تاوان نہیں، اگر وہ قسم کھالے گا تو اُس کی بات مان لی جائیگی اور اگر بے اِحتیاطی کی مَثَلاً صندوق کُھلا چھوڑ دیا، غیر محفوظ جگہ رکھا تو اس پر تاوان ہے۔ (فتاوی رضویہ ملخصاً، ج 16، ص 569، 570، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

مدرسے کے چندے کے غَلَط استعمال میں تاوان کی صورتیں:

سُــوال: مدرَسے کی کسی خاص مد میں لئے ہوئے چندے کے غلط استعمال کی وجہ سے اگر تاوان لازم آئے تو وہ تاوان کسے دینا ہوگا؟

جواب: اس کی درج ذیل صورتیں بنیں گی:

(۱) اگر وہ زکوٰۃ یا فطرہ وغیرہ صدَقاتِ واجِبہ کی رقم یا چیز تھی تو فقیرِ شَرعی کو دینے (شَرعی حِیلہ کرنے) سے پہلے بے جا (مَثَلاً مُدرِّسین کی تنخواہوں یا تعمیراتی کاموں وغیرہ میں) استعمال کی صُورت میں اِس کا تاوان زکوٰۃ یا فطرہ وغیرہ صدقاتِ واجِبہ جس نے دیئے تھے اُسی دینے والے کو ادا کرے۔

(۲) اگر وہ عام صدقاتِ نافِلہ (عطیات DONATION) ہیں تو اگر وہ مدرسے کے مُتوَلّی یا مُتوَلّی کے وَکیل یعنی ناظِم و مُہتمم کو دیدیے گئے مَثَلاً ناظِم کو دیئے گئے اور اس نے اس میں بیجا تصَرُّف کر کے ہَلاک کر دیا تو وہ تاوان کی رقم مدرسہ میں جمع کروائے گا۔

(۳) اور اگر یہ صدَقاتِ نافِلہ، دینے والے کے وکیل ہی کے پاس تھے اور ابھی مدرَسے کو نہیں دیئے گئے تھے اور اس میں بیجا تصرُّف ہوا تو اب تاوان کی رقم چندہ دینے والے کو دی جائے گی اور وہ نہ ہو تو اس کے وُرثاء کو اور وہ نہ ملیں تو کسی فقیرِ شرعی کو دیدیں اگرچِہ وہ فقیرِ شرعی اسی مدرَسے کا طالبِ علم ہو اور طالبِ علم چاہے تو قبضے کے بعد وہ رقم مدرَسے کو دیدے۔

(۴) اگر یہ مسئلہ کھانے وغیرہ کے مُتعلِّق ہو مَثَلاً ناظم نے مدرَسے کا کھانا کسی غیرِ مستحق کو کھلا دیا تو اس صورت میں تاوان کی رقم مدرَسے میں جمع کروائی جائے گی۔ اور ان سب صورَتوں میں توبہ بھی لازم ہوگی۔

زکوٰۃ وفطرہ کو بغیر حیلہ شرعی کے غیر مصرف میں استعمال کر دیا:

سوال: کسی چندہ وصول کرنے والے نے زکوٰۃ یا فطرہ بغیر حِیلہ شَرعی کے غیرِ

مَصرَفِ زکوٰۃ وفِطرہ میں خرچ کر ڈالا ہو تو اس کی توبہ کا کیا طریقہ ہے؟

جواب :بالفرض کسی نے زکوٰۃ یا فطرہ کی رقم کو بغیر حیلہ شَرعی غیر مَصرَفِ زکوٰۃ وفِطرہ میں خرچ کر ڈالا تو توبہ کے ساتھ ساتھ اُس پر تاوان بھی لازِم آیگا۔ مَثَلاً کسی چندہ وصول کرنے والے نے بغیر حیلہ کئے وہ رقم تعمیرِ مسجِد یا مدرِّس کی تنخواہ یا اسی طرح کے نیک کاموں میں صَرف کر دی تو توبہ کے ساتھ ساتھ اُسے پلّے سے زکوٰۃ وفطرہ کے مالکان کو تاوان ادا کرنا ہوگا، اِس کیلئے فَقَط زبانی توبہ کافی نہیں۔

زکوٰۃ وفطرہ کے مالکان کا معلوم نہ ہو تو کیا حکم ہے:

سُوال: کئی افراد کی زکوٰۃ، فطرے کی رقم بغیر حیلہ کئے غیرِ مَصرف میں مَثَلاً تعمیرِ مسجد و مدرَسہ اور امام ومؤَذِّن اور مدرِّسین وغیرہ کی تنخواہوں میں استِعمال کر ڈالی! مسئلہ معلوم ہونے پر اب نادِم ہے۔ زکوٰۃ وفطرہ دینے والوں یا ان کے وکیلوں وغیرہ کی کوئی پہچان نہیں۔ رقم کی گنتی بھی نہیں معلوم، اس کا کیا حل ہے؟

جواب :اگر اصل مالِکان یا ان کے وکیلوں کا کسی بھی صورت میں معلوم نہ ہو سکے یا ان کا انتقال ہو گیا ہو اور وُرَثاء تک رسائی ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں اگر رقم یاد ہے تو شخصِ مذکور (یعنی جس نے یہ غلطی کی ہے وہ) اتنی رقم فُقَراء پر تصدُّق (خیرات) کر دے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کی کثرت کرتا رہے یوں اُمید ہے کہ اللہ تبارک وَتعالیٰ اس کے حقِ عبد سے سُبکدوشی کی کوئی سبیل فرمادے۔ اور اگر یہ بھی یاد نہیں کہ کتنی رقم تھی جو کہ غیرِ مَصرف میں استعمال کر ڈالی اور اس پر دُرست اِطّلاع کی بھی کوئی سبیل نہیں تو ایسی صورت میں تحَرّی کرے یعنی غور کرے کہ اندازاً کتنی رقم اس نے خرچ کی ہوگی پھر جتنی رقم پر گمان غالب ہو احتیاطاً اس سے کچھ زیادہ رقم فُقَراء کو صدَقہ کر دے۔

چندے کی رقم کو اپنی رقم کے ساتھ ملا دینا:

سُوال: کسی نے مدرَسے کے چندے کی رقم اپنی ذاتی رقم میں اِس طرح ملا دی

کہ ایک ہی طرح کے سب نوٹ آپس میں مل گئے اور مقصد یہ تھا کہ جب ضَرورت پڑے گی نکال کر مدرَسے پر خرچ کردوں گا۔ اُس کیلئے کیا حکم ہے؟

جواب : اگرچہ اُس کی نیّت رقم کھا جانے کی نہیں تھی تاہم وہ گنہگار ہے کیوں کہ چندے کی رقم اپنے ذاتی مال میں اِس طرح ملا دینا کہ نوٹوں وغیرہ کی شناخت نہ رہے جائز نہیں۔ نیز اِس میں مزید قَباحتیں بھی ہیں مَثَلاً اگر کسی کو معلوم ہوگیا تو تُہمت لگے گی، فوت ہوگیا تو وہ رقم ڈُوب جانے کا اِمکان موجود ہے۔ چندے کی رقم اپنے گھر وغیرہ میں رکھنی پڑے تب بھی اُس میں چِٹھی لکھ کر ڈالدینی چاہئے کہ یہ فُلاں فُلاں مدّ میں فُلاں فُلاں سے اِتنا اِتنا لیا ہوا چندہ ہے۔ بَہر حال کوئی بھی ایسی تدبیر اِختیار کرنی چاہئے جس سے دنیا میں بعد والوں کو آسانی اور آخرت میں اپنی گلو خَلاصی ہو۔ چندے کی رقم اپنے مال میں خلط مَلط کردینے کی مُمانَعت کی مُتَعلِّق اعلیٰ حضرت ایک سُوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''جبکہ وہ اَشرَ فیاں وکیل (یعنی چندہ لینے والے) نے اپنے مال میں خَلط کرلیں (یعنی اِس طرح مِلا ڈالیں) کہ اب تمیز نہیں ہوسکتی (تو چندہ دینے والے کا) وہ مال ہلاک ہو گیا اور وکیل (یعنی لینے والے پر) اس کی ضَمان (تاوان) لازِم ہوئی۔ کیونکہ کسی کے مال کو اپنے مال میں ملا دینا اسے ہَلاک کرنا ہے اور ہَلاک کرنے والا غاصِب (یعنی غصب کرنے والے) کی طرح ہے اور غَصَب پر ضَمان (تاوان) ہے۔

(فتاوٰی رضویہ ملخصاً، ج 23، ص 554، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

دارالسلام میں جہالت عذر نہیں :

سُــوال : مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اگر یہ اغلاط ہوں تو کیا حکم ہے؟ کیا اس صورت میں تاوان میں رعایت ہوگی؟

جــواب : یہاں جَہالت عُذر نہیں، اِس نے کیوں نہیں سیکھا! کہ جس کو چندہ جمع کرنا ہو یا چندہ خرچ کرنا ہو اُس کیلئے اِس کے ضَروری مسائل جاننا فرض ہے۔ نہیں سیکھا تو فرض کا تارِک اور گنہگار ہوا، جہاں تاوان کی صورت ہوگی وہاں تاوان بھی دینا ہوگا۔

مدرسہ کے چندے اور کھانے کا استعمال

مدرسہ کے لیے جمع شدہ چندے کا استعمال:

سُوال: مدرسہ کے لیے جمع شدہ چندے کو کس طرح استِعمال کیا جائے؟

جواب: مدرسہ کے لیے جمع شدہ چندے کو وہاں کے عرف کے مطابق استعمال کیا جائے گا مثلاً مدرسین اور دیگر عملہ کی تنخواہیں، طلبا کی خوراک، کھانے کے برتن، مدرسہ کی عمارت یا اس کی اشیاء کی حسب ضرورت مرمت، بجلی، گیس کے بل کی ادائیگی، لائٹیں، پنکھے، ڈیسک وغیرہ۔

مدرسے کا کھانا غیر حقدار نے کھالیا تو کیا حکم ہے:

سُوال: اگر مدرَسے کے طَلَبہ کا کھانا کسی غیر حقدار نے کھالیا تو گناہ و تاوان کس پر؟

جواب: اگر مدرَسے کی اِنتِظامیہ کے مقرَّر کردہ ذِمّہ دار یا کھانا تقسیم کرنے والے نے جان بوجھ کر غیر حقدار کو خود کھانا دیا تو گنہگار ہوا توبہ بھی کرے اور تاوان بھی دے۔ اگر کھانے والے کو بھی پتا ہے کہ میں حقدار نہیں ہوں تو یہ بھی گنہگار ہے مگر اِس صورت میں اِس پر تاوان نہیں، توبہ کرے۔ اگر مدرَسے کا کھانا طلبہ میں بانٹا جارہا تھا اور اس میں کوئی غیر حقدار بھی شریک ہوگیا تو اِس صورت میں تاوان کھانے والے پر ہوگا بانٹنے والے پر نہیں۔

مدرسہ میں بے وقت آنے والے کھانے کا حکم:

سُوال: بعض اوقات لوگ شادی کی دعوت یا میِّت کے ایصالِ ثواب یا بُزرگوں کی نیاز کا کھانا کثیر مقدار میں وہ بھی بے وقت مدرسے میں بھجوا دیتے ہیں۔ یہ کھانا یا تو طَلَبہ کو کام نہیں آتا، یا کچھ کام آتا ہے کچھ بچ جاتا ہے۔ اگر ضائع ہونے کا خوف ہو تو دوسروں کو کھلا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: عام مسلمانوں کو پیش کر دیا جائے۔ بے وقت دیا جانے والا کھانا عُموماً وہ ہوتا ہے جو تقاریب میں بچ جاتا ہے، ضائع ہونے کے خوف سے لوگ مدرَسے وغیرہ میں بھجوا دیتے ہیں، غالِباً یہاں مقصود طَلَبہ کی خدمت نہیں ہوتی، ذِہن یہ ہوتا ہے کہ کسی کے بھی کام آ جائے۔ اِس طرح کا کھانا بارہا مدارِس میں بھی ضائع ہو جاتا ہوگا۔ مدرَسے والوں کو چاہئے کہ ضَرورت نہ ہونے کی صورت میں قبول نہ فرمائیں اگر قبول کر ہی لیا تو اپنی ذمّے داری نبھائیں اور اسے ضائع ہونے سے بچائیں اور ثواب کمائیں، ممکن ہو تو فِرِج میں رکھ دیں اور دوسرے دن کام میں لائیں۔ اِحتیاط اسی میں ہے کہ کھانا وُصول کرتے وقت کھانے کے مالک سے طَلَبہ کو کھلانے کی قید ہٹوا کر ہر ایک کو کھلانے، بانٹنے وغیرہ کا اختیار لے لیا جائے۔

مدرسے میں بچ جانے والے کھانے کا کیا کریں:

سُوال: وہ کھانا جو مدرسے میں پکایا گیا ہو اور بچ جائے دوسرے وقت طَلَبہ بھی نہ کھائیں، خراب ہو جانے کا اندیشہ ہونے کی صورت میں کیا ایسا کھانا مَحَلّے میں تقسیم کر سکتے ہیں؟

جواب: جی ہاں مَحَلّے یا عام مسلمانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

مدنی قافلے والے جامعہ کے کچن سے کھانا نہیں پکا سکتے:

سُوال: اگر جامعہ سے مُلحِقہ مسجد میں مَدَنی قافِلہ قِیام کرے اور شُرکائے قافِلہ جامِعۃ المدینہ کے مَطبَخ (باورچی خانے) میں اپنا کھانا پکالیں تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز نہیں۔ کیوں کہ گیس کا بل، ماچس، برتن وغیرہ سب پر چندے کی رقم صَرف کی جاتی ہے۔ بعض اَوقات ایسا بھی ہوتا ہوگا کہ لوگ جامِعہ کیلئے برتن وغیرہ وَقف کر دیتے ہوں گے۔ ایسی صورت میں بھی باہَر والوں کو استعمال کی شرعاً اجازت نہیں ہو سکتی۔ مَدَنی قافلے والوں کیلئے ضَروری ہے کہ اپنے چولھے برتن وغیرہ کی ترکیب رکھیں،

نمک بھی کم پڑنے کی صورت میں مدرَسے سے نہ لیں۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ یوں کہہ کر بھی نہیں لے سکتے کہ چلوابھی لے لیتے ہیں، پیسے دیدیں گے یا جتنا لیا ہے اُس سے زیادہ دے دیں گے۔

مدنی قافلے والے مدرسہ کا کھانا نہیں کھاسکتے:

سُوال: مَدَنی قافلے کے مسافر جامِعۃ المدینہ یا کسی بھی مدرَسے کے طَلَبہ کا کھانا کھاسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: نہیں کھاسکتے۔

مدارس وجامعات میں مہمان نوازی:

سُوال: مدارس وجامعات میں مہمان آتے ہیں، اُن کی خیر خواہی یعنی کھانا اور چائے پانی وغیرہ مدرسہ کے چندے سے کرسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: جتنا عرف جاری ہو اُتنی مہمان نوازی کرسکتے ہیں مگر واقِعی مہمان ہونے چاہئیں۔

مسجد اور مدرسہ کی اشیاء کا استعمال

مسجد کی اشیاء کا مدرسہ میں مدرسہ کی اشیاء کا مسجد میں استعمال:

سُوال: اگر مسجِد اور مدرَسے کی عمارت ساتھ ساتھ ہو تو ایسی صورت میں مسجِد کی دریاں، رحل، قرانِ پاک وغیرہ مدرَسے میں اور مدرَسے کی اِسی طرح کی اشیاء مسجِد میں استعمال کی جاسکتی ہیں یا نہیں؟

جواب: نہیں کر سکتے۔ جو چیزیں مدرَسے کے طَلَبہ کیلئے کسی نے وَقف کیں وہ طَلَبہ ہی کام میں لائیں اور جو مسجِد میں نَمازیوں کیلئے وقف کی گئیں وہ مسجِد کے نَمازی ہی استعمال کریں۔ ہاں طَلَبہ بھی اگر مسجِد ہی میں آ کر وہاں کے قرانِ پاک میں سے تلاوت کریں تو کوئی حرج نہیں۔ تاہم ان پر اپنا نام و پتا نیز سبق وغیرہ کیلئے قلم سے نشانات نہیں لگا سکتے۔ البتہ وہ مدارِس جن کی الگ سے کوئی حیثیت نہیں ہوتی اور وہ مسجِد ہی کی عمارت میں ایک طرف مخصوص جگہ پر قائم ہوتے ہیں جنہیں "مسجد کا مدرَسہ" بھی کہا جاتا ہے۔ ان میں اگر مدرَسے کی کوئی شے مسجد میں لے جا کر استعمال کی جائے تو حَرَج نہیں کیونکہ عُرفاً ایسی جگہوں کیلئے فرق نہیں کیا جاتا اور استِعمال میں بھی عُرف یہی ہوتا ہے۔

مسجد یا مدرسے کے کولر سے ٹھنڈا پانی بھر کر دکان پر لے کر جانا:

سُوال: اپنی دکان پر یا گھر میں پینے کیلئے مسجِد یا مدرَسے کے کولر سے ٹھنڈا پانی بھر کر لے جانا کیسا؟ اگر مُؤَذِّن صاحِب سے اِجازت لے لی ہو تو؟

جواب: ناجائز ہے۔ مُؤَذِّن، خادِم یا امام بلکہ مُتَوَلّی بھی چندے کی ان چیزوں کو خلافِ شریعت اِستِعمال کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔

غلطی سے مدرسے کا ڈیسک ٹوٹ گیا:

سُوال: کسی کی وجہ سے مدرَسے کا ڈَیسک ٹوٹ گیا کیا کرے؟

جواب: اگر اس کی اپنی غَلَطی سے ڈَیسک ٹوٹا یا کوئی سا نقصان ہوا تو تاوان دینا

ہوگا اگر اپنی غلطی سے ایسا نہیں ہوا تو اِس پر مُؤاخذہ نہیں۔

مدرسے کے ڈیسک پر لکھائی کرنا ممنوع ہے:

سُوال: مدرَسے کے ڈیسک، دروازے اور دیوار وغیرہ پر کچھ لکھنا کیسا؟

جواب: مدرسہ اور مسجد کی چیزوں پر بلکہ کسی دوسرے کے مکان، دُکان دیوار، دروازے یا گاڑی اور بس وغیرہ چیزوں پر بھی بلا اجازتِ شرعی کچھ لکھنا اسٹیکر یا اشتہار چسپاں کرنا ممنوع ہے۔ مَعاذَ اللہ عَزَّ وَجَلَّ بعض بداَخلاق اور گندی ذِہنیت کے لوگ مسجِدوں، مدرَسوں یا عوامی اِستنجا خانوں کی دیواروں اور دروازوں پر فُحش باتیں تحریر کرتے اور گندی تصویریں بناتے ہیں ان کو اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے ڈرتے ہوئے توبہ کرلینی چاہئے نیز اس کا اِزالہ بھی کرنا ہوگا۔

مدرسے کی دیوار یا ڈیسک پر لکھ دیا تو ازالہ کی صورت:

سُوال: مدرَسے وغیرہ کی دیوار یا ڈیسک پر کچھ لکھا اور اب مسئلہ معلوم ہو جانے پر نادِم ہے کیا کرے؟ اِزالے کی کیا صورت ہوگی؟

جواب: اُس لکھائی کو اِس طرح صاف کرے کہ اُس چیز کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچے۔ مَثَلاً ممکن ہو تو پانی والے کپڑے سے آہستہ آہستہ مِٹائے، اگر رنگ خراب ہو جائے یا دھبّہ پڑ جائے تو جو رنگ پہلے سے لگا ہوا ہے اُسی طرح کا رنگ اِس طرح لگائے کہ جو نقص یا بدنُمائی پیدا ہوگئی تھی وہ دُور ہو جائے۔ توبہ بھی کرے۔ اِزالہ کرنے سے قبل ضَرورتاً مدرَسے کی انتِظامیہ یا اُس گھر یا دکان کے مالِک کو اعتِماد میں لے لے تا کہ کسی قسم کا فساد وغیرہ نہ ہو۔ وَقف کے مقامات مَثَلاً مسجِد یا مدرَسے کی انتِظامیہ کا مُعاف کر دینا کافی نہ ہوگا اِزالہ ضَروری ہے۔ ہاں اگر کسی کی ذاتی دیوار وغیرہ پر لکھا تھا، چاکنگ وغیرہ کی تھی تو اُس کا (چوکیدار یا ملازِم یا کرائے دار وغیرہ نہیں بلکہ اصل) مالِک اگر مُعافی دیدے تو اِزالے کی حاجت نہیں۔

حیلہ شرعی کا بیان

حیلہ شرعی کے دلائل:

سوال: حیلہ شرعی دلائل بیان فرما دیجئے۔

جواب :حیلہ شرعی کا جواز قرآن وحدیث اور فقہِ حنفی کی معتبر کُتب میں موجود ہے،اس پر کچھ دلائل درج ذیل ہیں:

(1) حضرتِ سیّدنا ایوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیماری کے زمانے میں آپ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ محترمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک بار خدمتِ سراپا عظمت میں تاخیر سے حاضر ہوئیں تو آپ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے قسم کھائی کہ "میں تندرست ہو کر سو100 کوڑے ماروں گا "صحتیاب ہونے پر اللہ عزوجل نے انہیں سو 100 تیلیوں کی جھاڑو مارنے کا حکم ارشاد فرمایا۔(نور العرفان ص 728 ملخصا) اللہ تبارک وتعالیٰ پارہ 23 سورہ صٓ کی آیت نمبر 44 میں ارشاد فرماتا ہے:﴿وَخُذْ بِیَدِکَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور فرمایا کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر اس سے مار دے اور قسم نہ توڑ۔

(پ 23،صٓ 44)

"عالمگیری "میں حیلوں کا ایک مُستقِل باب ہے جس کا نام " کتابُ الحِیَل " ہے چُنانچہ "عالمگیری کتاب الحیل "میں ہے، "جو حیلہ کسی کا حق مارنے یا اس میں شُبہ پیدا کرنے یا باطل سے فریب دینے کیلئے کیا جائے وہ مکروہ ہے اور جو حیلہ اِس لئے کیا جائے کہ آدمی حرام سے بچ جائے یا حلال کو حاصل کرلے وہ اچھا ہے۔اس قسم کے حیلوں کے جائز ہونے کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے:﴿وَخُذْ بِیَدِکَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ﴾ترجمہ:اور فرمایا کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لیکر اس سے مار دے اور قسم نہ توڑ۔

(فتاویٰ عالمگیری ج6ص390)

(2) حضرتِ سیّدنا عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک

بار حضرتِ سیِّدَتُنا سارہ اور حضرتِ سیِّدَتُنا ہاجِرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں کچھ چپقلش ہو گئی۔ حضرتِ سیِّدَتُنا سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قسم کھائی کہ مجھے اگر قابو ملا تو میں ہاجِرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کوئی عُضو کاٹوں گی۔ اللہ عزوجل نے حضرتِ سیِّدُنا جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرتِ سیِّدُنا ابراھیم خلیلُ اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھیجا کہ ان میں صُلح کروادیں۔ حضرتِ سیِّدَتُنا سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی: ''مَاحِیلَۃُ یَمِیْنِی ؟'' یعنی میری قسم کا کیا حِیلہ ہوگا؟ تو حضرتِ سیِّدُنا ابراھیم خلیلُ اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر وَحی نازِل ہوئی کہ (حضرتِ) سارہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو حکم دو کہ وہ (حضرتِ) ہاجِرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے کان چَھید دیں۔ اُسی وَقت سے عورتوں کے کان چَھیدنے کا رَواج پڑا۔

(غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر ج3 ص295)

(3) اُمُّ المؤمنین حضرتِ سیِّدَتُنا عائشہ صِدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رِوایت ہے کہ دو جہاں کے سلطان، سرورِ ذیشان، مَحبوبِ رحمٰن عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کی خدمت میں گائے کا گوشت (تحفۃً) حاضر کیا گیا، کسی نے عَرض کی: یہ گوشت حضرتِ سیِّدَتُنا بَرِیرہ (بَ۔رِی۔رَہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر صَدَقہ ہوا تھا۔ فرمایا: ((**ھُوَ لَھَا صَدَقَۃٌ وَّلَنَا ھَدِیَّۃٌ**)) یعنی یہ بَرِیرہ کے لیے صَدَقہ تھا ہمارے لیے ہدیّہ ہے۔

(صحیح مسلم ص 541)

اِس حدیثِ پاک سے صاف ظاہر ہے کہ حضرتِ سیِّدَتُنا بَرِیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو کہ صَدَقے کی حقدار تھیں ان کو بطورِ صَدَقہ مِلا ہوا گائے کا گوشت اگرچہ ان کے حق میں صَدَقہ ہی تھا مگر ان کے قبضہ کر لینے کے بعد جب بارگاہِ رسالت میں پیش کیا گیا تھا تو اُس کا حکم بدل گیا تھا اور اب وہ صَدَقہ نہ رہا تھا۔ یوں ہی کوئی مُستحق شخص زکوٰۃ اپنے قبضے میں لے لینے کے بعد کسی بھی آدمی کو تحفۃً دے سکتا یا مسجد وغیرہ کیلئے پیش کرسکتا ہے کہ مذکورہ مُستحق شخص کا پیش کرنا اب زکوٰۃ نہ رہا، ھدِیّہ یا عَطِیّہ ہوگیا۔ فُقَہائے کرام زکوٰۃ کا شَرعی حِیلہ کرنے کا طریقہ یوں ارشاد فرماتے ہیں: زکوٰۃ کی رقم مُردے کی تجہیز وتکفین یا مسجد کی تعمیر

میں صَرف نہیں کر سکتے کہ تَملِیکِ فقیر (یعنی فقیر کو مالِک کرنا) نہ پائی گئی ، اگر ان اُمور میں خَرچ کرنا چاہیں تو اِس کا طریقہ یہ ہے کہ فقیر کو (زکوٰۃ کی رقم کا) مالِک کر دیں اور وہ (تعمیرِ مسجِد وغیرہ میں) صَرف کرے ، اس طرح ثواب دونوں کو ہوگا۔

(بہارِ شریعت ،حصّہ5،ص25)

فقیر کی تعریف:

سُوال: زکوٰۃ وفطرہ فقیر کو دینا ہوتا ہے تو فقیر کی تعریف بھی بیان کر دیجئے۔

جواب: فقیر وہ ہے کہ (۱) جس کے پاس کچھ نہ کچھ ہو مگر اتنا نہ ہو کہ نِصاب کو پہنچ جائے (۲) یا نِصاب کی قدر تو ہو مگر اس کی حاجتِ اَصلیہ (یعنی ضَروریاتِ زندگی) میں مُستَغرَق (گھِرا ہوا) ہو۔ مَثَلاً رہنے کا مکان ، خانہ داری کا سامان ، سُواری کے جانور (یا اسکوٹر یا کار) کاریگروں کے اَوزار ، پہننے کے کپڑے ، خِدمت کیلئے لونڈی ، غلام ، ، علمی شُغل رکھنے والے کے لیے اسلامی کتابیں جو اس کی ضَرورت سے زائد نہ ہوں (۳) اِسی طرح اگر مَدیُون (مقروض) ہے اور دَین (قَرضہ) نکالنے کے بعد نِصاب باقی نہ رہے تو فقیر ہے اگرچِہ اس کے پاس ایک تو کیا کئی نِصابیں ہوں۔

(رَدُّالمُحتار،ج3ص333، بہارِشریعت حصہ 5،ص59)

مسکین کی تعریف:

سُوال: مسکین کی تعریف بھی بیان کر دیجئے۔

جواب: مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو یہاں تک کہ کھانے اور بدن چُھپانے کیلئے اِس کا مُحتاج ہے کہ لوگوں سے سُوال کرے اور اسے سُوال حلال ہے۔ فقیر کو (یعنی جس کے پاس کم از کم ایک دن کا کھانے کیلئے اور پہننے کیلئے موجود ہے) بِغیر ضَرورت و مجبوری سُوال حرام ہے۔

(فتاوٰی عالمگیری ج 1،ص 188)

زکوٰۃ وفطرہ کے حیلہ کا طریقہ:

سُوال: زکوٰۃ وفطرے کے حیلے کا آسان طریقہ بتا دیجئے:۔

جواب: کسی فقیرِ شَرعی کو یا اس کے وکیل کو مالِ زکوٰۃ وفطرہ کا مالک بنا دیا جائے مَثَلاً اُس کو نوٹوں کی گڈی یہ کہہ کر دیدی کہ یہ آپ کی مِلک ہے، وہ اُس کو ہاتھ میں لیکر یا کسی طرح قبضہ کر لے اب یہ اِس کا مالِک ہو گیا اور کسی بھی کام (مَثَلاً مسجِد کی تعمیر وغیرہ) میں صَرف کر دے یا صرف کرنے کے لیے دے دے۔ یوں زکوٰۃ ادا ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں ثواب کے بھی حقدار ہوں گے۔ اِن شاءَاللہ عزّوجلّ۔

شرعی فقیر کے وکیل سے مراد:

سُوال: آپ نے کہا، "شَرعی فقیر یا اس کے وکیل" یہاں وکیل سے کیا مُراد ہے؟

جواب: اِس سے مُراد وہ شخص ہے جسے شَرعی فقیر نے اپنی زکوٰۃ وُصول کرنے کی اجازت دی ہو یا اس نے خود اس سے اجازت لی ہو۔

حیلہ کرتے وقت یہ کہنا کہ "رکھ مت لینا":

سُوال: یا حیلہ کرتے وقت شَرعی فقیر کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ واپَس دے دینا، رکھ مت لینا وغیرہ؟

جواب: نہ کہے۔ بالفرض ایسا بول بھی دیا تب بھی زکوٰۃ کی ادائیگی وحیلے میں کوئی فَرق نہیں پڑے گا کیونکہ صَدَقات وزکوٰۃ اور تُحفہ دینے میں اِس قسم کے شَرطِیہ اَلفاظ فاسِد ہیں۔ اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سنّت، مُجَدِّدِ دین وملّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃُ الرحمٰن فتاویٰ شامی (کتاب الزکاۃ، باب المَصرَف ج3 ص344) کے حوالے سے فرماتے ہیں " ہِبہ (یعنی تحفہ) اور صَدَقہ شرطِ فاسِد سے فاسِد نہیں ہوتے۔"

(فتاوی رضویہ مُخرّجہ، ج10، ص 108)

چیک کے ذریعہ حیلہ:

سُوال: کیا چیک کے ذَرِیعے زکوٰۃ کا حِیلہ ہوسکتا ہے؟

جواب: جی نہیں۔ چونکہ چیک کے ذَرِیعے زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا چیک کے ذریعے زکوٰۃ کا حیلہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔

زکوۃ وفطرہ کی رقم مدارس میں حیلہ کر کے استعمال کرنے کا حکم:

سُوال: زکوٰۃ فِطرے کا حیلہ کر کے اُس رقم کو تبلیغِ دین کے کاموں مَثَلاً مدارِس اور دینی کتابوں کی اشاعت وتقسیم وغیرہ میں استِعمال کرنا کیسا؟

جواب: جائز ہے۔

سیِّد صاحِب کو زکوٰۃ کے حیلے کی رقم دینا کیسا؟:

سُوال: اگر سیِّد غریب ہو تو اُس کو زکوٰۃ کی حیلہ شدہ رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: دے تو سکتے ہیں مگر افضل یہی ہے کہ بغیر حیلہ کے اپنی جیبِ خاص سے رقم نذر کی جائے۔ اِمامِ اَہلسنّت امام اَحمد رَضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رہا یہ کہ پھر اِس زمانۂ پُر آشوب میں حضراتِ ساداتِ کرام کی مواسات (یعنی امداد وغم خواری) کیونکر ہو۔ اَقُول (یعنی میں کہتا ہوں) بڑے مال والے اگر اپنے خالص مالوں سے بطورِ ہدِیّہ (تحفہ کے طور پر) ان حضراتِ عُلیا (یعنی بُلند مرتبہ صاحبان) کی خدمت نہ کریں تو ان (مالداروں) کی (اپنی) بے سعادَتی ہے، وہ وَقت یاد کریں جب ان حضرات (وساداتِ کرام) کے جَدِّ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے سوا ظاہری آنکھوں کو بھی کوئی مَلجا ومَاوا (یعنی پناہ کا ٹھکانہ) نہ ملے گا، کیا پسند نہیں آتا کہ وہ مال جو انھیں کے صدقے میں اُنھیں کی سرکار سے عطا ہوا، جسے عنقریب چھوڑ کر پھر ویسے ہی خالی ہاتھ زیرِ زمین (یعنی قبر میں) جانے والے ہیں، اُن کی خُوشنودی کے لیے اُن کے پاک مبارَک بیٹوں (یعنی سیِّدوں) پر اُس کا ایک حصہ صَرف کیا کریں کہ اُس سخت حاجت کے دن (یعنی بروزِ

قیامت) اُس جواد کریم، رءُوف رَّحیم کے بھاری اِنعاموں، عظیم اِکراموں سے مُشرَّف ہوں۔۔۔۔۔۔

اور مُتَوَسِّط حال والے (یعنی جو زیادہ مالدار نہ ہوں) اگر مَصارِفِ مُستَحَبّہ کی وُسعت نہیں دیکھتے تو بِحَمدِ اللہ وہ تدبیر ممکن ہے کہ زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہو اور خدمتِ سادات بھی بجا ہو یعنی کسی مسلمان مَصرَفِ زکوٰۃ مُعْتَمَد علیہ (یعنی کسی قابلِ اعتماد فقیرِ شرعی) کو کہ اِس کی بات سے نہ پھرے، مالِ زکوٰۃ سے کچھ روپے بہ نیّتِ زکوٰۃ دے کر مالک کر دے، پھر اُس سے کہے: "تم اپنی طرف سے فُلاں سیِّد کی نَذر کر دو" اِس میں دونوں مقصود حاصل ہو جائیں گے کہ زکوٰۃ تو اِس فقیر کو گئی اور یہ جو سیِّد نے پایا نذرانہ تھا، اس کا فرض ادا ہو گیا اور خدمتِ سیِّد کا کامل ثواب اسے اور فقیر دونوں کو مِلا۔ (فتاوٰی رضویہ ج 10، ص 105,106)

حیلے کے بعد رقم لوٹانے کے مُحتاط اَلفاظ:

سُوال: چندہ دیتے یا حیلے میں رقم لوٹاتے وَقت دینی یا سماجی کام کیلئے کُلّی اختیارات دینے کے مُحتاط الفاظ بتا دیجئے۔

جواب: (زکوٰۃ فطرہ وغیرہ صَدَقاتِ واجِبہ کے علاوہ) نفلی چندہ دیتے یا حیلے میں رقم لوٹاتے وَقت دینے والا یہ کہے، "یہ رقم دعوتِ اسلامی (یا یہ ادارہ) جہاں مناسِب سمجھے وہاں نیک و جائز کام میں خرچ کرے۔"

زکوٰۃ کے وکیل کیلئے مُحتاط اَلفاظ:

سُوال: شَرعی فقیر اپنے وکیل کو زکوٰۃ فطرہ لیکر دعوتِ اسلامی کے مَدَنی کاموں میں صَرف کرنے کے کُلّی اختیارات کس طرح دے؟

جواب: وکیل کو کہنے کے مُحتاط الفاظ یہ ہیں: "آپ میرے لئے جو بھی زکوٰۃ فِطرہ وُصول کریں اُسے دعوتِ اسلامی (یا فُلاں فرد یا ادارے) کو یہ کہہ کر دے دیجئے کہ یہ رقم دعوتِ اسلامی (یا فُلاں فرد یا ادارہ) جہاں مناسِب سمجھے نیک و جائز کام میں خرچ

کرے۔"

کُفّار کی امداد کرنا کیسا؟:

سُوال : کیا چندے میں اس طرح کے کلّی اختیارات لے لینے سے اب سماجی ادارے والے کسی کافر یا مُرتد کو دواء فراہم کر سکتے یا اس کی مالی امداد بھی کر سکتے ہیں؟

جواب : نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ "نیک اور جائز کام " کی اجازت لی ہے اور کافر و مُرتد کی مالی امداد یا اُس کی دواء پر رقم خرچ کرنا "نیک اور جائز کام " نہیں۔ چُنانچِہ اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت امام اَحمد رَضا خان علیہ رحمۃُ الرحمٰن فرماتے ہیں: غیر مسلِم کو مالِ وَقف سے بھیجنا تو کسی طرح جائز نہیں کہ وَقف کارِ خیر کیلئے ہوتا ہے اور غیر مسلم کو دینا کچھ ثواب نہیں۔ کَمَا فِی الْبَحْرِ الرَّائِق وغیرہ (یعنی جیسا کہ اَلْبَحْرُ الرَّائِق وغیرہ میں ہے)۔ (فتاویٰ رضویہ، ج 16،ص226)

سماجی ادارے کے اَسپتال میں زکوٰۃ کا استِعمال کرنا کیسا؟:

سُوال: سماجی ادارے کے اَسپتال میں زکوٰۃ استِعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب :اِس میں زکوٰۃ کے صحیح استِعمال میں دشواریاں ہیں مَثَلاً اگر ادارے والوں نے زکوٰۃ کی رقم وُصول کی تو تملیک (یعنی حقدار کو اُس رقم کا مالک بنانا ہوگا اِس) سے پہلے دوائیں وغیرہ نہیں خرید سکتے۔ البتّہ کسی نے رقم لاکر دی کہ اس سے دوائیں خرید کر زکوٰۃ کے طور پر مستحق مریضوں کو دیدینا تو یہ ابتداءً دوائیں خریدنے کا وکیل بنانا اور اس کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی کا وکیل بنانا ہوا۔ لیکن دواؤں کی صورت میں زکوٰۃ کی رقم رکھی رہنے اور ادائیگی میں تاخیر ہونے کا اندیشہ ہے نیز زکوٰۃ کی رقم سے ڈاکٹرز اور دیگر عملے کو تنخواہیں، جگہ کا کرایہ اور بجلی کا بل وغیرہ نہیں دے سکتے۔

فَلاحی اِداروں کیلئے زکوٰۃ کے استِعمال کا طریقہ:

سُوال :سماجی اداروں کے اَسپتالوں میں اور دیگر فلاحی کاموں میں زکوٰۃ د

فطرہ کے استعمال کا مُناسِب طریقہ کیا ہے؟

جواب :تعمیرات، مُشاہَرات (یعنی تنخواہوں) اور کرایوں وغیرہ میں زکوٰۃ، فِطرہ اور واجِب صَدَقات استعمال نہیں کیے جاسکتے۔ ان میں حقدار کو مالِک بنانا شرط ہے، یہاں تک کہ کسی مُستَحِق مریض کا علاج بھی کرنا ہو تو زکوٰۃ کی دواء اُس کے قبضے میں دینی ہو گی۔ اگر اُس کو مالِک بنائے بغیر زکوٰۃ کے پیسے سے انجکشن لگا دیا آپریشن یا ڈاکٹر کی فیس میں ادا کر دیے تو زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ لِہٰذا فِطرہ و زکوٰۃ اور واجِب صَدَقات کا شَرعی حِیلہ کر لیا جائے۔ اب اِس رقم سے سیِّد و امیر غریب وفقیر ہر ایک کا علاج کرنا جائز ہو گیا۔ بہتر یہ ہے کہ قربانی کی کھالیں اور دیگر صَدَقاتِ نافِلہ دینے والوں نیز جس فقیرِ شرعی سے زکوٰۃ وغیرہ کا حیلہ کیا ہے وہ جب رقم وغیرہ لوٹائے تو اُس سے ہر نیک اور جائز کام میں خرچ کرنے کے کُلّی اختیارات لے لئے جائیں۔ ہر رسید پر یہ عبارت لکھ دی جائے "آپ اجازت دیجئے کہ آپ کا نفلی چندہ یا قربانی کی کھال ہمارا ادارہ جہاں مناسب سمجھے وہاں نیک و جائز کام میں خرچ کرے۔" دیکھئے صرف لکھ دینا کافی نہیں، چندہ یا کھال لیتے وقت ایک ایک کو یہ عبارت پڑھائی یا پڑھ کر سنائی اور اُس کھال یا چندے کے اصل مالِک سے منظوری لینی ضَروری ہے۔ ایک مسئلہ یہ بھی ذِہن میں رکھئے کہ اِس کے باوُجود کافِر و مرتد کے علاج پر یہ رقم خرچ کرنا، ناجائز ہی رہیگا۔

مَدَنی قافِلے کے اَخراجات

سُوال: سات اسلامی بھائی دعوتِ اسلامی کے سُنّتوں کی تربیّت کے تین روزہ مَدَنی قافلے کے مسافِر بنے سب نے اَخراجات کیلئے فی کس 92 روپے جمع کروائے مگر ایک نے 63 روپے پیش کئے اور سب مل جُل کر یکساں طور پر کھانا وغیرہ کھاتے رہے، اِس صورت میں کوئی مسئلہ تو نہیں؟

جواب: اگر مل جُل کر خرچ کرنا ہو تو یہ ضَروری ہے کہ سب سے یکساں رقم وُصُول کی جائے ایسا نہ ہو کہ بعض سے کم لی جائے اور کھانا، پینا اور دیگر سہولیات برابر برابر دی جائیں کہ اس صورت میں کم رقم جمع کروانے والے زِیادہ دینے والوں کے حصّے میں بلا اجازتِ شرعی شامِل ہو کر گناہ گار ہوں گے۔ نبیِّ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے فرمایا: ایک مسلمان کا خون، مال اور عزّت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔

(صَحیح مُسلِم ص1386۔1387)

مُفَسِّرِ شہیر حکیم الاُمَّت حضرتِ مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ الحنّان اس حدیثِ پاک کے تحت فرماتے ہیں: یعنی کوئی مسلمان کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی اجازت نہ لے، کسی کی آبرو ریزی نہ کرے، کسی مسلمان کو ناحق اور ظلماً قتل نہ کرے کہ یہ سب سخت جرم ہیں۔

(مراٰۃ ج 6ص553)

لہٰذا مَدَنی قافِلے میں ہر ایک یکساں رقم جمع کروائے اگر یہ ممکن نہ ہو تو جس کے پاس کم رقم ہو کوئی اسلامی بھائی اُس کی کمی پوری کر دے اگر یہ نہ ہو سکے تو امیرِ قافِلہ فقط مُبہَم (یعنی غیر واضح) سا اعلان نہ کرے، بلکہ سب سے فرداً فرداً صَراحۃً (یعنی ایک ایک سے صاف لفظوں میں) اِجازت لے۔ ہاں کم رقم دینے والے کی نشاندہی کر کے اُس کو شرمندہ نہ کیا جائے۔ مَثَلاً امیرِ قافِلہ ایک ایک سے کہے: مَثَلاً ہم نے سب سے فی کس 92 روپے لئے ہیں مگر ایک اسلامی بھائی ایسے ہیں جنہوں نے 63 روپے دیئے ہیں، کیا آپ کی طرف سے اجازت ہے کہ وہ بھی کھانے پینے وغیرہ مُعاملات میں برابر کے شریک

رہیں؟ جو جو اجازت دیں گے صِرف ان ہی کی طرف سے اِجازت مانی جائے گی۔بِالفرض کسی نے اجازت نہ دی تو اُس کا حساب الگ رکھنا ضَروری ہے۔

رَقم یکساں ہو مگر خوراک سب کی یکساں نہیں ہوتی:

سُوال: سب نے برابر برابر رقم جمع کروائی ہے مگر کسی کی خُوراک کم ہوتی ہے اور کسی کی زِیادہ، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ایسی صورت میں کم زیادہ کھانے میں کوئی حَرَج نہیں۔ چُنانچِہ صدرُ الشَّریعہ بدرُ الطَّریقہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بَہُت سے لوگوں نے چندہ کر کے کھانے کی چیز تیار کی اور سب مِل کر اُسے کھائیں گے، چندہ سب نے برابر دیا ہے اور کھانا کوئی کم کھائیگا کوئی زیادہ اس میں حَرَج نہیں۔ اِسی طرح مُسافِروں نے اپنے توشے اور کھانے کی چیزیں ایک ساتھ مِل کر کھائیں اس میں بھی حَرَج نہیں۔ اگرچہ کوئی کم کھائے گا کوئی زیادہ یا بعض کی چیزیں اچھی ہیں اور بعض کی وَیسی نہیں۔

(بہارِشریعت، حصہ 16، ص 24، مکتبۃ المدینہ، کراچی ☆ عالمگیری، ج 5، ص 342, 341)

مَدَنی قافِلہ اور مہمانوں کی خیر خواہی:

سُوال: دعوتِ اسلامی کے سُنّتوں کی تربیّت کے مَدَنی قافِلوں میں سفر کے دَوران اکثر بعض مقامی اسلامی بھائیوں یا راہ گیروں وغیرہ کو بھی کھانے میں شامِل کر لیا جاتا ہے اس کی کیا صورت ہونی چاہئے؟

جواب: امیرِ قافِلہ پہلے دن ابتِداء میں ہی ایک ایک سے اِس کی بھی اجازت لے لے۔ اگر ایک فرد نے بھی اجازت نہ دی تو اُس کا حساب الگ رکھنا ضَروری ہو جائیگا۔

اِختِتامِ قافِلہ پر بچی ہوئی رَقم کا مَصرَف کیا؟:

سُوال: مَدَنی قافِلے کے اِختِتام پر اگر مُشترِکہ رقم بچ جائے تو اس کے کیا مَصارِف ہیں؟

جواب:امیرِ قافلہ روز کا روز حساب لکھ لیا کرے صرف اپنی یاداشت پر اعتماد کرنے میں غلطیوں کا کافی امکان ہے۔واجِب ہے کہ پائی پائی کا حساب کر کے ہر ایک کو اُس کے حصّے کی رقم لوٹا دی جائے۔ہاں جو مرضی سے اپنے حصّے کی رقم کسی کارِخیر میں دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔باہَم مشورہ سے مَثَلاً یہ بھی طے کیا جاسکتا ہے کہ ہم بچی ہوئی رقم اِسی مسجِد کے چندے میں پیش کر دیتے ہیں۔

دوسرے کے خرچ پر سفر کیا، رقم بچ گئی، کیا کرے؟:

سُوال:اگر کسی نے دوسرے اسلامی بھائی کی رقم سے مَدَنی قافِلے میں سفر کیا اُس میں سے کچھ رقم بچ گئی تو کیا اپنی مرضی سے اس کو کسی کارِ خیر میں خرچ کر سکتا ہے؟

جواب:نہیں کرسکتا۔وہ تو اُس رقم میں سے دوسروں کو کھلا بھی نہیں سکتا۔نہ مَدَنی قافِلے کے لَوازِمات سے ہٹ کر اِس میں سے کچھ خرچ سکتا ہے۔جو کچھ رقم بچ گئی وہ دینے والے کو لوٹانی ہوگی ورنہ گُنہگار ہوگا۔اِس کی صورت یہی ہے کہ اَخراجات دینے والے سے صاف صاف لفظوں میں ہر طرح کی اجازت لے لی جائے۔مَثَلاً اُس سے عرض کی جائے کہ آپ کی رقم میں سے ہوسکتا ہے کہ دیگر اسلامی بھائیوں کو بھی کھانا کھلایا جائے، اِس میں سے نئے اسلامی بھائیوں کو تحفے بھی دیئے جاسکتے ہیں بچ جانے کی صورت میں دعوتِ اسلامی کے چندے میں بھی شامل کر سکتے ہیں۔لہٰذا برائے کرم! ہر نیک اور جائز کام میں خرچ کرنے کی کُلّی اجازت عنایت فرما دیجئے۔مَدَنی قافِلے میں راہِ خدا عزوجل میں پلّے سے خرچ کرنے والے کیلئے ثواب بھی زیادہ اور مسائل بھی کم۔خرچ میں میانہ روی سے کام لیجئے اور دونوں جہاں کی برکتیں لوٹئے۔

آدھی زندگی، آدھی عقل اور آدھا علم!

حضرتِ سیِّدُنا عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما روایت کرتے ہیں، تاجدارِ رِسالت، شَہَنشاہِ نُبُوَّت، پیکرِ جُود وسخاوت، سراپا رَحمت، محبوبِ رَبُّ الْعِزَّۃ عزّوجلّ و صلّی اللہ

تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: (۱) خرچ کرنے میں میانہ روی آدھی زندگی ہے اور (۲) لوگوں سے مَحَبَّت کرنا آدھی عقل ہے اور (۳) اچھا سُوال آدھا علم ہے۔

(شُعَبُ الْاِیْمان ج 5ص 254۔ 255حدیث 6568)

اس حدیث مبارَک کے تینوں حصوں کی جدا جدا شرح کرتے ہوئے مُفَسِّرِ شہیر حکیمُ الْاُمَّت حضرتِ مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ الحنّان فرماتے ہیں: سُبْحٰنَ اللہ عزَّوَجلَّ عجیب فرمانِ عالی ہے! (۱) خوش حالی کا دارومدار دو چیزوں پر ہے: کمانا، خرچ کرنا۔ مگر ان دونوں میں خرچ کرنا بَہُت ہی کمال ہے۔ کمانا سب جانتے ہیں، خرچ کرنا کوئی کوئی جانتا ہے۔ جسے خرچ کرنے کا سلیقہ آ گیا وہ اِنْ شَاءَ اللہ عزَّوَجلَّ ہمیشہ خوش رہے گا (۲) عَقل کے سارے کام ایک طرف ہیں اور لوگوں سے مَحَبَّت کر کے انھیں اپنا بنالینا ایک طرف، لوگوں کی مَحَبَّت سے دینی دُنیاوی ہزاروں کام نکلتے ہیں، لوگوں کے دلوں میں اپنی مَحَبَّت پیدا کرلو پھر (نیکی کی دعوت دیکر) انھیں نَمازی حاجی غازی (جو چاہو) بنادو۔ مگر خیال رہے کہ لوگوں کی مَحَبَّت حاصِل کرنے کے لیے اللہ ورسول (عزَّوَجلَّ و صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم) کو ناراض نہ کرلو بلکہ لوگوں سے مَحَبَّت اللہ ورسول (عزَّوَجلَّ و صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم) کی رِضا کے لیے ہونی چاہئے (۳) علم و تعلیم میں دو چیزیں ہوتی ہیں، شاگرد کا سُوال اُستاد کا جواب، ان دونوں سے مل کر علم کی تکمیل ہوتی ہے۔ اگر شاگرد سُوال اچھے کریگا جواب بھی اچھے پائے گا۔

(مراٰۃ ج6ص 535، 634)

غریبوں کیلئے رقم ملی، مالداروں پر خرچ کردی، اب کیا کرے؟:

سُوال: اگر کسی نے یہ کہکر دعوتِ اسلامی کے کسی علاقے کے قافِلہ ذمّہ دار کو کچھ رقم دی کہ غریب اسلامی بھائیوں کو مَدَنی قافلے میں سفر کروادینا۔ اب ذمّے دار نے غنی (یعنی مالدار) نئے اسلامی بھائیوں کو اِس جذبے کے تحت اُس رقم سے سنّتوں کی تربیَت کے مَدَنی قافِلے میں سفر کروادیا تاکہ وہ مَدَنی ماحول سے قریب ہو جائیں۔ ایسی صورت میں کیا حکمِ شَرعی ہے؟

جواب: ایسا کرنے والا "ذِمّے دار "ایسی غلطی کے سبب گُنہگار ہے، اُسے تاوان بھی دینا ہوگا اور توبہ بھی واجب۔ ہاں اگر وہ رقم دینے والا چاہے تو مُعاف کرسکتا ہے اگر وہ معاف نہ کرے تو جتنی رقم غلط استعمال کی اتنی اُس دینے والے ذِمّے دار کو پلّے سے دینی ہوگی یا پلّے سے دی جانے والی رقم نئے سِرے سے خرچ کرنے کی اجازت لینی ہوگی۔ جب بھی کوئی ایسے موقع پر غریبوں کی قید لگا کر چندہ پیش کرے تو چندہ قبول کرنے سے پیشتر اُس کو واضح طور پر ان لفظوں میں کہہ دینا مُفید ہے کہ "آپ "غریبوں " کی قید ہٹا کر ہر نیک اور جائز کام میں خرچ کرنے کے کُلّی اختیارات دے دیجئے کہ اِس رقم سے غریب سفر کرے یا مالدار، اِس سے کسی کو پورے اَخراجات دیں گے تو کسی کی حسبِ ضَرورت کمی پوری کریں گے، نیز اِس سے مسجِد میں آئے ہوئے مہمانوں کی خیر خواہی بھی کی جائے گی وغیرہ۔" (یہاں بھی یہ بات ذہن میں رکھئے کہ چندہ پیش کرنے والا اگر خود اُس رقم کا مالک ہے تب تو اُس کا مذکورہ الفاظ سُن کر ہاں کہنا کار آمد ہوگا اور اگر مالک نہیں مَثَلاً رقم بھجوانے والے کا بیٹا، بھائی یا ملازم وغیرہ ہے تو اس چندہ لانے والے "وکیل " کا ہاں کہنا فضول ہوگا۔ لہٰذا اصل مالک سے کلی اختیارات لینے ہوں گے۔ ہاں اگر پہلے ہی سے مالِک نے یہ ساری اجازتیں دیکر وکیل کو بھیجا ہے تو اب وکیل کا اجازت دینا مان لیا جائیگا)

مَدَنی قافِلے کیلئے ملی ہوئی رقم دوسرے دینی کاموں میں:

سُوال: مَدَنی قافِلے سفر کروانے کے مَدّ میں ملا ہوا چندہ دعوتِ اسلامی کے دیگر مَدَنی کاموں میں خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: نہیں کیا جا سکتا۔ اُس کو الگ رکھنا ہوگا، اگر دیگر مَدَنی کاموں میں خرچ کر دیا تو تاوان و توبہ بھی کرنی ہوگی۔

مالداروں کو چندہ سے اجتماع میں لے جانا کیسا؟:

سُوال: کسی اسلامی بھائی نے غریب اسلامی بھائیوں کو سالانہ بینَ الاقوامی

سنّتوں بھرے اجتماع میں لے جانے کیلئے رقم پیش کی مگر "وکیل" اُس رقم سے اپنے صاحبِ حیثیت دوستوں کو لے گیا۔ اب نادِم ہے، کیا کرے؟

جواب: چندہ جس مَدّ میں دیا جائے اُسی میں استعمال کرنا واجِب ہے۔ "وکیل" نے خِیانت کی۔ اِس کا تاوان ادا کرے یعنی جتنی رقم مالداروں پر خرچ کی اُتنی پلّے سے چندہ دِہندہ (یعنی چندہ دینے والے) کو پیش کر دے اور توبہ بھی کرے۔ یہ اُصول ہمیشہ یاد رکھئے کہ چندہ دینے والا شَریعت کے دائرے میں رَہ کر جیسا کہے ویسے ہی کرنا ہوتا ہے۔ اب جبکہ اُس نے غریبوں کی قید لگا دی تو غریبوں ہی کو دینا ہوگا اگر وہ صَراحۃً (یعنی کُھلے لفظوں میں) کہہ دے، "میری رقم سے فَقَط کرایہ ادا کرنا، تو اُس کی رقم سے صرف کرایہ ہی ادا کیا جائے گا، کھاپی نہیں سکتے۔ اگر اس نے کہہ دیا، "فُلاں فُلاں کو اِس رقم سے سالانہ اجتماع میں لے جاؤ" تو اب اُنہیں کو لے جانا ہوگا کسی اور کو نہیں لے جا سکتے، اگر وہ نہ گئے یا کسی طرح رقم بچ گئی تو وہ رقم واپَس لوٹانی ہوگی، مخصوص عَلاقے والوں کو لے جانے کی صَراحت کر دی تو دوسرے عَلاقے والے کو نہیں لے جا سکتے۔ اَلغَرَض چندے میں اپنی طرف سے نہ کسی طرح کا تصرُّف کرے نہ ہی بِلا اجازتِ شَرعی اُس کا ایک لقمہ بھی خود کھائے نہ کسی کو کھلائے ورنہ آخِرت میں پکڑ ہوگی۔

مسجد کی اِفطاری کا مسئلہ

سوال: رَمضانُ المبارَک میں لوگ روزہ داروں کیلئے مسجِد میں جو اِفطاری بھجواتے ہیں اُس میں سے غیر روزہ دار کا کھانا کیسا؟ اگر گناہ ہے تو کیا اِس کا گناہ مُنتظِمین پر بھی ہوگا؟ اسی طرح چھوٹے بچے جن کا روزہ نہیں ہوتا ان کا کھانا کیسا؟

جواب: جو افطاری روزہ داروں کیلئے بھیجی جاتی ہے وہ غیر روزہ دار نہیں کھا سکتا۔ بالفرض کوئی مریض یا مُسافِر ہے یا کسی وجہ سے اُس کا روزہ ٹوٹ چکا ہے تو وہ اُس افطاری میں شریک نہ ہو۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اِفطاری میں غیر روزہ دار اگر روزہ دار بن کر شریک ہوتے ہیں مُتَوَلّیوں پر الزام نہیں۔ بُہتیرے غنی (یعنی مالداروں) فقیر بن کر بھیک مانگتے اور زکوٰۃ لیتے ہیں۔ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کہ ظاہر پر حکم ہے اور لینے والے کو حرامِ قطعی ہے یونہی ان غیر روزہ داروں کو اس کا کھانا حرام ہے۔۔۔۔۔ ہاں مُتَوَلّی دانستہ غیر روزہ دار کو شریک کریں تو وہ بھی عاصی و مُجرم و خائن و مستحقِ عَزل (یعنی خیانت کرنے والے اور برطرف کئے جانے کے لائق) ہیں۔ رہا اکثر یا کل (افطاری کرنے والوں) کا مُرَفَّہُ الحال (یعنی خوش حال، کھاتا پیتا) ہونا اس میں کوئی حَرج نہیں (کہ) اِفطاری مُطلَق روزہ دار کے لئے ہے اگرچہ غنی (یعنی مالدار) ہو جیسے سَقایہ مسجِد (یعنی مسجد کے برتن) کا پانی ہر نمازی کے غُسل و وُضو کو ہے اگرچہ بادشاہ ہو۔

(فتاوی رضویہ، ج 16، ص 487، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اور جہاں تک بچّوں کے کھانے کا تعلّق ہے تو عُمُومی عُرف یہی ہے کہ افطاری بھیجنے والوں کی طرف سے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا لہٰذا بچّوں کا کھانا جائز ہے۔

سُوال: لوگوں کا مسجِد میں بھیجا ہوا افطاری کا جو سامان تھال میں بچ گیا اُس کا کیا کیا جائے؟

جواب: عُرف یہی ہے کہ دینے والے بچا ہوا واپَس نہیں لیتے لہٰذا مُنتظِمین کی صَوابدید پر ہے کہ دوسرے دن کے لئے بچانا چاہیں بچالیں، خود کھالیں، دوسروں کو کھلا دیں یا تقسیم کردیں۔

کتاب الاضحیہ

(قربانی اور اس کے متعلقات)

حلال حرام جانوروں کا بیان

سوال: بعض جانوروں کے کھانے سے شریعت نے منع کیا ہے، اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب: گوشت یا جو کچھ غذا کھائی جاتی ہے وہ جزو بدن ہو جاتی ہے اور اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں اور چونکہ بعض جانوروں میں مذموم صفات پائی جاتی ہیں ان جانوروں کے کھانے میں اندیشہ ہے کہ انسان بھی ان بری صفتوں کے ساتھ متصف ہو جائے لہٰذا انسان کو ان کے کھانے سے منع کیا گیا۔

(بہار شریعت، حصہ 15، ص 323,324، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: جانوروں کے حرام ہونے میں قاعدہ کلیہ کیا ہے یعنی کون سے جانور حرام ہیں؟

جواب: کیلے والا (نوکیلے دانتوں والا) جانور جو کیلے (نوکیلے دانتوں) سے شکار کرتا ہو حرام ہے جیسے شیر، گیدڑ، لومڑی، بجو، کتا وغیرہا کہ ان سب میں کیلے ہوتے ہیں اور شکار بھی کرتے ہیں۔ اونٹ کے کیلا ہوتا ہے مگر وہ شکار نہیں کرتا لہٰذا وہ اس حکم میں داخل نہیں۔ (درمختار، کتاب الذبائح، ج 9، ص 507)

سوال: پرندوں کے حرام ہونے میں قاعدہ کلیہ کیا ہے یعنی کون سے پرندے حرام ہیں؟

جواب: پنجہ والا پرند جو پنجہ سے شکار کرتا ہے حرام ہے جیسے شکرا، باز، بہری، چیل۔ (درمختار و ردالمحتار، کتاب الذبائح، ج 9، ص 508)

سوال: حشرات الارض کا کیا حکم ہے؟

جواب: حشرات الارض حرام ہیں جیسے چوہا، چھپکلی، گرگٹ، گھونس، سانپ، بچھو، بر (بھڑ)، مچھر، پسو، کھٹمل، مکھی، کلی، مینڈک وغیرہا۔

(درمختار و ردالمحتار، کتاب الذبائح، ج 9، ص 508)

سوال: گدھے، خچر اور گھوڑے کا کیا حکم ہے؟

جواب : گدھا حرام ہے،، یونہی وہ خچر جو گدھی سے پیدا ہوا گرچہ باپ گدھا نہ ہو، اور ہمارے امام اعظم علیہ الرضوان کے مذہب میں گھوڑا مکروہ تحریمی ہے یعنی قریب بحرام، یونہی وہ خچر جس کی ماں گھوڑی ہو۔ (فتاوی رضویہ، ج20، ص312)

سوال: جنگلی گدھے کیا حکم ہے؟

جواب: جنگلی گدھا جسے گورخر کہتے ہیں حلال ہے۔

(درمختار ورد المحتار، کتاب الذبائح، ج9، ص509)

سوال: کچھوے کھانا کیسا؟

جواب: کچھوا خشکی کا ہو یا پانی کا حرام ہے۔

(درمختار ورد المحتار، کتاب الذبائح، ج9، ص509)

سوال: ہمارے ہاں جو عام کوا پایا جاتا ہے، اسے کھانا کیسا؟

جواب: غراب ابقع یعنی کوا جو مردار کھاتا ہے حرام ہے۔

(درمختار ورد المحتار، کتاب الذبائح، ج9، ص508)

سوال: پانی کے کون سے جانور حلال ہیں؟

جواب: پانی کے جانوروں میں صرف مچھلی حلال ہے۔

(درمختار، کتاب الذبائح، ج9، ص511)

سوال: کون سی مچھلی کھانا حرام ہے؟

جواب : جو مچھلی پانی میں مر کر تیر گئی یعنی جو بغیر مارے اپنے آپ مر کر پانی کی سطح پر اولٹ گئی وہ حرام ہے، مچھلی کو مارا اور وہ مر کر الٹی تیرنے لگی یہ حرام نہیں۔

(درمختار، کتاب الذبائح، ج9، ص511)

سوال: ٹڈی کھانا کیسا ہے؟

جواب: ٹڈی حلال ہے۔ مچھلی اور ٹڈی یہ دونوں بغیر ذبح حلال ہیں جیسا کہ حدیث میں فرمایا کہ دو مردے حلال ہیں مچھلی اور ٹڈی۔ (بہار شریعت، حصہ 15، ص324)

سوال: مچھلی پانی میں کسی سبب جیسا کہ گرمی یا سردی سے مرگئی، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: پانی کی گرمی یا سردی سے مچھلی مرگئی یا مچھلی کو ڈورے میں باندھ کر پانی میں ڈال دیا اور مرگئی یا جال میں پھنس کر مرگئی یا پانی میں کوئی ایسی چیز ڈال دی جس سے مچھلیاں مرگئیں اور یہ معلوم ہے کہ اوس چیز کے ڈالنے سے مریں یا گھڑے یا گڑھے میں مچھلی پکڑ کر ڈال دی اور اوس میں پانی تھوڑا تھا اس وجہ سے یا جگہ کی تنگی کی وجہ سے مرگئی ان سب صورتوں میں وہ مری ہوئی مچھلی حلال ہے۔

(در مختار ور دالمحتار، کتاب الذبائح،ج9،ص512)

سوال: جھینگا کھانا کیسا؟

جواب: جھینگے کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ مچھلی ہے یا نہیں اسی بنا پر اس کی حلت وحرمت میں بھی اختلاف ہے بظاہر اس کی صورت مچھلی کی سی نہیں معلوم ہوتی بلکہ ایک قسم کا کیڑا معلوم ہوتا ہے لہٰذا اس سے بچنا ہی چاہیے۔ (بہار شریعت، حصہ15،ص325)

سوال: چھوٹی مچھلیاں بغیر شکم چاک کئے بھون لی گئیں، ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: چھوٹی مچھلیاں بغیر شکم چاک کئے بھون لی گئیں ان کا کھانا حلال ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الذبائح،ج9،ص515)

سوال: جلالہ کون سے جانور ہے اور اس کے کھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: بعض گائیں، بکریاں غلیظ کھانے لگتی ہیں ان کو جَلاّلہ کہتے ہیں اس کے بدن اور گوشت وغیرہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے اس کو کئی دن تک باندھ رکھیں کہ نجاست نہ کھانے پائے جب بدبو جاتی رہے ذبح کر کے کھائیں اسی طرح جو مرغی غلیظ کھانے کی عادی ہو اسے چند روز بند رکھیں جب اثر جاتا رہے ذبح کر کے کھائیں۔ جو مرغیاں چھوٹی پھرتی ہیں ان کو بند کرنا ضروری نہیں جبکہ غلیظ کھانے کی عادی نہ ہوں اور ان میں بدبو نہ ہو ہاں بہتر یہ ہے کہ ان کو بھی بند رکھ کر ذبح کریں۔

(در مختار ور دالمحتار، کتاب الذبائح،ج9،ص511)

بکرا جو خصی نہیں ہوتا وہ اکثر پیشاب پینے کا عادی ہوتا ہے اور اوس میں ایسی سخت بدبو پیدا ہو جاتی ہے کہ جس راستہ سے گزرتا ہے وہ راستہ کچھ دیر کے لیے بدبودار ہو جاتا ہے اس کا بھی حکم وہی ہے جو جلالہ کا ہے کہ اگر اس کے گوشت سے بدبو دفع ہو گئی تو کھا سکتے ہیں ورنہ مکروہ وممنوع۔ (بہار شریعت، حصہ 15، ص 325)

بکری کے بچہ کو کتیا کا دودھ پلاتا رہا اس کا بھی حکم جلالہ کا ہے کہ چند روز تک اوسے باندھ کر چارہ کھلائیں کہ وہ اثر جاتا رہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الذبائح، ج5، ص 289)

سوال: بکری سے کتے کی شکل کا بچہ پیدا ہوا، اس کے کھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: بکری سے کتے کی شکل کا بچہ پیدا ہوا اگر وہ بھونکتا ہے تو نہ کھایا جائے اور اگر اس کی آواز بکری کی طرح ہے کھایا جاسکتا ہے اور اگر دونوں طرح آواز دیتا ہے تو اس کے سامنے پانی رکھا جائے اگر زبان سے چاٹے کتا ہے اور منہ سے پیئے تو بکری ہے اور اگر دونوں طرح پانی پیئے تو اس کے سامنے گھاس اور گوشت دونوں چیزیں رکھیں گھاس کھائے تو بکری مگر اس کا سر کاٹ کر پھینک دیا جائے کھایا نہ جائے اور گوشت کھائے تو کتا ہے اور اگر دونوں چیزیں کھائے تو اسے ذبح کر کے دیکھیں اس کے پیٹ میں معدہ ہے تو کھا سکتے ہیں اور نہ ہو تو نہ کھائیں۔

(درمختار، کتاب الذبائح، ج9، ص 518)

کون سے جانوروں کا گوشت تناول فرمایا

سوال :کیا حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بکری کا گوشت تناول فرمایا ہے؟

جواب :جی ہاں! بخاری ومسلم کی ایک تفصیلی روایت کا خلاصہ یہ ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے غزوۂ خندق کے دن بکری کے گوشت کے سالن اور روٹیوں سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صحابہ کرام علیہم الرضوان کی دعوت کی۔

(صحیح بخاری، باب غزوۃ الخندق وھی الاحزاب، ج 5، ص108، دارطوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب جواز استتباعہ غیرہ الی دارمن یثق برضاہ بذلك، ج3، ص1610، داراحیاء التراث العربی)

سوال: کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مرغی کا گوشت تناول فرمایا ہے۔

جواب :جی ہاں! صحیحین میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مرغی کا گوشت کھاتے دیکھا ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الذبائح، ج3، ص563)

سوال :کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خرگوش کا گوشت تناول فرمایا ہے؟

جواب :ایک حدیث پاک کے ظاہر سے تناول فرمانا معلوم ہوتا ہے چنانچہ صحیح بخاری ومسلم میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی کہتے ہیں ہم نے مَرَّ الظَّھْرَ ان (مکہ مکرمہ کے قریب ایک جگہ) میں خرگوش بھگا کر پکڑا میں اس کو ابوطلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس لایا انھوں نے ذبح کیا اور اس کی پُٹھ اور رانیں حضور (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم) کی خدمت میں بھیجیں حضور (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم) نے قبول فرمائیں۔

(صحیح بخاری، کتاب الذبائح، ج3، ص554)

سوال :کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حمار وحشی کا گوشت تناول فرمایا ہے؟

جواب:جی ہاں! صحیح بخاری ومسلم میں ابوقتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی انھوں

نے حمار وحشی (گورخر) دیکھا اس کا شکار کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے پاس اوس کے گوشت میں کا کچھ ہے"؟ عرض کی ہاں اوس کی ران ہے اوس کو حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم) نے قبول فرمایا اور کھایا۔

(صحیح مسلم، باب تحریم الصید للمحرم، ج2، ص855)

سوال: کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مچھلی کا گوشت تناول فرمایا ہے؟

جواب: جی ہاں! صحیحین میں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہتے ہیں میں جیش الخبط میں گیا تھا اور امیر لشکر ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے ہمیں بہت سخت بھوک لگی تھی دریا نے مری ہوئی ایک مچھلی پھینکی کہ ویسی مچھلی ہم نے نہیں دیکھی اوس کا نام عنبر ہے ہم نے آدھے مہینے تک اوسے کھایا ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اوس کی ایک ہڈی کھڑی کی بعض روایت میں ہے پسلی کی ہڈی تھی اوس کی کجی اتنی تھی کہ اوس کے نیچے سے اونٹ مع سوار گزر گیا جب ہم واپس آئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم سے ذکر کیا فرمایا: کھاؤ اللہ (عزوجل) نے تمہارے لیے رزق بھیجا ہے اور تمہارے پاس ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ "ہم نے اوس میں سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کے پاس بھیجا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم نے تناول فرمایا۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ سیف البحر، ج3، ص127,128)

سوال: کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گائے کا گوشت تناول فرمایا ہے؟

جواب: ایک حدیث پاک کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ تناول فرمایا ہے جیسا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے گوشت گاؤ صدقہ میں آیا، وہ حضور کے پاس لایا گیا اور حضور سے عرض کیا گیا کہ یہ صدقہ ہے کہ بریرہ کو آیا، فرمایا اس کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ۔ (صحیح مسلم، باب اباحہ الہدیہ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج2، ص754)

ذبح کا بیان

سوال: ذَبح کا کیا مطلب ہے؟

جواب: گلے میں چند رگیں ہیں ان کے کاٹنے کو ذَبح کہتے ہیں اور اس جانور کو جس کی وہ رگیں کاٹی گئیں ذبیحہ اور ذِبح کہتے ہیں۔ (درمختار، کتاب الذبائح، ج9، ص490)

سوال: کون سے جانور ذبح کیے جاسکتے ہیں اور کون سے نہیں؟

جواب: بعض جانور ذبح کیے جاسکتے ہیں بعض نہیں۔ جو شرعاً ذبح نہیں کیے جاسکتے ہیں ان میں یہ دو مچھلی اور ٹڈی بغیر ذبح حلال ہیں اور جو ذبح کیے جاسکتے ہیں وہ بغیر ذکاۃ شرعی حلال نہیں۔ (درمختار، کتاب الذبائح، ج9، ص490)

ذکاۃ شرعی کا یہ مطلب ہے کہ جانور کو اس طرح نحر یا ذبح کیا جائے کہ حلال ہو جائے۔ (بہار شریعت، حصہ15، ص312)

سوال: ذکاۃ شرعی کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: ذکاۃ شرعی دو قسم ہے۔ اختیاری اور اضطراری۔

(درمختار، کتاب الذبائح، ج9، ص491)

سوال: ذکاۃ اختیاری کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: ذکاۃ اختیاری کی دو قسمیں ہیں۔ ذبح اور نحر۔

(درمختار، کتاب الذبائح، ج9، ص491)

سوال: ذکاۃ اضطراری سے کیا مراد ہے؟

جواب: ذکاۃ اضطراری یہ ہے کہ جانور کے بدن میں کسی جگہ نیزہ (تیر) وغیرہ بھونک کر خون نکال دیا جائے اس سے مخصوص صورتوں میں جانور حلال ہوتا ہے جو بیان کی جائیں گی۔ (درمختار، کتاب الذبائح، ج9، ص491)

سوال: نحر سے کیا مراد ہے؟

جواب: حلق کے آخری حصہ میں نیزہ وغیرہ بھونک کر رگیں کاٹ دینے کو نحر

کہتے ہیں۔

(درمختار، کتاب الذبائح، ج9، ص 491)

سوال: ذبح کی جگہ کون سی ہے؟

جواب: ذبح کی جگہ حلق اور لبہ کے مابین ہے لبہ سینہ کے بالائی حصہ کو کہتے ہیں۔

(درمختار، کتاب الذبائح، ج9، ص 491)

سوال: کس جانور کو نحر کریں گے اور کس کو ذبح؟

جواب: اونٹ کو نحر کرنا اور گائے بکری وغیرہ کو ذبح کرنا سنت ہے اور اگر اس کا عکس کیا یعنی اونٹ کو ذبح کیا اور گائے وغیرہ کو نحر کیا تو جانور اس صورت میں بھی حلال ہو جائے گا مگر ایسا کرنا مکروہ ہے کہ سنت کے خلاف ہے۔(درمختار، کتاب الذبائح، ج9، ص 491)

سوال: عوام میں یہ مشہور ہے کہ اونٹ کو تین جگہ ذبح کیا جاتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: عوام میں یہ مشہور ہے کہ اونٹ کو تین جگہ ذبح کیا جاتا ہے غلط ہے اور یوں کرنا مکروہ ہے کہ بلا فائدہ ایذا دینا ہے۔

(بہار شریعت، حصہ15، 312)

سوال: ذبح میں کون سی رگیں کاٹی جاتی ہیں؟

جواب: جو رگیں ذبح میں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں۔ "حلقوم" یہ وہ ہے جس میں سانس آتی جاتی ہے، "مری" اس سے کھانا پانی اترتا ہے ان دونوں کے اغل بغل اور دو رگیں ہیں جن میں خون کی روانی ہے ان کو "ودجین" کہتے ہیں۔

(درمختار، کتاب الذبائح، ج9، ص 491،493)

سوال: ذبح کے لیے کتنی رگوں کا کٹنا ضروری ہے؟

جواب: ذبح کی چار رگوں میں سے تین کا کٹ جانا کافی ہے یعنی اس صورت میں بھی جانور حلال ہو جائے گا کہ اکثر کے لیے وہی حکم ہے جو کل کے لیے ہے اور اگر چاروں میں سے ہر ایک کا اکثر حصہ کٹ جائے گا جب بھی حلال ہو جائے گا اور اگر آدھی آدھی ہر رگ کٹ گئی اور آدھی باقی ہے تو حلال نہیں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الذبائح، ج5، ص 287)

سوال:فوق العقدہ (گھنڈی سے اوپر) ذبح کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:اس میں علما کو اختلاف ہے کہ جانور حلال ہوگا یا نہیں۔اس باب میں قولِ فیصل یہ ہے کہ ذبح فوق العقدہ میں اگر تین رگیں کٹ جائیں تو جانور حلال ہے ورنہ نہیں۔ (درمختار، کتاب الذبائح،ج9،ص491)

فتاوی رضویہ میں ہے:

اس مقام میں تحقیق یہ ہے کہ ذبح میں گھنڈی کا اعتبار نہیں،چاروں رگوں میں سے تین کٹ جانے پر مدار ہے،اگر ایک یا دو رگ کٹی حلال نہ ہوگا اگرچہ گھنڈی سے نیچے ہو اور اگر چاروں یا کوئی سی تین کٹ گئیں تو حلال ہے اگرچہ گھنڈی سے اوپر ہو۔

(فتاوی رضویہ،ج20،ص219،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

بہارِ شریعت میں ہے:

آج کل چونکہ چمڑے کا نرخ زیادہ ہے اور یہ وزن یا ناپ سے فروخت ہوتا ہے اس لیے قصاب اس کی کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح چمڑے کی مقدار بڑھ جائے اور اس کے لیے یہ ترکیب کرتے ہیں کہ بہت اوپر سے ذبح کرتے ہیں اور اس صورت میں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ذبح فوق العقدہ ہوجائے اور اس میں علما کو اختلاف ہے کہ جانور حلال ہوگا یا نہیں۔اس باب میں قولِ فیصل یہ ہے کہ ذبح فوق العقدہ میں اگر تین رگیں کٹ جائیں تو جانور حلال ہے ورنہ نہیں۔علما کا یہ اختلاف اور رگوں کے کٹنے میں احتمال دیکھتے ہوئے احتیاط ضروری ہے کہ یہ معاملہ حلت وحرمت کا ہے اور ایسے مقام پر احتیاط لازم ہوتی ہے۔

(بہار شریعت،حصہ15،ص313)

سوال:ذبح کرنے سے جانور حلال ہونے کی کیا شرائط ہیں؟

جواب:ذبح سے جانور حلال ہونے کے لیے چند شرطیں ہیں:

(1) ذبح کرنے والا عاقل ہو۔مجنوں یا اتنا چھوٹا بچہ جو بے عقل ہو ان کا ذبیحہ جائز نہیں اور اگر چھوٹا بچہ ذبح کو سمجھتا ہو اور اس پر قدرت رکھتا ہو تو اس کا ذبیحہ حلال ہے۔

(2) ذبح کرنے والا مسلم ہو یا کتابی۔

(3) اللہ عزوجل کے نام کے ساتھ ذبح کرنا۔ ذبح کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام ذکر کرے جانور حلال ہوجائے گا یہی ضروری نہیں کہ لفظ اللہ (عزوجل) ہی زبان سے کہے۔۔۔۔تنہا نام ہی ذکر کرے یا نام کے ساتھ صفت بھی ذکر کرے دونوں صورتوں میں جانور حلال ہوجاتا ہے مثلاً اللہ اکبر، اللہ اعظم، اللہ اجل، اللہ الرحمن، اللہ الرحیم، یا صرف اللہ یا الرحمن یا الرحیم کہے اسی طرح سُبْحَانَ اللہ یا الحمد للہ یا لآ الٰہ الا اللہ پڑھنے سے بھی حلال ہوجائے گا۔ اللہ عزوجل کا نام عربی کے سوا دوسری زبان میں لیا جب بھی حلال ہوجائے گا۔

(4) خود ذبح کرنے والا اللہ عزوجل کا نام اپنی زبان سے کہے اگر یہ خود خاموش رہا دوسروں نے نام لیا اور اسے یاد بھی تھا بھولا نہ تھا تو جانور حرام ہے۔

(5) نام الٰہی (عزوجل) لینے سے ذبح پر نام لینا مقصود ہو اور اگر کسی دوسرے مقصد کے لیے بسم اللہ پڑھی اور ساتھ ہی ذبح کردیا اور اس پر بسم اللہ پڑھنا مقصود نہیں ہے تو جانور حلال نہ ہوا مثلاً چھینک آئی اور اس پر الحمد للہ کہا اور جانور ذبح کردیا اس پر نام الٰہی (عزوجل) ذکر کرنا مقصود نہ تھا بلکہ چھینک پر مقصود تھا جانور حلال نہ ہوا۔

(6) ذبح کے وقت غیر خدا کا نام نہ لے۔

(7) جس جانور کو ذبح کیا جائے وہ وقت ذبح زندہ ہو اگرچہ اس کی حیات کا تھوڑا ہی حصہ باقی رہ گیا ہو۔ ذبح کے بعد خون نکلنا یا جانور میں حرکت پیدا ہونا یوں ضروری ہے کہ اس سے اس کا زندہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(بہار شریعت ملخصاً، حصہ 15، ص 313،314)

سوال: بکری ذبح کی اور خون نکلا مگر اس میں حرکت پیدا نہ ہوئی، کیا حکم ہے؟

جواب: بکری ذبح کی اور خون نکلا مگر اس میں حرکت پیدا نہ ہوئی اگر وہ ایسا خون ہے جیسے زندہ جانور میں ہوتا ہے حلال ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الذبائح، ج5، ص286)

سوال: بیمار بکری ذبح کی صرف اس کے منہ کو حرکت ہوئی، کیا حکم ہے؟

جواب: بیمار بکری ذبح کی صرف اس کے منہ کو حرکت ہوئی اور اگر وہ حرکت یہ ہے کہ منہ کھول دیا تو حرام ہے اور بند کر لیا تو حلال ہے اور آنکھیں کھول دیں تو حرام اور بند کر لیں تو حلال اور پاؤں پھیلا دیے تو حرام اور سمیٹ لیے تو حلال اور بال کھڑے نہ ہوئے تو حرام اور کھڑے ہوگئے تو حلال یعنی اگر صحیح طور پر اس کے زندہ ہونے کا علم نہ ہو تو ان علامتوں سے کام لیا جائے اور اگر زندہ ہونا یقیناً معلوم ہے تو ان چیزوں کا خیال نہیں کیا جائے گا بہر حال جانور حلال سمجھا جائے گا۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الذبائح، ج5، ص286)

سوال: کس چیز سے ذبح کر سکتے ہیں اور کس سے نہیں؟

جواب: ذبح ہر اس چیز سے کر سکتے ہیں جو رگیں کاٹ دے اور خون بہا دے یہ ضرور نہیں کہ چھری ہی سے ذبح کریں بلکہ کھپچی (بانس کا چرا ہوا ٹکڑا) اور دھار دار پتھر سے بھی ذبح ہو سکتا ہے صرف ناخن اور دانت سے ذبح نہیں کر سکتے جب کہ یہ اپنی جگہ پر قائم ہوں اور اگر ناخن کاٹ کر جدا کر لیا ہو یا دانت علیحدہ ہو گیا ہو تو اس سے اگرچہ ذبح ہو جائے گا مگر پھر بھی اس کی ممانعت ہے کہ جانور کو اس سے اذیت ہوگی۔ اسی طرح کند چھری سے بھی ذبح کرنا مکروہ ہے۔ (درمختار، کتاب الذبائح، ج9، ص494)

سوال: جانور کو لٹانے کے بعد چھری تیز کرنا کیسا ہے؟

جواب: مستحب یہ ہے کہ جانور کو لٹانے سے پہلے چھری تیز کریں اور لٹانے کے بعد چھری تیز کرنا مکروہ ہے۔ (درمختار، کتاب الذبائح، ج9، ص494)

سوال: جانور کو مذبح کی طرف گھسیٹتے ہوئے لے جانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: جانور کو پاؤں پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے مذبح کو لے جانا مکروہ ہے۔

(درمختار، کتاب الذبائح، ج9، ص494)

سوال: ذبح کرتے ہوئے چھری حرام مغز تک پہنچ جائے یا سر کٹ کر جدا ہو جائے، تو کیا حکم ہے؟

جواب:اس طرح ذبح کرنا کہ چھری حرام مغز تک پہنچ جائے یا سر کٹ کر جدا ہو جائے مکروہ ہے مگر وہ ذبیحہ کھایا جائے گا یعنی کراہت اس فعل میں ہے نہ کہ ذبیحہ میں۔

(ہدایہ، کتاب الذبائح، ج2، ص350)

عام لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ ذبح کرنے میں اگر سر جدا ہو جائے تو اس سر کا کھانا مکروہ ہے یہ کتب فقہ میں نظر سے نہیں گزرا بلکہ فقہا کا یہ ارشاد کہ ذبیحہ کھایا جائے گا اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ سر بھی کھایا جائے گا۔ (بہار شریعت، حصہ15، ص315)

سوال:دورانِ ذبح جانور کو بلا فائدہ تکلیف پہنچانا کیسا ہے؟

جواب :ہر وہ فعل جس سے جانور کو بلا فائدہ تکلیف پہنچے مکروہ ہے مثلاً جانور میں ابھی حیات باقی ہو ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کی کھال اتارنا، اس کے اعضا کاٹنا یا ذبح سے پہلے اس کے سر کو کھینچنا کہ رگیں ظاہر ہو جائیں یا گردن کو توڑنا یو ہیں جانور کو گردن کی طرف سے ذبح کرنا مکروہ ہے بلکہ اس کی بعض صورتوں میں جانور حرام ہو جائے گا۔

(ہدایہ، کتاب الذبائح، ج2، ص 350)

سوال:ذبح کرتے ہوئے جانور کا منہ کس طرف کرنا چاہیے؟

جواب :سنت یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت جانور کا منہ قبلہ کو کیا جائے اور ایسا نہ کرنا مکروہ ہے۔ (درمختار، کتاب الذبائح، ج9، ص495)

سوال :جس جانور کو ذبح کیا جارہا ہے اگر وہ شکار ہے تو مزید کن باتوں کا خیال رکھا جائے گا؟

جواب:اگر جانور شکار ہو تو ضرور ہے کہ ذبح کرنے والا حلال ہو یعنی احرام نہ باندھے ہوئے ہو اور ذبح کرنا بیرونِ حرم ہو لہٰذا مُحرِم (جس نے احرام باندھا ہوا ہو) کا ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے اور حرم میں شکار کو ذبح کیا تو ذبح کرنے والا مُحرِم ہو یا حلال دونوں صورتوں میں جانور حرام ہے اور اگر وہ جانور شکار نہ ہو بلکہ پلاؤ ہو جیسے مرغی، بکری وغیرہ اس کو محرم بھی ذبح کر سکتا ہے اور حرم میں بھی ذبح کر سکتے ہیں۔

(درمختار، کتاب الذبائح، ج9، ص495)

سوال: ذبح اختیاری کن جانوروں میں ہوتا ہے اور ذبح اضطراری کن میں؟

جواب: ذبح اختیاری گھریلو (پالتو) جانوروں میں ہوتا ہے جبکہ ذبح اضطراری وحشی (جنگلی) جانوروں میں۔

سوال: جنگلی جانور اگر مانوس ہو جائے تو کیا اس کا ذبح اضطراری کر سکتے ہیں؟

جواب: جنگلی جانور اگر مانوس ہو جائے مثلاً ہرن وغیرہ پال لیتے ہیں اور وہ مانوس ہو جاتے ہیں ان کو اسی طرح ذبح کیا جائے جیسے پلاؤ جانور ذبح کیے جاتے ہیں یعنی ذبح اختیاری ہونا ضرور ہے۔ (ہدایہ، کتاب الذبائح، ج2، ص350)

سوال: اگر گھریلو جانور اگر وحشی ہو جائے تو اس کا ذبح اضطراری کر سکتے ہیں؟

جواب: اگر گھریلو جانور وحشی کی طرح ہو جائے کہ قابو میں نہ آئے تو اس کا ذبح اضطراری ہے کہ جس طرح ممکن ہو ذبح کر سکتے ہیں۔ یوہیں اگر چوپایہ کنویں میں گر پڑا کہ اسے باقاعدہ ذبح نہ کر سکتے ہوں تو جس طرح ممکن ہو ذبح کر سکتے ہیں۔

(ہدایہ، کتاب الذبائح، ج2، ص350)

سوال: کیا عورت کا ذبیحہ حلال ہے؟

جواب: ذبح میں عورت کا وہی حکم ہے جو مرد کا ہے یعنی مسلمہ یا کتابیہ عورت کا ذبیحہ حلال ہے اور مشرکہ و مرتدہ کا ذبیحہ حرام ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الذبائح، ج5، ص286)

فتاوی رضویہ میں ہے:

عورت کا ذبیحہ جائز ہے جبکہ ذبح کرنا جانتی ہو اور شرائط حلت مجتمع ہوں۔

(فتاوی رضویہ، ج8، ص332، مکتبہ رضویہ، کراچی)

سوال: گونگے، اقلف (جس کا ختنہ نہ ہوا ہو) اور برص کے مریض (سفید داغ والے) کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: گونگے کا ذبیحہ حلال ہے اگر وہ مسلم یا کتابی ہو، اسی طرح اقلف کا یعنی

جس کا ختنہ نہ ہوا ہو اور ابرص یعنی سپید داغ والے کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔

(درمختار، کتاب الذبائح، ج9، ص497)

سوال: جن کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: جن اگر انسان کی شکل میں ہو تو اس کا ذبیحہ جائز ہے اور انسانی شکل میں نہ ہو تو اس کا ذبیحہ جائز نہیں۔ (ردالمحتار، کتاب الذبائح، ج9، ص497)

سوال: مسلمان نے جانور ذبح کر دیا اس کے بعد مشرک نے اس پر چھری پھیری تو کیا حکم ہے؟ اسی طرح اگر مشرک کے ذبح کیا اور اس کے بعد مسلم نے چھری پھیر دی تو کیا حکم ہے؟

جواب: مسلمان نے جانور ذبح کر دیا اس کے بعد مشرک نے اس پر چھری پھیری تو جانور حرام نہ ہوا کہ ذبح تو پہلے ہی ہو چکا اور اگر مشرک نے ذبح کر ڈالا اس کے بعد مسلم نے چھری پھیری تو حرام ہی ہے اس کے چھری پھیرنے سے حلال نہ ہوگا۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الذبائح، ج5، ص287)

سوال: ذبح میں بسم اللہ نہ پڑھی تو جانور حلال ہوگا یا نہیں؟

جواب: ذبح کرنے میں قصداً بسم اللہ نہ کہی جانور حرام ہے اور اگر بھول کر ایسا ہوا جیسا کہ بعض مرتبہ شکار کے ذبح میں جلدی ہوتی ہے اور جلدی میں بسم اللہ کہنا بھول جاتا ہے اس صورت میں جانور حلال ہے۔ (ہدایہ، کتاب الذبائح، ج2، ص347)

سوال: ذبح کرتے وقت بسم اللہ کے ساتھ خدا کے علاوہ کا نام بھی لیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: ذبح کرتے وقت بسم اللہ کے ساتھ غیر خدا کا نام بھی لیا اس کی دو صورتیں ہیں اگر بغیر عطف ذکر کیا ہے مثلاً یوں کہا بسم اللہ محمد رسول اللہ یا بسم اللہ اللّٰھم تقبل من فلان ایسا کرنا مکروہ ہے مگر جانور حرام نہیں ہوگا۔ اور اگر عطف کے ساتھ دوسرے کا نام ذکر کیا مثلاً یوں کہا بسم اللہ واسم فلان اس صورت

میں جانور حرام ہے کہ یہ جانور غیر خدا کے نام پر ذبح ہوا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ذبح سے پہلے مثلاً جانور کولٹانے سے پہلے اس نے کسی کا نام لیا یا ذبح کرنے کے بعد نام لیا تو اس میں حرج نہیں جس طرح قربانی اور عقیقہ میں دعائیں پڑھی جاتی ہیں اور قربانی میں ان لوگوں کے نام لیے جاتے ہیں جن کی طرف سے قربانی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام بھی لیے جاتے ہیں۔

(ہدایہ، کتاب الذبائح، ج2، ص348)

یہاں سے معلوم ہوا کہ مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ به جو حرام ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ذبح کے وقت جب غیر خدا کا نام اس طرح لیا جائے گا اس وقت حرام ہوگا اور وہابیہ یہ کہتے ہیں کہ آگے پیچھے جب کبھی غیر خدا کا نام لے دیا جائے حرام ہو جاتا ہے بلکہ یہ لوگ تو مطلقاً ہر چیز کو حرام کہتے ہیں جس پر غیر خدا کا نام لیا جائے ان کا یہ قول غلط اور باطل محض ہے اگر ایسا ہو تو سب ہی چیزیں حرام ہو جائیں گی۔ کھانے پینے اور استعمال کی سب چیزوں پر لوگوں کے نام لے دیے جاتے ہیں اور ان سب کو حرام قرار دینا شریعت پر افترا اور مسلم کو زبردستی حرام کا مرتکب بنانا ہے معلوم ہوا کہ بعض مسلمان گائے، بکرا، مرغ جو اس لیے پالتے ہیں کہ ان کو ذبح کر کے کھانا پکوا کر کسی ولی اللہ کی روح کو ایصال ثواب کیا جائے گا یہ جائز ہے اور جانور بھی حلال ہے اس کو مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ میں داخل کرنا جہالت ہے کیونکہ مسلمان کے متعلق یہ خیال کرنا کہ اوس نے تَقَرُّب اِلٰی غَیرِ اللہ کی نیت کی، ہٹ دھرمی اور سخت بدگمانی ہے مسلم ہرگز ایسا خیال نہیں رکھتا۔ عقیقہ اور ولیمہ اور ختنہ وغیرہ کی تقریبوں میں جس طرح جانور ذبح کرتے ہیں اور بعض مرتبہ پہلے ہی سے متعین کر لیتے ہیں کہ فلاں موقع اور فلاں کام کے لیے ذبح کیا جائے گا جس طرح یہ حرام نہیں ہے وہ بھی حرام نہیں۔

(بہار شریعت، حصہ15، ص317)

سوال: بسم اللہ کی (ہ) کو ظاہر نہ کیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: بسم اللہ کی (ہ) کو ظاہر کرنا چاہیے اگر ظاہر نہ کی جیسا کہ بعض عوام اس کا

تلفظ اس طرح کرتے ہیں کہ (ہ) ظاہر نہیں ہوتی اور مقصود اللہ کا نام ذکر کرنا ہے تو جانور حلال ہے اور اگر یہ مقصود نہ ہو اور (ہ) کا چھوڑنا ہی مقصود ہو تو حلال نہیں۔

(ردالمحتار، کتاب الذبائح، ج9، ص503)

سوال :اگر زبان سے بسم اللہ کہی اور دل میں یہ نیت حاضر نہیں کہ جانور ذبح کرنے کے لیے بسم اللہ کہتا ہوں، تو کیا حکم ہے؟

جواب :اگر زبان سے بسم اللہ کہی اور دل میں یہ نیت حاضر نہیں کہ جانور ذبح کرنے کے لیے بسم اللہ کہتا ہوں تو جانور حلال ہے۔ (درمختار، کتاب الذبائح، ج9، ص504)

سوال :بوقت ذبح بسم اللہ پڑھنے میں مذبوح جانور کا خیال کیا جائے گا یا چھری وغیرہ جس سے ذبح کیا جارہا اس کا؟

جواب :ذبح اختیاری میں شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھے یہاں مذبوح پر بسم اللہ پڑھی جاتی ہے یعنی جس جانور کو ذبح کرنے کے لیے بسم اللہ پڑھی اسی کو ذبح کر سکتے ہیں دوسرا جانور اس تسمیہ سے حلال نہ ہوگا مثلاً بکری ذبح کرنے کے لیے لٹائی اور اس کے ذبح کرنے کو بسم اللہ پڑھی مگر اس کو ذبح نہیں کیا بلکہ اس کی جگہ دوسری بکری ذبح کر دی یہ حلال نہیں ہوئی یہ ضرور نہیں کہ جس چھری سے ذبح کرنا چاہتا تھا اور بسم اللہ پڑھ لی تو اسی سے ذبح کرے بلکہ دوسری چھری سے بھی ذبح کر سکتا ہے اور شکار کرنے میں آلہ پر بسم اللہ پڑھی جاتی ہے یعنی اوسی آلہ سے شکار کرنا ہوگا دوسرے سے کریگا حلال نہ ہوگا مثلاً تیر چھوڑنا چاہتا ہے اور بسم اللہ پڑھی مگر اس کو رکھ دیا دوسرا تیر چلایا تو جانور حلال نہیں اور اگر جس جانور کو تیر سے مارنا چاہتا ہے اوس کو تیر نہیں لگا دوسرا جانور اس تیر سے مارا تو یہ حلال ہے۔

(ہدایہ، کتاب الذبائح، ج2، ص347)

سوال: کیا ذبح کرنے والے کی طرف سے کوئی دوسرا بسم اللہ پڑھ سکتا ہے؟

جواب :خود ذبح کرنے والے کو بسم اللہ کہنا ضرور ہے دوسرے کا کہنا اس کے کہنے کے قائم مقام نہیں یعنی دوسرے کے بسم اللہ پڑھنے سے جانور حلال نہ ہوگا جبکہ ذابح

نے قصداً ترک کیا ہو اور دو شخصوں نے ذبح کیا تو دونوں کا پڑھنا ضروری ہے ایک نے قصداً ترک کیا تو جانور حرام ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الذبائح، ج2، ص504)

سوال : دوسرے سے ذبح کرایا اور خود اپنا ہاتھ بھی چھری پر رکھ دیا کہ دونوں نے مل کر ذبح کیا تو بسم اللہ کہنا کس پر واجب ہے؟

جواب : دوسرے سے ذبح کرایا اور خود اپنا ہاتھ بھی چھری پر رکھ دیا کہ دونوں نے مل کر ذبح کیا تو دونوں پر بِسْمِ اللہ کہنا واجب ہے ایک نے بھی قصداً چھوڑ دی یا یہ خیال کر کے چھوڑ دی کہ دوسرے نے کہہ لی مجھے کہنے کی کیا ضرورت دونوں صورتوں میں جانور حلال نہ ہوا۔ (ردالمحتار، کتاب الذبائح، ج2، ص504)

معین (مددگار) ذابح سے یہی مراد ہے کہ ذبح کرنے میں اس کا معین (مددگار) ہو یعنی دونوں نے مل کر ذبح کیا ہو دونوں نے چھری پھیری ہو مثلاً ذابح کمزور ہے کہ اس کی تنہا قوت کام نہیں دے گی دوسرے نے بھی شرکت کی دونوں نے مل کر چھری چلائی۔ اگر دوسرا شخص جانور کو فقط پکڑے ہوئے ہے تو یہ معین ذابح نہیں اس کے پڑھنے نہ پڑھنے کو کچھ دخل نہیں۔ یہ اگر پڑھتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ ذابح کو بسم اللہ یاد آ جائے اور پڑھ لے۔ (بہار شریعت، حصہ15، ص318)

سوال: بسم اللہ پڑھنے اور ذبح کرنے میں زیادہ فاصلہ ہو گیا تو کیا حکم ہے؟

جواب بسم اللہ کہنے اور ذبح کرنے کے درمیان طویل فاصلہ نہ ہو اور مجلس بدلنے نہ پائے اگر مجلس بدل گئی اور عمل کثیر بیچ میں پایا گیا تو جانور حلال نہ ہوا۔ ایک لقمہ کھایا یا ذرا سا پانی پیا یا چھری تیز کر لی یہ عمل قلیل ہے جانور اس صورت میں حلال ہے۔

(درمختار و ردالمحتار، کتاب الذبائح، ج9، ص504)

سوال : کیا دو بکریوں کو اکٹھا لٹا کر ایک ہی مرتبہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر سکتے ہیں؟

جواب: دو بکریوں کو نیچے اوپر لٹا کر دونوں کو ایک ساتھ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر دیا

دونوں حلال ہیں اور اگر ایک کو ذبح کر کے فوراً دوسری کو ذبح کرنا چاہتا ہے تو اس کو پھر بسم اللہ پڑھنی ہوگی پہلے جو پڑھ چکا ہے وہ دوسری کے لیے کافی نہیں۔

(درمختار، کتاب الذبائح، ج9، ص504)

سوال: بکری ذبح کے لیے لٹائی تھی بسم اللہ کہہ کر ذبح کرنا چاہتا تھا کہ وہ اٹھ کر بھاگ گئی پھر اسے پکڑ کے لایا اور لٹایا تو اب کیا پھر بسم اللہ پڑھنا پڑے گی؟

جواب: بکری ذبح کے لیے لٹائی تھی بسم اللہ کہہ کر ذبح کرنا چاہتا تھا کہ وہ اٹھ کر بھاگ گئی پھر اسے پکڑ کے لایا اور لٹایا تو اب پھر بسم اللہ پڑھے پہلے کا پڑھنا ختم ہوگیا۔ یوہیں بکریوں کا گلہ (ریوڑ) دیکھا اور بسم اللہ پڑھ کر ان میں سے ایک بکری پکڑ لایا اور ذبح کر دی اس وقت قصداً بسم اللہ ترک کر دی یہ خیال کر کے کہ پہلے پڑھ چکا ہے بکری حرام ہوگئی۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الذبائح، ج5، ص289)

سوال: گھریلو جانور اگر بھاگ جائے، کسی طرح قابو میں نہ آئے تو اسے ذبح اضطراری کے ساتھ ذبح کر سکتے ہیں؟

جواب: پلاؤ جانور اگر بھاگ جائے اور پکڑنے میں نہ آئے تو اس کے لیے ذبح اضطراری ہے یعنی تیر یا نیزہ وغیرہ سے بہ نیت ذبح بسم اللہ پڑھ کر ماریں اور اس کے لیے گردن میں ہی ذبح کرنا ضرور نہیں بلکہ جس جگہ بھی زخمی کر دیا جائے کافی ہے۔ یوہیں اگر جانور کوئیں میں گر گیا اس کو نیزہ وغیرہ سے بہ نیت ذبح بسم اللہ کہہ کر ہلاک کر دیں ذبح ہوگیا۔ اسی طرح اگر جانور اس پر حملہ آور ہوا جیسا کہ بھینسے اور سانڈ اکثر حملہ کر دیتے ہیں ان کو بھی اسی طرح ذبح کیا جا سکتا ہے اور اگر محض اپنے سے دفع کرنے کے لیے اسے نیزہ مارا ذبح کرنا مقصود نہ تھا تو جانور حرام ہے۔ (درمختار وردالمحتار، کتاب الذبائح، ج9، ص504)

سوال: اگر آبادی میں بکری یا گائے بھاگ گئی تو کیا اسے ذبح اضطراری کے ساتھ ذبح کر سکتے ہیں؟

جواب: آبادی میں اگر بکری بھاگ گئی تو اس کے لیے ذبح اضطراری نہیں ہے

کہ بکری پکڑی جاسکتی ہے اور میدان میں بھاگ گئی تو ذبح اضطراری ہوسکتا ہے اور گائے، بیل، اونٹ اگر بھاگ جائیں تو آبادی اور جنگل دونوں کا ان کے لیے یکساں حکم ہے ہوسکتا ہے کہ آبادی میں بھی ان کے پکڑنے پر قدرت نہ ہو۔ (ہدایہ، کتاب الذبائح، ج2، ص350)

سوال: اگر مرغی اڑ کر درخت پر چلی گئی اور اسے تیر مار کر ہلاک کیا تو کیا حکم ہے؟، اسی طرح کبوتر اڑ گیا اور اسے تیر مار کر ہلاک کر دیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: مرغی اڑ کر درخت پر چلی گئی اگر وہاں تک نہیں پہنچ سکتا ہے اور بسم اللہ پڑھ کر اسے تیر مار کر ہلاک کیا اگر اس کے جاتے رہنے کا اندیشہ نہ تھا تو نہ کھائی جائے اور اندیشہ تھا تو کھا سکتے ہیں کہ اس صورت میں ذبح اضطراری ہوسکتا ہے۔ کبوتر اڑ گیا اگر وہ مکان پر واپس آسکتا ہے اور اسے تیر سے مارا اگر تیر جائے ذبح پر لگا کھایا جاسکتا ہے ورنہ نہیں اگر وہ واپس نہیں آسکتا تو بہر صورت کھایا جاسکتا ہے۔

(فتاوی خانیہ، کتاب الصید والذبائح، ج4، ص338)

سوال: گائے یا بکری ذبح کی، اس کے پیٹ میں بچہ نکلا، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: گائے یا بکری ذبح کی اور اس کے پیٹ میں بچہ نکلا اگر وہ زندہ ہے ذبح کر دیا جائے حلال ہو جائے گا اور مرا ہوا ہے تو حرام ہے، اس کی ماں کا ذبح کرنا اس کے حلال ہونے کے لیے کافی نہیں۔ (درمختار، کتاب الذبائح، ج9، ص507)

سوال: جانور کو ذبح کیا وہ اٹھ کر بھاگا اور پانی میں گر کر مر گیا یا اونچی جگہ سے گر کر مر گیا، اس کا کھانا کیسا؟

جواب: جانور کو ذبح کیا وہ اٹھ کر بھاگا اور پانی میں گر کر مر گیا یا اونچی جگہ سے گر کر مر گیا اس کے کھانے میں حرج نہیں کہ اوس کی موت ذبح ہی سے ہوئی پانی میں گرنے یا لڑھکنے کا اعتبار نہیں۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الذبائح، ج5، ص290)

سوال: زندہ حلال جانور کا کوئی ٹکڑا کاٹ کر جدا کر لیا، اس کے کھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب :زندہ جانور سے اگر کوئی ٹکڑا کاٹ کر جدا کر لیا گیا مثلاً دنبہ کی چکی کاٹ لی یا اونٹ کا کوہان کاٹ لیا یا کسی جانور کا پیٹ پھاڑ کر اوس کی کلیجی نکال لی یہ ٹکڑا حرام ہے۔ جدا کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ گوشت سے جدا ہو گیا اگر چہ ابھی چمڑا لگا ہوا ہو اور اگر گوشت سے اس کا تعلق باقی ہے تو مردار نہیں یعنی اس کے بعد اگر جانور کو ذبح کر لیا تو یہ ٹکڑا بھی کھایا جا سکتا ہے۔ (درمختار ورد المحتار، کتاب الذبائح،ج9،ص516,517)

سوال: جانور کو ذبح کر لیا ہے مگر ابھی اس میں حیاۃ باقی ہے اس کا کوئی ٹکڑا کاٹ لیا، اس کے کھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب :جانور کو ذبح کر لیا ہے مگر ابھی اس میں حیاۃ باقی ہے اس کا کوئی ٹکڑا کاٹ لیا یہ حرام نہیں کہ ذبح کے بعد اس جانور کا زندوں میں شمار نہیں اگر چہ جب تک جانور ذبح کے بعد ٹھنڈا نہ ہو جائے اس کا کوئی عضو کاٹنا مکروہ ہے۔

(درمختار ورد المحتار، کتاب الذبائح،ج9،ص517)

سوال:زندہ مچھلی میں سے ایک ٹکڑا کاٹ لیا، اس کے کھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب :زندہ مچھلی میں سے ایک ٹکڑا کاٹ لیا یہ حلال ہے اور اس کاٹنے سے اگر مچھلی پانی میں مر گئی تو وہ بھی حلال ہے۔ (ہدایہ، کتاب الذبائح،ج2،ص354)

سوال :جن جانوروں کا گوشت کھایا نہیں جاتا کیا ان کا گوشت وغیرہ ذبح شرعی سے پاک ہو جائے گا؟

جواب :جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ذبح شرعی سے ان کا گوشت اور چربی اور چمڑا پاک ہو جاتا ہے مگر خنزیر کہ اس کا ہر جز نجس ہے اور آدمی اگر چہ طاہر ہے اس کا استعمال ناجائز ہے۔ (درمختار، کتاب الذبائح،ج9،ص513)

ان جانوروں (انسان اور خنزیر کے علاوہ) کی چربی وغیرہ کو اگر کھانے کے سوا خارجی طور پر استعمال کرنا چاہیں تو ذبح کر لیں کہ اس صورت میں اس کے استعمال سے بدن یا کپڑا نجس نہیں ہوگا۔

(بہار شریعت، حصہ15،ص327)

قربانی کے فضائل

سوال: قربانی کے کچھ فضائل بیان فرمادیں۔

جواب: قربانی کے فضائل پر مشتمل کچھ احادیث کریمہ درج ذیل ہیں:

(1) ام المومنین حضرتِ سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَا عَمِلَ آدَمِیٌّ مِنْ عَمَلٍ یَوْمَ النَّحْرِ أَحَبَّ إِلَی اللَّهِ مِنْ إِهْرَاقِ الدَّمِ، إِنَّهُ لَيَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُونِهَا وَأَشْعَارِهَا وَأَظْلَافِهَا، وَأَنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللَّهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَقَعَ مِنَ الْأَرْضِ، فَطِيبُوا بِهَا نَفْسًا)) ترجمہ: قربانی کے دن آدمی کا کوئی عمل اللہ عزوجل کے نزدیک خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے اور وہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں پہنچ جاتا ہے لہذا خوشدلی سے قربانی کیا کرو۔

(ترمذی، کتاب الاضاحی، باب فی فضل الاضحیہ، ج 4، ص 83، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر☆السنن ابن ماجہ، باب ثواب الاضحیۃ، ج 2، ص 1045، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت☆ المستدرک، کتاب الاضاحی، ج 4، ص 247، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(2) حضرتِ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((قَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا هَذِهِ الْأَضَاحِيُّ؟ قَالَ: سُنَّةُ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ قَالُوا: فَمَا لَنَا فِيهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: بِكُلِّ شَعَرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوا: فَالصُّوفُ؟ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: بِكُلِّ شَعَرَةٍ مِنَ الصُّوفِ حَسَنَةٌ)) ترجمہ: صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! ان میں ہمارے لئے کیا ثواب ہے؟ فرمایا: ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے۔ عرض کیا: اور اُون میں؟ فرمایا: اس کے ہر بال کے بدلے بھی

ایک نیکی ہے۔

(سنن ابن ماجه،باب ثواب الاضحية،ج2،ص1045، داراحياء الكتب العربيه، بيروت)

(3) حضرت سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:((مَنْ ضَحّٰی طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ مُحْتَسِبًا لِأُضْحِيَّتِهٖ كَانَتْ لَهٗ حِجَابًا مِنَ النَّارِ)) ترجمہ: جوثواب کی امید پرخوشدلی سے قربانی کرے تووہ قربانی اس کے لئے جہنم سے حجاب ہوگی۔

(المعجم الكبيرللطبراني،حسن بن حسن بن علي رضي الله عنهم،ج 3،ص84،مكتبه ابن تيميه ، القاہرہ☆ مجمع الزوائد،باب فضل الاضحيه، ج 4، ص 17،مكتبة القدسي،القاہرہ☆ الترغيب الترہيب للمنذري، كتاب العيدين والاضحية،ج2،ص100،دارالكتب العلميه،بيروت)

(4) حضرت سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے، نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:((أَيُّهَا النَّاسُ ضَحُّوا وَاحْتَسِبُوا بِدِمَائِهَا فَإِنَّ الدَّمَ، وَإِنْ وَقَعَ فِي الْأَرْضِ فَإِنَّهُ يَقَعُ فِي حِرْزِ اللّٰهِ عزوجل)) ترجمہ: لوگو! قربانی کرواوران کے خون پرثواب کی امید کرتے ہوئے صبر کرو کیونکہ خون اگر زمین پر گرے تو اللہ عزوجل کی حفاظت میں گرتا ہے۔

(طبراني اوسط،من بقية من اول اسمه ميم،ج 8،ص176،دارالحرمين،القاہرہ☆ الترغيب الترہيب للمنذري، كتاب العيدين والاضحية،ج2 ، ص100،دارالكتب العلميه،بيروت☆مجمع الزوائد،باب فضل الاضحيه،ج4،ص17،مكتبة القدسي، القاہرہ)

(5) حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:((مَا أُنْفِقَتِ الْوَرِقُ فِي شَيْءٍ أَحَبَّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ نَحِيرٍ يُنْحَرُ فِي يَوْمِ عِيدٍ)) ترجمہ: عید کے دن قربانی میں خرچ کرنا اللہ عزوجل کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔

(المعجم الكبير للطبراني،مسند ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما،ج 11،ص17،مكتبه ابن تيميه،القاہرہ☆الترغيب الترہيب للمنذري، كتاب العيدين والاضحية، ج 2 ، ص100،دارالكتب العلميه،بيروت☆ مجمع الزوائد،باب فضل الاضحيه،ج4، ص 17،مكتبة القدسي،القاہرہ)

(6) حضرتِ سیدنا ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرّم، نورِ مجسّم، رسولِ اکرم، شہنشاہِ بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((یَا فَاطِمَۃُ قُومِی إِلَی أُضْحِیَتِکِ فَاشْهَدِیهَا فَإِنَّ لَکِ بِکُلِّ قَطْرَۃٍ تَقْطُرُ مِنْ دَمِهَا أَنْ یُغْفَرَ لَکِ مَا سَلَفَ مِنْ ذُنُوبِکِ. قَالَتْ: یَا رَسُولَ اللّٰہِ أَلَنَا خَاصَّۃً أَهْلَ الْبَیْتِ، أَوْ لَنَا وَلِلْمُسْلِمِینَ؟ قَالَ: بَلْ لَنَا وَلِلْمُسْلِمِینَ)) ترجمہ: اے فاطمہ! اٹھو اور اپنی قربانی کا جانور لاؤ کیونکہ تمہارے لئے اس کے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی پچھلے گناہوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے"۔ حضرتِ سیدتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا، "یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! کیا یہ بشارت صرف ہمارے یعنی اہلِ بیت کے لئے خاص ہے یا دیگر مسلمانوں کے لئے بھی ہے؟ فرمایا: بلکہ ہمارے اور دیگر مسلمانوں سب کے لئے ہے۔

(المستدرک، کتاب الاضاحی، باب یغفر لمن یضحی عند اول قطرۃ تقطر من الدم، ج 4، ص 247، دارالکتب العلمیہ، بیروت ☆ مجمع الزوائد، باب فضل الاضحیہ، ج 4، ص 17، مکتبۃ القدسی، القاہرہ)

(7) حضرتِ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قَالَ لِفَاطِمَۃَ: یَا فَاطِمَۃُ قُومِی فَاشْهَدِی أُضْحِیَّتَکِ، أَمَا إِنَّ لَکِ بِأَوَّلِ قَطْرَۃٍ تَقْطُرُ مِنْ دَمِهَا مَغْفِرَۃً لِکُلِّ ذَنْبٍ، أَمَا إِنَّهُ یُجَاءُ بِهَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِلُحُومِهَا وَدِمَائِهَا سَبْعِینَ ضِعْفًا حَتَّی تُوضَعَ فِی مِیزَانِکِ. فَقَالَ أَبُو سَعِیدٍ الْخُدْرِیُّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ: یَا رَسُولَ اللّٰہِ أَهَذِهِ لِآلِ مُحَمَّدٍ خَاصَّۃً فَهُمْ أَهْلٌ لِمَا خُصُّوا بِهِ مِنْ خَیْرٍ، أَوْ لِآلِ مُحَمَّدٍ وَالنَّاسِ عَامَّۃً؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: بَلْ هِیَ لِآلِ مُحَمَّدٍ وَالنَّاسِ عَامَّۃً)) ترجمہ: اے فاطمہ! اٹھو اور اپنی قربانی کا جانور لیکر آؤ کیونکہ اس کے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی تمہارے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور قیامت کے دن اس کا خون اور اس کا گوشت ستر گنا اضافے کے ساتھ تمہاری میزان میں رکھا جائے گا۔ حضرتِ سیدنا ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! کیا یہ بشارت صرف آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہے کیونکہ یہ ہر خیر کے ساتھ خاص کئے جانے کے اہل ہیں یا یہ بشارت آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خصوصاً اور دیگر مسلمانوں کے لئے عموماً ہے؟ فرمایا: آل محمد کے لئے بالخصوص اور دیگر مسلمانوں کے لئے عمومی طور پر ہے۔

(السنن الکبری للبیہقی، باب مایستحب للمرء من ان یتولی ذبح نسکہ او یشہدہ، ج 9، ص 476، دارالکتب العلمیہ، بیروت ☆الترغیب الترہیب للمنذری، کتاب العیدین والاضحیۃ، ج 2، ص 100، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(8) حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو (عیدالاضحیٰ کے دن) خطبہ میں یہ فرماتے ہوا سنا: ((إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ مِنْ يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نُصَلِّيَ، ثُمَّ نَرْجِعَ، فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا)) ترجمہ: آج ہم اپنے اس دن کا آغاز یوں کریں گے کہ پہلے ہم نماز پڑھیں گے پھر واپس آکر قربانی کریں گے، جس نے یہ کام کیا تو اس نے ہماری سنت کو پالیا۔

(صحیح بخاری، باب سنۃ العیدین لاہل الاسلام، ج 2، ص 16، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

سابقہ امتوں میں قربانی

سوال: کیا قربانی کا عمل سابقہ امتوں میں بھی رائج تھا؟

جواب: جی ہاں! قربانی کا عمل سابقہ امتوں میں بھی رائج تھا چنانچہ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾ ترجمۂ کنز الایمان: اور ہر امت کے لئے ہم نے ایک قربانی مقرر فرمائی کہ اللہ کا نام لیں اس کے دیئے ہوئے بے زبان چوپایوں پر (ان کے ذبح کے وقت)۔

(پ 17، سورۃ الحج، آیت 34)

<u>ہابیل اور قابیل کی قربانیاں:</u>

علماءِ سِیَر و اَخبار کا بیان ہے کہ حضرت حوا کے حمل میں ایک لڑکا ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے اور ایک حمل کے لڑکے کا دوسرے حمل کی لڑکی کے ساتھ نکاح کیا جاتا تھا اور جب کہ آدمی صرف حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں منحصر تھے تو مناکحت کی اور کوئی سبیل ہی نہ تھی اسی دستور کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کا نکاح لیودا سے جو ہابیل کے ساتھ پیدا ہوئی تھی اور ہابیل کا اقلیما سے جو قابیل کے ساتھ پیدا ہوئی تھی کرنا چاہا، قابیل اس پر راضی نہ ہوا اور چونکہ اقلیما زیادہ خوبصورت تھی اس لئے اس کا طلب گار ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ تیرے ساتھ پیدا ہوئی لہٰذا تیری بہن ہے اس کے ساتھ تیرا نکاح حلال نہیں، کہنے لگا یہ تو آپ کی رائے ہے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نہیں دیا، آپ نے فرمایا تو تم دونوں **قربانیاں لاؤ** جس کی قربانی مقبول ہو جائے وہی اقلیما کا حقدار ہے، اس زمانہ میں **جو قربانی** مقبول ہوتی تھی آسمان سے ایک آگ اُتر کر اس کو کھا لیا کرتی تھی، قابیل نے ایک انبار گندم اور ہابیل نے **ایک بکری قربانی** کے لئے پیش کی، **آسمانی آگ نے ہابیل کی قربانی کو لے لیا** اور قابیل کے گیہوں چھوڑ گئی، اس پر قابیل کے دل میں بہت بغض و حسد پیدا ہوا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام حج کے لئے مکّہ مکرّمہ تشریف لے گئے تو قابیل نے ہابیل سے کہا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا، ہابیل نے کہا کیوں؟ کہنے لگا اس لئے کہ تیری قربانی

مقبول ہوئی، میری نہ ہوئی اور تو اقلیما کا مستحق ٹھہرا اس میں میری ذلّت ہے۔

ہابیل نے کہا کہ اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے یعنی قربانی کا قبول کرنا اللہ کا کام ہے وہ متقیوں کی قربانی قبول فرماتا ہے تو متقی ہوتا تو تیری قربانی قبول ہوتی، یہ خود تیرے افعال کا نتیجہ ہے، اس میں میرا کیا دخل ہے۔ اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ تجھ پر نہ بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں (باوجودیکہ میں تجھ سے قوی و توانا ہوں یہ صرف اس لئے کہ) میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہان کا مالک ہے۔

پھر قابیل نے نفس کے ورغلانے میں آ کر ہابیل کو قتل کر دیا، قتل کرنے کے بعد متحیر ہوا کہ اس لاش کو کیا کرے کیونکہ اس وقت تک کوئی انسان مرا ہی نہ تھا، مدّت تک لاش کو پشت پر لادے پھرا۔

مروی ہے کہ دو کوّے آپس میں لڑے ان میں سے ایک نے دوسرے کو مار ڈالا پھر زندہ کوّے نے اپنی منقار (چونچ) اور پنجوں سے زمین کُرید کر گڈھا کیا، اس میں مرے ہوئے کوّے کو ڈال کر مٹی سے دبا دیا، یہ دیکھ کر قابیل کو معلوم ہوا کہ مُردے کی لاش کو دفن کرنا چاہئے چنانچہ اس نے زمین کھود کر دفن کر دیا۔

(خزائن العرفان، سورۃ المائدہ، تحت الآیات 27 تا 31)

قرآن عظیم میں ہے: ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ قَالَ يَا وَيْلَتَا أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ

فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ۝﴾ ترجمہ: اورانہیں پڑھ کرسناؤ آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر جب دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی تو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہ قبول ہوئی بولا قسم ہے میں تجھے قتل کردوں گا کہا اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے ، بے شک اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ تجھ پر نہ بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو مالک ہے سارے جہان کا، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں تیرے ہی پلہ پڑے تو تو دوزخی ہو جائے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے، تو اُس کے نفس نے اُسے بھائی کے قتل کا چاؤ دلایا تو اسے قتل کر دیا تو رہ گیا نقصان میں، تو اللہ نے ایک کوا بھیجا زمین کریدتا کہ اسے دکھائے کیونکر اپنے بھائی کی لاش چھپائے بولا ہائے خرابی میں اس کوے جیسا بھی نہ ہوسکا کہ میں اپنے بھائی کی لاش چھپاتا تو پچھتاتا رہ گیا۔ (پ 6 ،سورۃ المائدہ، آیت 27تا31)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کی دعا مانگی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیٹے کی بشارت دی گئی، بڑھاپے کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل جیسا فرزند عطا فرمایا، خوشی کی انتہا نہ رہی، مگر جب بیٹا تیرہ سال کا ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوم ترویہ (آٹھ ذوالحجہ) کو رات خواب دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ آپ کا رب آپ کو بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم فرمارہا ہے، یہی خواب آپ نے اگلی دو راتوں میں بھی دیکھا، (کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا خواب حجت ہوتا ہے لہذا) آپ علیہ السلام نے بیٹے کے ذبح کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا اور اپنے بیٹے کو اس سے مطلع فرمایا، فرماں بردار بیٹے میں اپنے آپ کو فوراً قربانی کے بخوشی پیش کردیا، آپ اپنے صاحبزادے کو وادیٔ منیٰ میں لے گئے ، اور چہرے کے بل لٹادیا اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چھری چلادی، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے

چھری نے ذبح نہ کیا (ایک روایت میں ہے کہ چھری اور گردن کے درمیان تانبے کی پلیٹ حائل ہوگئے، جس کے باعث چھری اپنا کام نہ کرسکی)، پھر اللہ تعالیٰ نے ایک جنتی مینڈھا صاحبزادے کے فدیئے کے طور پر بھیجا، جسے آپ علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے ذبح فرمادیا۔

قرآن مجید میں اس واقعہ کواس طرح بیان فرمایا: ﴿رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ○فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ○فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ○ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ○ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ○ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ○اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ○وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ○وَ تَرَکْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ○سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ○ کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ○اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ○﴾ ترجمۂ کنز الایمان: (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا) الٰہی مجھے لائق اولاد دے۔ تو ہم نے اسے خوشخبری سنائی ایک عقل مند لڑکے کی۔ پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہوگیا، کہا اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا میں تجھے ذبح کرتا ہوں، اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے کہا اے میرے باپ کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا اس وقت کا حال نہ پوچھ اور ہم نے اسے ندا فرمائی کہ اے ابراہیم بیشک تو نے خواب سچ کر دکھایا ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو، بیشک یہ روشن جانچ تھی اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے کر اسے بچالیا اور ہم نے پچھلوں میں اس کی تعریف باقی رکھی، سلام ہو ابراہیم پر، ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو، بیشک وہ ہمارے اعلیٰ درجہ کے کامل الایمان بندوں میں ہے۔ (پ23، سورۃ الصفت، آیت100تا111)

قومِ موسیٰ کی قربانی:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں بھی قربانی رائج تھی، قرآن پاک میں قومِ موسیٰ کے بارے میں بیان کرتے ہوئے ان کا قول بیان کیا گیا ہے کہ ہم کسی رسول پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لادے جس کو آگ کھا جائے۔

قرآن مجید میں ہے: ﴿اَلَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَیْنَاۤ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ بِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۝﴾ ترجمۂ کنزالایمان: وہ جو کہتے ہیں اللہ نے ہم سے اقرار کرلیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک ایسی قربانی کا حکم نہ لائے جسے آگ کھائے تم فرمادو مجھ سے پہلے بہت رسول تمہارے پاس کھلی نشانیاں اور یہ حکم لے کر آئے جو تم کہتے ہو پھر تم نے انہیں کیوں شہید کیا اگر سچے ہو۔

(پ 4، سورۂ آل عمران، آیت 183)

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ یہود کی ایک جماعت نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ ہم سے توریت میں عہد لیا گیا ہے کہ جو مدعی رسالت ایسی قربانی نہ لائے جس کو آسمان سے سفید آگ اتر کر کھائے اس پر ہم ہرگز ایمان نہ لائیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان کے اس کذب محض اور افتراء خالص کا ابطال کیا گیا کیونکہ اس شرط کا توریت میں نام ونشان بھی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ نبی کی تصدیق کے لئے معجزہ کافی ہے کوئی معجزہ ہو جب نبی نے کوئی معجزہ دکھایا اس کے صدق پر دلیل قائم ہوگئی اور اس کی تصدیق کرنا اور اس کی نبوت کو ماننا لازم ہوگیا اب کسی خاص معجزہ کا اصرار حجت قائم ہونے کے بعد نبی کی تصدیق کا انکار ہے۔ (ان کی اس بات کا رد نہیں کیا کہ بنی اسرائیل کے انبیاء یہ معجزہ دکھاتے تھے بلکہ ان سے فرمایا کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام جب تمہارے پاس یہ والا معجزہ لے کر آئے تو تم نے انہیں شہید کیوں کیا اور ان پر ایمان کیوں نہیں لائے) جب تم نے یہ نشانی لانے والے انبیاء کو قتل کیا اور ان پر ایمان نہ لائے تو ثابت ہوگیا کہ تمہارا یہ

دعویٰ جھوٹا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان،تحت الآیۃ المذکورہ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی قربانیاں:

حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیت المقدس سے تعمیر شروع کی تکمیل سے پہلے آپ نے پردۂ ظاہری فرمایا،اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی تکمیل فرمائی. جب بیت المقدس کی تکمیل ہوگئی تو((قَرَّبَ الْقَرَابِینَ وَذَبَحَ الذَّبَائِحَ وَجَمَعَ بَنِی إِسْرَائِیل)) ترجمہ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے قربانیاں پیش کیں، جانور ذبح کیے اور بنی اسرائیل کو جمع فرمایا۔

(مجمع الزوائد،باب الصلاۃ فی المسجد،ج4،ص7،مکتبۃ القدسی،القاہرہ)

حضرت عبدالمطلب کی قربانی:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:((أَنَا ابْنُ الذَّبِیحَیْنِ)) میں دوذبیحوں کا بیٹا ہوں۔

(المستدرک علی الصحیحین،ذکر من قال ان الذبیح الخ،ج2،ص609،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

ایک اور حدیث پاک میں ہے،حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یوں خطاب کیا: ((یَا ابْنَ الذَّبِیحَیْنِ))،اے دوذبیحوں کے بیٹے،تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایااوراس پرانکارنہیں فرمایا،اس بارے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیاتو فرمایا:عبدالمطلب نے جب زمزم کا کنواں کھودا،نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ میرے لیے اس کوآسان کردے تو میں اپنے ایک بیٹے کوضرور ذبح کروں گا،قرعہ عبداللہ کے نام نکلا،لوگوں نے اس سے روکااور کہا کہ اس کے بدلے میں سواونٹ ذبح کردو،انہوں نے اس کے بدلے میں سواونٹ ذبح کردیئے اور دوسرے ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(المستدرک علی الصحیحین،ذکر اسماعیل بن ابراہیم علیہماالسلام،ج 2، ص604، دارالکتب العلمیہ،بیروت)

قربانی کا وجوب اور اس کی شرائط

سوال: شرعی طور پر قربانی کا کیا حکم ہے؟

جواب: (اگر وجوبِ قربانی کی شرائط پائی جائیں تو) قربانی واجب ہے اور اس کا وجوب قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

دلیل نمبر (1):

قرآن وحدیث میں قربانی کرنے کا حکم آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ ترجمہ: اپنے رب کی نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے۔

(پ30، سورۃ الکوثر، آیت2)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((ضَحُّوا، وَطَيِّبُوا بِهَا أَنْفُسَكُم)) ترجمہ: قربانی کرو اور خوش دلی سے کرو۔ (مصنف عبد الرزاق، 4، ص388، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ، ضَحُّوا)) ترجمہ: اے لوگو! قربانی کرو۔

(معجم اوسط، من بقیۃ من اول اسمہ میم من اسمہ موسیٰ، ج8، ص176، دارالحرمین، القاہرہ)

اور امر (حکم دینا) وجوب کے لئے ہوتا ہے۔

مبسوط میں ہے:

ہماری دلیل قربانی کے وجوب میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ یعنی قربانی کرو، اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔

(مبسوط، باب الاضحیہ، ج12، ص11، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

دلیل نمبر (2):

قربانی نہ کرنے پر حدیث میں وعید وارد ہے اور یہ بھی دلیلِ وجوب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا

يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا)) ترجمہ: جس میں وسعت ہواور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔ (ابن ماجہ،باب الاضاحی واجبۃ ام لا،ص226،قدیمی کتب خانہ،کراچی)

مبسوط میں ہے:''وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَنْ وَجَدَ سَعَةً وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا وَإِلْحَاقُ الْوَعِيدِ لَا يَكُونُ إِلَّا بِتَرْكِ الْوَاجِبِ''ترجمہ:(مذکورہ بالا حدیث پاک نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں)وعید کا الحاق ترکِ واجب پر ہی ہوتا ہے۔

(مبسوط،باب الاضحیہ،ج12،ص11،مکتبہ رشیدیہ،کوئٹہ)

دلیل نمبر(3):

جو وقت سے پہلے کرلے اس کے لیے اعادہ کا حکم حدیث پاک میں موجود ہے،جو کہ اس کے واجب ہونے کی دلیل ہے۔حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيَذْبَحْ شَاةً مَكَانَهَا، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ ذَبَحَ، فَلْيَذْبَحْ عَلَى اسْمِ اللهِ)) ترجمہ:جس نے عید کی نماز سے پہلے ذبح کیا تو وہ اس کی جگہ اور بکری ذبح کرے اور جس نے ابھی تک ذبح نہیں کیا تو وہ اللہ کے نام پر ذبح کرے۔

(صحیح مسلم،ج3،ص1551،داراحیاء التراث العربی،بیروت)

سوال:قربانی واجب ہونے کی کیا شرائط ہیں یعنی کس شخص پر قربانی واجب ہوتی ہے؟

جواب:قربانی واجب ہونے کے شرائط یہ ہیں:

(1)اسلام یعنی غیر مسلم پر قربانی واجب نہیں۔

(2)اقامت یعنی مقیم ہونا،مسافر پر واجب نہیں۔

(3)مالک نصاب ہونا،جو نصاب کا مالک نہیں اس پر قربانی واجب نہیں۔

(4)بالغ ہونا،چنانچہ نابالغ پر واجب نہیں۔

(درمختار وردالمحتار،کتاب الاضحیہ،ج9،ص524،دارالمعرفہ،بیروت)

قربانی کانصاب

سوال: قربانی کے معاملہ میں صاحبِ نصاب کون ہے؟

جواب: جوشخص ساڑھے سات تولے سونے یا ساڑھے باون تولے چاندی یا ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر رقم یا حاجت اصلیہ کے علاوہ اتنی مالیت کی کسی چیز کا بھی مالک ہو، وہ قربانی کے معاملے میں صاحب نصاب ہے، حاجت اصلیہ سے مراد رہنے کا مکان اور خانہ داری کے سامان جن کی حاجت ہو اور سواری اور خادم اور پہننے کے کپڑے ،کام کی کتابیں، ان کے سوا جو چیزیں ہوں وہ حاجت سے زائد ہیں۔

سوال: قربانی اور زکوۃ کے نصاب میں کیا فرق ہے؟

جواب: قربانی اور زکوۃ کے نصاب میں دو طرح سے فرق ہے:

(1) زکوۃ کے نصاب میں صرف مال نامی (سونا چاندی، سکہ رائج الوقت اور مال تجارت) کا اعتبار کیا جاتا ہے جبکہ قربانی کے نصاب میں حاجتِ اصلیہ کے علاوہ ہر چیز داخل ہوتی ہے۔

(2) زکوۃ کے لئے نصاب پر سال گذرنا شرط ہے جبکہ قربانی کے لئے شرط نہیں۔

(حاشیة الطحطاوی، ص723، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

سوال: اگر عورت میں یہ ساری شرائط پائی جائیں تو اس پر بھی قربانی واجب ہوگی؟

جواب: جی ہاں، واجب ہوگی کیونکہ قربانی کے لیے مرد ہونا شرط نہیں۔ عورتوں پر واجب ہوتی ہے جس طرح مردوں پر واجب ہوتی ہے۔

(درمختار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص 524، دار المعرفہ، بیروت)

سوال: وجوبِ قربانی کی شرائط کا قربانی کے پورے وقت میں ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: شرائط کا پورے وقت میں پایا جانا ضروری نہیں بلکہ قربانی کے لیے جو

وقت مقرر ہے اس کے کسی حصہ میں شرائط کا پایا جانا وجوب کے لیے کافی ہے مثلاً ایک شخص ابتدائے وقت قربانی میں کافر تھا پھر مسلمان ہوگیا اور ابھی قربانی کا وقت باقی ہے اس پر قربانی واجب ہے جبکہ دوسری شرائط بھی پائی جائیں۔ یوہیں اول وقت میں مسافر تھا اور اثنائے وقت میں مقیم ہوگیا اس پر بھی قربانی واجب ہوگئی یا فقیر تھا اور وقت کے اندر مالدار ہوگیا اس پر بھی قربانی واجب ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ،الباب الاول فی تفسیرہا،ج5،ص293،دارالفکر،بیروت)

سوال: جس شخص پر قرض ہے اور اس کے اموال سے قرض کی مقدار نکالی جائے تو نصاب کی مقدار نہیں باقی رہتی تو قربانی کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس پر قربانی واجب نہیں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ،الباب الاول فی تفسیرہا،ج5،ص292،دارالفکر،بیروت)

سوال: اگر کسی کے پاس دوسودرہم (ساڑھے باون تولے چاندی) کی قیمت کا قرآن مجید یا کتابیں ہیں تو کیا اس پر قربانی واجب ہے؟

جواب: کسی کے پاس دوسودرہم کی قیمت کا مصحف شریف (قرآن مجید) ہے اگر وہ اسے دیکھ کر اچھی طرح تلاوت کرسکتا ہے تو اس پر قربانی واجب نہیں چاہے اس میں تلاوت کرتا ہو یا نہ کرتا ہو (کیونکہ وہ اس کی حاجت اصلیہ سے ہے) اور اگر اچھی طرح اسے دیکھ کر تلاوت نہ کرسکتا ہو تو قربانی واجب ہے۔ کتابوں کا بھی یہی حکم ہے کہ اس کے کام کی ہیں تو قربانی واجب نہیں ورنہ ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ،الباب الاول فی تفسیرہا،ج5،ص291.292، دار الفکر،بیروت)

سوال: حاجت اصلیہ سے زائد اگر ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر قیمت کی کوئی چیز ہو تو قربانی واجب ہوتی ہے، اس کی کچھ امثلہ بیان کردیں۔

جواب: ایک مکان سردی کے لیے اور ایک گرمی کے لیے یہ حاجت میں داخل ہے ان کے علاوہ اس کے پاس تیسرا مکان ہو جو حاجت سے زائد ہے اگر یہ دوسودرہم کا ہے تو قربانی واجب ہے، اسی طرح گرمی سردی کے بچھونے حاجت میں داخل ہیں اور تیسرا

بچھونا جو حاجت سے زائد ہے اس کا اعتبار ہوگا۔ غازی کے لیے دو گھوڑے حاجت میں ہیں تیسرا حاجت سے زائد ہے۔ اسلحہ غازی کی حاجت میں داخل ہیں ہاں اگر ہر قسم کے دو ہتھیار ہوں تو دوسرے کو حاجت سے زائد قرار دیا جائے گا۔ گھر میں پہننے کے کپڑے اور کام کاج کے وقت پہننے کے کپڑے اور جُمُعَہ و عید اور دوسرے موقعوں پر پہن کر جانے کے کپڑے یہ سب حاجت میں داخل ہیں اور ان تین کے سوا چوتھا جوڑا اگر دو سو درہم کا ہے تو قربانی واجب ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الاول فی تفسیر ہا، ج 5، ص 293، دارالفکر بیروت ☆ درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج 9، ص 524، دارالمعرفہ، بیروت)

سوال: قربانی صرف غنی ہی پر واجب ہوتی ہے یا فقیر پر بھی واجب ہو سکتی ہے؟

جواب: غنی اور فقیر پر واجب ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے اس کی تین صورتیں ہیں:

(1) غنی اور فقیر دونوں پر واجب (2) فقیر پر واجب ہو غنی پر واجب نہ ہو (3) غنی پر واجب ہو فقیر پر واجب نہ ہو۔

دونوں پر واجب ہو اس کی صورت یہ ہے کہ قربانی کی منت مانی یہ کہا کہ اللہ عزوجل کے لیے مجھ پر بکری یا گائے کی قربانی کرنا ہے یا اس بکری یا اس گائے کو قربانی کرنا ہے۔ فقیر پر واجب ہو غنی پر نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ فقیر نے قربانی کے لیے جانور خریدا اس پر اس جانور کی قربانی واجب ہے اور غنی اگر خریدتا تو اس خریدنے سے قربانی اس پر واجب نہ ہوتی۔ غنی پر واجب ہو فقیر پر واجب نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ قربانی کا وجوب نہ خریدنے سے ہو نہ منت ماننے سے بلکہ خدا نے جو اسے زندہ رکھا ہے اس کے شکریہ میں اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت کے اِحیا میں (زندہ کرنے میں) جو قربانی واجب ہے وہ صرف غنی پر ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الاول فی تفسیر ہا، ج 5، ص 291,292، دارالفکر بیروت)

سوال: ایک فقیر شرعی کے پاس بکری تھی اس نے قربانی کی نیت کرلی یا خریدتے وقت قربانی کی نیت نہ تھی بعد میں کرلی، تو کیا اس نیت کرنے سے اس پر قربانی واجب ہوجائے گی؟

جواب: بکری کا مالک تھا اور اس کی قربانی کی نیت کرلی یا خریدنے کے وقت قربانی کی نیت نہ تھی بعد میں نیت کرلی تو اس نیت سے قربانی واجب نہیں ہوگی۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الاول فی تفسیر ہا، ج5، ص291، دارالفکر، بیروت)

سوال: مسافر اور فقیر پر قربانی واجب نہیں، اگر انہوں نے کرلی تو کیا حکم ہے؟

جواب: مسافر پر قربانی واجب نہیں اگر مسافر نے قربانی کی یہ تطوّع (نفل) ہے اور فقیر نے اگر نہ منت مانی ہو نہ قربانی کی نیت سے جانور خریدا ہو اس کا قربانی کرنا بھی تطوّع ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الاول فی تفسیر ہا، ج5، ص291، دارالفکر، بیروت)

سوال: حج کرنے والا مسافر ہوتا ہے، تو کیا اس پر بھی قربانی واجب نہیں؟

جواب: جی ہاں، حج کرنے والے جو مسافر ہوں ان پر قربانی واجب نہیں اور مقیم ہوں تو واجب ہے جیسے کہ مکہ کے رہنے والے حج کریں تو چونکہ یہ مسافر نہیں ان پر واجب ہوگی۔ (درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص524، دارالمعرفہ، بیروت)

سوال: کیا بالغ لڑکوں اور بیوی کی طرف سے بغیر ان کی اجازت سے قربانی کرسکتا ہے؟

جواب: بالغ لڑکوں یا بیوی کی طرف سے قربانی کرنا چاہتا ہے تو ان سے اجازت حاصل کرے بغیر ان کے کہے اگر کردی تو ان کی طرف سے واجب ادا نہ ہوا۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الاول فی تفسیر ہا، ج5، ص293، دارالفکر، بیروت)

سوال: مالکِ نصاب نے قربانی کی منت بھی مان لی تو کتنی قربانیاں کرے گا؟

جواب: مالکِ نصاب نے قربانی کی منت مانی تو اس کے ذمہ دو قربانیاں واجب ہوگئیں ایک وہ جو غنی پر واجب ہوتی ہے اور ایک منت کی وجہ سے۔ دو یا دو سے زیادہ

قربانیوں کی منت مانی تو جتنی قربانیوں کی منت ہے سب واجب ہیں۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص549,550، دارالمعرفہ،بیروت)

سوال: اگر ابتدائے وقت میں وجوبِ قربانی کی شرائط نہیں پائی جاتی تھی، آخر وقت میں وجوب کی شرائط پائیں گئیں یا اس کے برعکس ہوگیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر ابتدائے وقت میں اس کا اہل نہ تھا وجوب کی شرائط نہیں پائی جاتی تھیں اور آخر وقت میں اہل ہوگیا یعنی وجوب کی شرائط پائی گئیں تو اس پر قربانی واجب ہوگئی اور اگر ابتدائے وقت میں واجب تھی اور ابھی کی نہیں اور آخر وقت میں شرائط جاتی رہیں تو واجب نہ رہی۔

اور اگر مالک نصاب بغیر قربانی کیے ہوئے انھیں دنوں میں مرگیا تو اس کی قربانی ساقط ہوگئی۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الاول فی تفسیر ہا، ج 5، ص293، دارالفکر،بیروت ☆ درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص525، دارالمعرفہ،بیروت)

سوال: ایک شخص فقیر تھا مگر اس نے قربانی کر ڈالی اس کے بعد ابھی وقت قربانی کا باقی تھا کہ غنی ہو گیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: ایک شخص فقیر تھا مگر اس نے قربانی کر ڈالی اس کے بعد ابھی وقت قربانی کا باقی تھا کہ غنی ہو گیا تو اس کو پھر قربانی کرنی چاہیے کہ پہلے جو کی تھی وہ واجب نہ تھی اور اب واجب ہے بعض علماء نے فرمایا کہ وہ پہلی قربانی کافی ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الاول فی تفسیر ہا، ج 5، ص293، دارالفکر، بیروت ☆ درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص524، دارالمعرفہ،بیروت)

سوال: اگر مالکِ نصاب تھا، قربانی نہ کی، وقت گزر گیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر مالک نصاب ہونے کے باوجود اس نے قربانی نہ کی اور وقت ختم ہونے کے بعد فقیر ہوگیا تو اس پر بکری کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے یعنی وقت گزرنے کے بعد قربانی ساقط نہیں ہوگی۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الاول فی تفسیر ہا، ج 5، ص293، دارالفکر،

بیروت ☆ درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص524، دارالمعرفہ، بیروت)

سوال :قربانی واجب ہوتو کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ قربانی [illegible]
بجائے پیسے صدقہ کر دیئے جائیں؟

جواب :قربانی کے وقت میں قربانی
قائم مقام نہیں ہوسکتی مثلاً بجائے قربانی اس نے بکری یہ
ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الاول فی تفسیرہا، ج5، ص293.294، [illegible])

سوال: کیا قربانی میں نیابت ہوسکتی ہے؟

جواب :جی ہاں، اس میں نیابت ہوسکتی ہے یعنی خود کرنا ضروری نہیں بلکہ
دوسرے کو اجازت دے دی اس نے کر دی یہ ہوسکتا ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الاول فی تفسیرہا، ج5، ص293.294، [illegible])

قربانی کا وقت

سوال: قربانی کا وقت کب سے کب تک ہے؟

جواب: قربانی کا وقت دسویں ذی الحجہ کے طلوع صبح صادق سے بارہویں کے غروب آفتاب تک ہے یعنی تین دن، دو راتیں اور ان دنوں کو ایام نحر کہتے ہیں۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ،ج9، ص520,527,529، دارالمعرفہ، بیروت)

نوٹ: ☆ دسویں کے بعد کی دونوں راتیں ایام نحر میں داخل ہیں ان میں بھی قربانی ہوسکتی ہے مگر رات میں ذبح کرنا مکروہ ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ،الباب الثالث فی وقت الاضحیہ،ج5، ص295، دار الفکر،بیروت)

مکروہ اس صورت میں ہے جب روشنی کا مناسب انتظام نہ ہو، اگر روشنی کا انتظام اچھا ہے تو مکروہ نہیں۔

قربانی صرف تین دن:

سوال: قربانی کے تین دن ہونے پر کچھ دلائل بیان کردیں۔

جواب: قربانی کے تین ہونے پر کچھ دلائل درج ذیل ہیں:

(1) امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی رحمۃ اللہ علیہ روایت نقل کرتے ہیں: ((عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ:النَّحْرُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ)) ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،فرماتے ہیں کہ قربانی تین دن تک ہے۔

(احکام القرآن للطحاوی،تأويلُ قَوْلِهِ تعالی:واذكُروا الله فی أيّامٍ مَعدُوداتٍ ، ج 2،ص205،مرکز البحوث الاسلامیہ،استنبول)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن کبری میں اس روایت کو امام مالک کے حوالے سے اس طرح نقل کیا ہے: ((أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللہ عَنْہُ كَانَ يَقُولُ:الْأَضْحَى يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ الْأَضْحَى)) ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: عید کے دن کے بعد قربانی دو دن ہے۔

(السنن الکبری للبیہقی،بابُ مَن قَالَ الأضحى يوم النحر ويومَيْنِ بَعْدَهُ،ج9،ص500، دار الکتب

العلمیہ،بیروت)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان ابن حزم نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:((عَنْ عَلِيٍّ قَالَ:النَّحْرُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ أَفْضَلُهَا أَوَّلُهَا)) ترجمہ:حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،فرماتے ہیں:قربانی کے تین دن ہیں،ان میں سے افضل پہلا دن ہے۔

(المحلی بالآثار لابن حزم،مسئلۃ التضحیۃ لیلاً،ج6،ص40،دارالفکر،بیروت)

(2) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشادفرمایا:((الْأَضْحَى يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ الْأَضْحَى)) ترجمہ:یوم اضحیٰ (عیدوالے دن) کے بعد قربانی دو دن ہے۔

(موطا امام مالک،الضَّحِيَّةُ عَمَّا فِي بَطْنِ الْمَرْأَةِ،ج3،ص695،موسسۃ زاید بن سلطان،ابوظبی ☆ السنن الکبری للبیہقی،بَابُ مَنْ قَالَ الْأَضْحَى يَوْمَ النَّحْرِ وَيَوْمَيْنِ بَعْدَهُ،ج9،ص500،دارالکتب العلمیہ،بیروت ☆احکام القرآن للطحاوی،تَأْوِيلُ قَوْلِهِ تَعَالَى:وَاذْكُرُوا اللهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ،ج 2، ص205،مرکز البحوث الاسلامیہ، استنبول)

(3) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشادفرمایا:((الذَّبْحُ بَعْدَ الْعِيدِ يَوْمَانِ)) ترجمہ:عیدوالے دن کے بعد قربانی دو دن تک ہے۔

(احکام القرآن للطحاوی،تَأْوِيلُ قَوْلِهِ تَعَالَى:وَاذْكُرُوا اللهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ،ج 2،ص206،مرکز البحوث الاسلامیہ،استنبول ☆السنن الکبری للبیہقی،بَابُ مَنْ قَالَ الْأَضْحَى يَوْمَ النَّحْرِ وَيَوْمَيْنِ بَعْدَهُ،ج9،ص500،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

(4) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے،ارشاد فرمایا:((الْأَضْحَى ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ)) ترجمہ:قربانی تین دن تک ہے۔

(احکام القرآن للطحاوی،تَأْوِيلُ قَوْلِهِ تَعَالَى:وَاذْكُرُوا اللهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ،ج 2،ص205،مرکز البحوث الاسلامیہ،استنبول ☆المحلی بالآثار لابن حزم،مسئلۃ التضحیۃ لیلاً،ج 6،ص40، دارالفکر،بیروت)

(5) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، ارشاد فرمایا:((النَّحْرُ يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ النَّحْرِ، وَأَفْضَلُهَا يَوْمُ النَّحْرِ)) ترجمہ:یوم نحر (عید والے دن) کے بعد قربانی دو دن ہے اوران (تین دنوں) میں سے افضل دن یو[illegible] ہے۔

(احکام القرآن للطحاوی،تَأْوِيلُ قَوْلِهِ تَعَالَى:وَاذْكُرُوا اللهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ،ج 2،ص205،مر[illegible]

البحوث الاسلامیہ، استنبول)

(6) ماعز بن مالک کہتے ہیں: ((أَنَّ أَبَاهُ سَمِعَ عُمَرَ يَقُولُ: إِنَّمَا النَّحْرُ فِي هَذِهِ الثَّلَاثَةِ الْأَيَّامِ)) ترجمہ: ان کے والد نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے سنا کہ قربانی ان تین دنوں میں ہے۔

(المحلی بالآثار لابن حزم، مسئلہ التضحیۃ لیلاً، ج6، ص40، دارالفکر، بیروت)

(7) ابو مریم کہتے ہیں: ((سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: الْأَضْحَى ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ)) ترجمہ: میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے سنا: قربانی تین دنوں میں ہے۔

(المحلی بالآثار لابن حزم، مسئلہ التضحیۃ لیلاً، ج6، ص40، دارالفکر، بیروت)

غیر مقلد زبیر علی زئی نے لکھا: ''سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جمہور صحابہ کرام کا یہی قول ہے کہ قربانی کے تین دن (عید الاضحیٰ اور دو دن بعد) ہیں، **ہماری تحقیق میں یہی راجح ہے** اور امام مالک وغیرہ نے بھی اسے ہی ترجیح دی ہے۔

(ماہنامہ الحدیث حضرو، شمارہ نمبر 44، جنوری 2008ء بحوالہ قربانی 154، اویسی بک سٹال، گوجرانوالہ)

غیر مقلد غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری نے لکھا: ''حدیث ''کل ایام التشریق ذبح'' (ایام تشریق سارے کے سارے قربانی کے دن ہیں) جمیع سندوں کے ساتھ ضعیف ہے، راجح قول یہ ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں۔

(ماہنامہ السنہ جہلم، شمارہ نمبر 14، ص29تا31، دسمبر 2009ء بحوالہ قربانی، ص 173، اویسی بک سٹال، گوجرانوالہ)

سوال: تینوں دنوں میں قربانی کے لیے سب سے افضل دن کون سا ہے؟

جواب: پہلا دن یعنی دسویں تاریخ سب میں افضل ہے پھر گیارہویں اور پچھلا دن یعنی بارہویں سب میں کم درجہ ہے اور اگر تاریخوں میں شک ہو یعنی تیس کا چاند مانا گیا ہے اور اونتیس کے ہونے کا بھی شبہہ ہے مثلاً گمان تھا کہ اونتیس کا چاند ہوگا مگر ابر وغیرہ کی وجہ سے نہ دکھایا شہادتیں گزریں مگر کسی وجہ سے قبول نہ ہوئیں ایسی حالت میں دسویں کے

متعلق یہ شبہ ہے کہ شاید آج گیارہویں ہوتو بہتر یہ ہے کہ قربانی کو بارہویں تک مؤخر نہ کرے یعنی بارہویں سے پہلے کرڈالے کیونکہ بارہویں کے متعلق تیرہویں تاریخ ہونے کا شبہ ہوگا تو یہ شبہ ہوگا کہ وقت سے بعد میں ہوئی اوراس صورت میں اگر بارہویں کوقربانی کی جس کے متعلق تیرہویں ہونے کا شبہ ہےتو بہتر یہ ہے کہ سارا گوشت صدقہ کرڈالے بلکہ ذبح کی ہوئی بکری اور زندہ بکری میں قیمت کا تفاوت ہو کہ زندہ کی قیمت کچھ زائد ہوتو اس زیادتی کوبھی صدقہ کردے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ،الباب الثالث فی وقت الاضحیہ،ج5،ص295، دار الفکر،بیروت)

سوال:قربانی کے دنوں میں قربانی کرنا افضل ہے یا صدقہ؟

جواب:ایام نحر میں قربانی کرنا اتنی قیمت کے صدقہ کرنے سے افضل ہے کیونکہ قربانی واجب ہے یا سنت اور صدقہ کرنا تطوّع محض (محض نفلی) ہےلہذا قربانی افضل ہوئی۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ،الباب الثالث فی وقت الاضحیہ،ج5،ص295، دار الفکر،بیروت)

اوروجوب کی صورت میں بغیر قربانی کیے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔

شہر اور دیہات میں قربانی کے مسائل

سوال: کیا پہلے دن قربانی عید کی نماز کے بعد کرنا ضروری ہے؟

جواب: شہر میں قربانی کی جائے تو شرط یہ ہے کہ نماز ہوچکے لہٰذا نماز عید سے پہلے شہر میں قربانی نہیں ہوسکتی اور دیہات میں چونکہ نماز عید نہیں ہے یہاں طلوع فجر کے بعد سے ہی قربانی ہوسکتی ہے اور دیہات میں بہتر یہ ہے کہ بعد طلوع آفتاب قربانی کی جائے اور شہر میں بہتر یہ ہے کہ عید کا خطبہ ہوچکنے کے بعد قربانی کی جائے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الثالث فی وقت الاضحیہ، ج5، ص295، دار الفکر، بیروت)

یعنی نماز ہوچکی ہے اور ابھی خطبہ نہیں ہوا ہے اس صورت میں قربانی ہو جائے گی مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔

سوال: شہر اور دیہات کا جو فرق بیان کیا گیا، یہ مقام قربانی کے لحاظ سے ہے یا قربانی کرنے والے کے اعتبار سے ہے؟

جواب: یہ جو شہر و دیہات کا فرق بتایا گیا یہ مقام قربانی کے لحاظ سے ہے قربانی کرنے والے کے اعتبار سے نہیں یعنی دیہات میں قربانی ہو تو وہ وقت ہے اگرچہ قربانی کرنے والا شہر میں ہو اور شہر میں ہو تو نماز کے بعد ہو اگرچہ جس کی طرف سے قربانی ہے وہ دیہات میں ہو لہٰذا شہری آدمی اگر یہ چاہتا ہے کہ صبح ہی نماز سے پہلے قربانی ہو جائے تو جانور دیہات میں بھیج دے۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص529، دار المعرفہ، بیروت)

سوال: اگر شہر میں متعدد جگہ عید ہوتی ہو تو کیا کرے؟

جواب: اگر شہر میں متعدد جگہ عید کی نماز ہوتی ہو تو پہلی جگہ نماز ہوچکنے کے بعد قربانی جائز ہے یعنی یہ ضرور نہیں کہ عیدگاہ میں نماز ہو جائے جب ہی قربانی کی جائے بلکہ کسی مسجد میں ہوگئی اور عیدگاہ میں نہ ہوئی جب بھی ہوسکتی ہے۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص527,528، دار المعرفہ، بیروت)

سوال: اگر شہر میں کسی وجہ سے عید کی نماز نہ ہوئی تو کیا حکم ہے؟

جواب: دسویں کو اگر عید کی نماز نہیں ہوئی تو قربانی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وقتِ نماز جاتا رہے یعنی زوال کا وقت آجائے اب قربانی ہو سکتی ہے اور دوسرے یا تیسرے دن نماز عید سے قبل ہو سکتی ہے۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ،ج9، ص530، دارالمعرفہ،بیروت)

سوال: منیٰ میں کس وقت قربانی کر سکتا ہے؟

جواب: منیٰ میں چونکہ عید کی نماز نہیں ہوتی لہٰذا وہاں جو قربانی کرنا چاہے طلوع فجر کے بعد سے کر سکتا ہے اس کے لیے وہی حکم ہے جو دیہات کا ہے۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ،ج9، ص528، دارالمعرفہ،بیروت)

سوال: کسی شہر میں فتنہ کی وجہ سے عید کی نماز نہ ہو سکی تو وہاں کس وقت سے قربانی ہو سکتی ہے؟

جواب: کسی شہر میں اگر فتنہ کی وجہ سے نماز عید نہ ہو تو وہاں دسویں کی طلوع فجر کے بعد قربانی ہو سکتی ہے۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ،ج9، ص530، دارالمعرفہ،بیروت)

سوال: امام اگر نمازِ عید میں ہی ہے اور کسی نے قربانی کر دی تو کیا حکم ہے؟

جواب: امام ابھی نماز ہی میں ہے اور کسی نے جانور ذبح کر لیا اگرچہ امام قعدہ میں ہو اور بقدر تشہد بیٹھ چکا ہو مگر ابھی سلام نہ پھیرا ہو تو قربانی نہیں ہوئی اور اگر امام نے ایک طرف سلام پھیر لیا ہے دوسری طرف باقی تھا کہ اس نے ذبح کر دیا قربانی ہو گئی اور بہتر یہ ہے کہ خطبہ سے جب امام فارغ ہو جائے اس وقت قربانی کی جائے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ،الباب الثانی فی وجوب الاضحیہ ،ج5،ص295، دار الفکر،بیروت)

سوال: امام نے بے وضو نمازِ عید پڑھا دی، اس کے بعد قربانی ہوئی، کیا حکم ہے؟

جواب: امام نے نماز پڑھ لی اس کے بعد قربانی ہوئی پھر معلوم ہوا کہ امام نے بغیر وضو نماز پڑھا دی تو نماز کا اعادہ کیا جائے قربانی کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ،ج9، ص529، دارالمعرفہ،بیروت)

قربانی واجب ہونے کے باوجود نہ کرنے کے مسائل

سوال: قربانی واجب تھی نہیں کی اور ایام نحر گزر گئے تو اب کیا حکم ہے؟

جواب: ایام نحر گزر گئے اور جس پر قربانی واجب تھی اس نے نہیں کی ہے تو قربانی فوت ہوگئی اب نہیں ہوسکتی پھر اگر اس نے قربانی کا جانور معین کر رکھا ہے مثلاً معین جانور کے قربانی کی منت مان لی ہے وہ شخص غنی ہو یا فقیر بہر صورت اسی معین جانور کو زندہ صدقہ کرے اور اگر ذبح کر ڈالا تو سارا گوشت صدقہ کرے اوس میں سے کچھ نہ کھائے اور اگر کچھ کھالیا ہے تو جتنا کھایا ہے اس کی قیمت صدقہ کرے اور اگر ذبح کیے ہوئے جانور کی قیمت زندہ جانور سے کچھ کم ہے تو جتنی کمی ہے اوسے بھی صدقہ کرے اور فقیر نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا ہے اور قربانی کے دن نکل گئے چونکہ اس پر بھی اسی معین جانور کی قربانی واجب ہے لہٰذا اس جانور کو زندہ صدقہ کردے اور اگر ذبح کر ڈالا تو وہی حکم ہے جو منت میں مذکور ہوا۔ یہ حکم اسی صورت میں ہے کہ قربانی ہی کے لیے خریدا ہو اور اگر اس کے پاس پہلے سے کوئی جانور تھا اور اس نے اس کی قربانی کرنے کی نیت کرلی یا خریدنے کے بعد قربانی کی نیت کی تو اس پر قربانی واجب نہ ہوئی۔ اور غنی نے قربانی کے لیے جانور خرید لیا ہے تو وہی جانور صدقہ کردے اور ذبح کر ڈالا تو وہی حکم ہے جو مذکور ہوا اور خریدا نہ ہو تو بکری کی قیمت صدقہ کرے۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص531، دارالمعرفہ، بیروت ☆فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الرابع، ج5، ص296، دارالفکر، بیروت)

سوال: قربانی کے دن گزر گئے اور اس نے قربانی نہیں کی اور جانور یا اس کی قیمت کو صدقہ بھی نہیں کیا یہاں تک کہ دوسری بقرعید آ گئی، تو اس قربانی کی قضا ان دنوں میں کرسکتا ہے؟

جواب: قربانی کے دن گزر گئے اور اس نے قربانی نہیں کی اور جانور یا اس کی قیمت کو صدقہ بھی نہیں کیا یہاں تک کہ دوسری بقرعید آ گئی اب یہ چاہتا ہے کہ سال گزشتہ کی

قربانی کی قضا اس سال کر لے یہ نہیں ہوسکتا بلکہ اب بھی وہی حکم ہے کہ جانور یا اوس کی
قیمت صدقہ کرے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الرابع، ج5، ص296,297، دار الفکر، بیروت)

سوال: جس جانور کی قربانی واجب تھی ایامِ نحر گزرنے کے بعد اسے بیچ ڈا
تو کیا حکم ہے؟

جواب: جس جانور کی قربانی واجب تھی ایامِ نحر گزرنے کے بعد اسے بیچ ڈالا
ثمن کا صدقہ کرنا واجب ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الرابع، ج5، ص297، دار الفکر، بیروت)

سوال: قربانی کی منت مانی، جانور معین نہیں کیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: قربانی کی منت مانی اور یہ معین نہیں کیا کہ گائے کی قربانی کرے گا
بکری کی تو منت صحیح ہے بکری کی قربانی کر دینا کافی ہے اور اگر بکری کی قربانی کی منت مانی
اونٹ یا گائے قربانی کر دینے سے بھی منت پوری ہو جائے گی منت کی قربانی میں سے کچھ نہ
کھائے بلکہ سارا گوشت وغیرہ صدقہ کر دے اور کچھ کھا لیا تو جتنا کھایا اس کی قیمت صدق
کرے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ،

قربانی کے جانور کا بیان

سوال: کس جانور کی قربانی ہوسکتی ہے؟

جواب: قربانی کے جانور تین قسم کے ہیں: (1) اونٹ (2) گائے (3) بکری۔

ہر قسم میں اس کی جتنی نوعیں ہیں سب داخل ہیں نر اور مادہ، خصی اور غیر خصی سب کا ایک حکم ہے یعنی سب کی قربانی ہوسکتی ہے۔ بھینس گائے میں شمار ہے اس کی بھی قربانی ہوسکتی ہے۔ بھیڑ اور دنبہ بکری میں داخل ہیں ان کی بھی قربانی ہوسکتی ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الخامس، ج5، ص297، دار الفکر، بیروت)

سوال: کیا وحشی جانور کی قربانی ہوسکتی ہے؟

جواب: وحشی جانور جیسے نیل گائے اور ہرن ان کی قربانی نہیں ہوسکتی۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الخامس، ج5، ص297، دار الفکر، بیروت)

سوال: وحشی اور گھریلو جانور سے مل کر بچہ پیدا ہوا تو کیا حکم ہے؟

جواب: وحشی اور گھریلو جانور سے مل کر بچہ پیدا ہوا مثلاً ہرن اور بکری سے اس میں ماں کا اعتبار ہے یعنی اس بچہ کی ماں بکری ہے تو جائز ہے اور بکرے اور ہرنی سے پیدا ہے تو ناجائز۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الخامس، ج5، ص297، دار الفکر، بیروت)

سوال: قربانی کے جانور کی کتنی عمر ہونی چاہئے؟

جواب: قربانی کے جانور کی عمر یہ ہونی چاہیے، اونٹ پانچ سال کا، گائے دو سال کی، بکری ایک سال کی۔ اس سے عمر کم ہو تو قربانی جائز نہیں، زیادہ ہو تو جائز بلکہ افضل ہے، ہاں دنبہ یا بھیڑ کا چھ ماہہ بچہ اگر اتنا بڑا ہو کہ دور سے دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ (بہار شریعت، حصہ15، ص340، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا تَذْبَحُوا إِلَّا مُسِنَّةً إِلَّا أَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ، فَتَذْبَحُوا جَذَعَةً مِنَ الضَّأْنِ)) ترجمہ: صرف مسنہ (ایک سال کی

بکری، دوسال کی گائے اور پانچ سال کے اونٹ) کی قربانی کرو، ہاں اگر تم کو دشوار ہو تو چھ ماہ کا دنبہ یا مینڈھا ذبح کر دو۔

(صحیح مسلم، باب سن الاضحیہ، ج3، ص1555، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اس کے تحت علامہ نووی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں "قَالَ الْعُلَمَاءُ الْمُسِنَّةُ هِيَ الثَّنِيَّةُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ فَمَا فَوْقَهَا" ترجمہ: علماء نے فرمایا کہ مسنہ اونٹ، گائے، بکری ہر ایک میں ثنی (دوندا) یا اس سے بڑا ہوتا ہے۔

(شرح المسلم للنووی، باب سن الاضحیہ، ج13، ص117، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ہدایہ میں ہے "والثنی منها ومن المعز سنة، ومن البقر ابن سنتين، ومن الإبل ابن خمس سنين" ترجمہ: ثنی بکریوں میں ایک سال، گائے میں دو سال اور اونٹوں میں پانچ سال والا ہوتا ہے۔

(ہدایہ، علی من تجب الاضحیہ، ج4، ص359، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

سوال: کس جانور کی قربانی افضل ہے؟

جواب: بکری کی قیمت اور گوشت اگر گائے کے ساتویں حصہ کی برابر ہو تو بکری افضل ہے اور گائے کے ساتویں حصہ میں بکری سے زیادہ گوشت ہو تو گائے افضل ہے یعنی جب دونوں کی ایک ہی قیمت ہو اور مقدار بھی ایک ہی ہو تو جس کا گوشت اچھا ہو وہ افضل ہے اور اگر گوشت کی مقدار میں فرق ہو تو جس میں گوشت زیادہ ہو وہ افضل ہے اور مینڈھا بھیڑ سے اور دنبہ دنبی سے افضل ہے جبکہ دونوں کی ایک قیمت ہو اور دونوں میں گوشت برابر ہو۔ بکری بکرے سے افضل ہے مگر خصی بکرا بکری سے افضل ہے اور اونٹنی اونٹ سے اور گائے بیل سے افضل ہے جبکہ گوشت اور قیمت میں برابر ہوں۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص534، دارالمعرفہ، بیروت)

بھینس کی قربانی:

سوال: بھینس کی قربانی پر بعض لوگ اعتراضات کرتے ہیں، اس کے جواز پر کچھ دلائل بیان کریں۔

جواب: بھینس کی قربانی کے جواز پر کچھ دلائل درج ذیل ہیں:

(1) قرآن پاک میں اللہ عزوجل نے جب قربانی کا ذکر فرمایا تو اس میں ''بھیمۃ الانعام (بے زبان چوپائے)'' کا لفظ استعمال فرمایا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور ہر امت کے لئے ہم نے ایک قربانی مقرر فرمائی کہ اللہ کا نام لیں اس کے دیئے ہوئے بے زبان چوپایوں پر۔ (پ 17، سورۃ الحج، آیت نمبر 34)

دوسرے مقام پر الانعام کی تفصیل بیان فرمائی کے اس میں جانوروں کے 4 جوڑے شامل ہیں چنانچہ سورۃ اَنعام میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ. ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ نَبِّئُوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ. وَ مِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور مویشی میں سے کچھ بوجھ اُٹھانے والے اور کچھ زمین پر بچھے۔ کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تمہیں روزی دی اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ آٹھ نر اور مادہ ایک جوڑا بھیڑ کا اور ایک جوڑا بکری کا۔ تم فرماؤ کیا اس نے دونوں نر حرام کئے یا دونوں مادہ یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہیں، کسی علم سے بتاؤ اگر تم سچے ہو، اور ایک جوڑا اُونٹ کا اور ایک جوڑا گائے کا۔ (پ 8، سورۃ الانعام، آیت نمبر 4-142)

اس آیت مبارکہ میں اللہ عزوجل نے گائے کو ''اَنعام'' میں شمار کیا ہے۔ اور تفاسیر میں اس کے تحت لکھا ہے کہ بھینس بھی ''اَنعام'' یعنی انہیں آٹھ جانوروں میں داخل ہے۔

چنانچہ تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر درمنثور میں ہے:

حضرت لیث بن ابی سلیم سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ: بھینس اور بختی اونٹ ازواجِ ثمانیہ (یعنی آٹھ نر اور مادہ) میں سے ہے۔

(تفسیر ابن ابی حاتم، جلد 5، صفحہ 1403، مکتبۃ نزار مصطفی الباز، المملکۃ العربیۃ

السعودیة☆تفسیر درمنثور، جلد3، صفحہ371، دار الفکر،بیروت)

مشہور محدث علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ بھینس ''اَنعام'' کے تحت داخل ہے اوراس کی قربانی جائز ہے۔

چنانچہ اپنی کتاب المجموع شرح المہذب میں لکھتے ہیں:

قربانی میں جو جانور کفایت کرتا ہے اس کے لئے شرط ہے کہ وہ ''اَنعام'' کے قبیل سے ہو اوراس سے مراد اونٹ، گائے اور بکری ہے۔اس حکم میں اونٹ کی تمام اقسام یعنی بخاتی اورعربی اورگائے کی تمام انواع یعنی بھینسیں، عربی گائے اور دربانی وغیرہ شامل ہیں۔

(المجموع شرح المهذب ، جلد8، صفحہ393، دار الفکر، بیروت)

الموسوعہ فقہیہ کویتیہ میں الاَنعام کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

اورالا نعام وہ اسم (لفظ) ہے جو تین قسموں یعنی اونٹ، گائے اور بکری کو شامل ہے برابر ہے وہ گائے عربی ہو یا بھینس ہو۔

(الموسوعہ فقہیہ کویتیہ، جلد5،صفحہ133، دار السلاسل ، کویت)

تو معلوم ہوا کہ ''الانعام'' جس کی قربانی اللہ عزوجل نے جائز فرمائی اس میں بھینس بھی داخل ہے لہٰذا اس کی قربانی بھی درست ہے۔

(2) قربانی کے بارے میں جو حدیث ہے اس میں گائے کے لئے ''بقر'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے،فرماتے ہیں کہ:((فأمرنا رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم أن نشترك في الإبل والبقر كل سبعة منا في بدنة)) ترجمہ:ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں شرکت کریں یعنی ہم میں سے ہر سات افراد ایک بدنہ میں شریک ہوں۔

(صحیح مسلم، کتاب الحج، باب الاشتراك في الهدي، جلد 2، صفحہ995، دار احیاء التراث العربي، بیروت)

اوراہل لغت اس بات پر متفق ہیں کہ بھینس بھی بقر یعنی گائے کی جنس سے تعلق

رکھتی ہے اور اس کی ایک نوع وقسم ہے یعنی لفظِ بقر گائے اور بھینس دونوں کو شامل ہے چنانچہ عربی زبان کی مشہور کتاب لسان العرب میں ہے"والجاموس:نوع من البقر "ترجمہ: بھینس گائے کی ایک نوع (یعنی قسم) ہے۔

(لسان العرب، جلد6، صفحہ43، دار صادر، بیروت)

تاج العروس میں ہے"الجاموس:نوع من البقر "ترجمہ:بھینس گائے کی ایک نوع ہے۔ (تاج العروس، جلد15، صفحہ513، دار الھدایہ)

یونہی المعجم الوسیط میں ہے:"(الجاموس) حیوان اھلی من جنس البقر" ترجمہ:بھینس ایک پالتو جانور ہے جو گائے کی جنس سے تعلق رکھتا ہے۔

(المعجم الوسیط، جلد1، صفحہ134، دار الدعوۃ)

اسی طرح فقہاء کرام بھی بھینس کو گائے کی جنس سے ہی شمار کرتے ہیں چنانچہ فقیہ النفس امام فخر الدین قاضیخان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں"الأضحیۃ تجوز من أربع من الحیوان الضأن والمعز والبقر والإبل ذکورھا وإناثھا وکذلك الجاموس لأنہ نوع من البقر الأھلی "ترجمہ:قربانی چار جانوروں کی جائز ہے بھیڑ،بکری،گائے اور اونٹ،چاہے نر ہوں یا مادہ۔اور اسی طرح بھینس کی قربانی بھی جائز ہے کیونکہ وہ پالتو گائے کی ایک قسم ہے۔ (خانیہ، فصل فیما یجوز فی الضحایا، 3، صفحہ234، مطبوعہ کراچی)

(3) یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام جب زکوۃ کے احکام بیان کرتے ہیں تو اس میں بھینس کو گائے کی جنس سے شمار کرتے ہوئے بھینس کے تمام احکام گائے والے ہی بیان کرتے ہیں کہ جو نصاب گائے کا ہے وہی بھینس کا ہے،اور گائے میں جتنی زکوۃ واجب ہے اتنی ہی بھینس میں بھی اور اگر کسی کے پاس کچھ بھینسیں اور کچھ گائے ہیں تو ایک جنس ہونے کی وجہ سے دونوں کو ملا کر نصاب پورا کیا جائے گا۔یہی حکم کئی تابعین و تبع تابعین مثلا حضرت عمر بن عبد العزیز،امام سفیان ثوری،امام مالک اور امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے چنانچہ المدونۃ میں ہے:امام سفیان ثوری اور امام مالک فرماتے ہیں کہ بھینس

بھی گائے (کی قسم) میں سے ہے۔ ابن مہدی نے عبدالوارث بن سعید سے وہ ایک اور شخص سے اور وہ حسن بصری اسی کی مثل روایت کرتے ہیں۔

(المدونۃ، کتاب الزکاۃ الثانی، زکاۃ البقر، جلد1، صفحہ355، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت ابوعبید قاسم بن سلام (متوفی 224ھ) روایت بیان کرتے ہیں:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم لکھا کہ بھینسوں کی زکوۃ بھی اسی طرح لی جائے جس طرح گائے کی زکوۃ لی جاتی ہے۔

(الاموال للقاسم بن سلام، کتاب الصدقہ واحکامہا، جلد1، صفحہ476، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

بھینس گائے کی نوع ہے جیسا کہ کتاب ''مغرب'' میں ہے۔ زکوۃ، قربانی اور سود کے معاملے میں بھینس گائے کی مثل ہے۔ اور گائے کا نصاب بھینس سے پورا کیا جائے گا۔ بھینس اور گائے میں سے جو زیادہ ہیں زکوۃ اس میں سے لی جائے گی۔ اگر دونوں برابر ہیں تو زکوۃ میں وہ لیں گے جو ادنی سے اچھا اور اعلیٰ سے کم ہو۔

(ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، باب زکوۃ البقر، جلد280، دار الفکر، بیروت)

(4) تمام مذاہب والوں کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ بھینس کی قربانی جائز ہے چنانچہ الموسوعہ فقہیہ کویتیہ میں ہے ''(الشرط الأول) وھو متفق علیہ بین المذاھب أن تکون من الأنعام وھی الإبل عرابا کانت أو بخاتی والبقرۃ الأھلیۃ ومنھا الجوامیس '' ترجمہ: قربانی کی پہلی شرط وہ ہے کہ جو تمام مذاہب میں متفق علیہ ہے وہ یہ ہے کہ قربانی کا جانور انعام (یعنی چوپایہ) کی قسم میں سے ہونا چاہیے اور وہ اونٹ ہے چاہے عربی ہو یا بختی، اور گھریلو (پالتو) گائے ہے جس میں بھینس بھی ہے۔

-(الموسوعہ الفقہیہ کویتیہ، جلد5، صفحہ 81، دار السلاسل، کویت)

نیز اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ بھینس کا حکم گائے کی طرح ہوتا ہے چنانچہ امام ابوبکر محمد بن المنذر النیسابوری (المتوفی 319) اپنی کتاب '' الاجماع ''میں لکھتے ہیں ''وأجمعوا علی أن حکم الجوامیس حکم البقر '' ترجمہ: علماء کا اس بات پر اجماع

ہے کہ بھینسوں کا حکم وہی ہے گائیوں کا حکم ہے۔

(الاجماع ، کتاب الزکوۃ، جلد1، صفحہ45، دار المسلم للنشر والتوزیع)

المغنی لابن قدامہ میں ہے:

بھینسیں اپنے دوسرے افراد کی طرح گائے (کی جنس) میں سے ہی ہیں اس بارے میں کسی ایک شخص کا اختلاف بھی ہمیں معلوم نہیں۔اورابن منذر کہتے ہیں کہ وہ تمام اہل علم جن سے اس بارے میں کچھ محفوظ ومروی ہے ان سب کا اس پر اجماع ہے۔اور(یہ) اس لئے کہ بھینسیں گائے کی انواع میں سے ہیں جس طرح کہ بختی اونٹ ،اونٹوں کی انواع میں سے ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، کتاب الزکوۃ، باب صدقۃ البقر، جلد2، صفحہ444، مکتبہ قاہرہ)

(5) بھینس کے بارے میں بعض روایات بھی مروی ہیں کہ یہ سات افراد کی طرف سے کافی ہے۔چنانچہ مشہورومعروف محدث زین العابدین محمد عبد الرؤوف مناوی (المتوفی 1031ھ) جوکہ کبار علماء ومعتبر محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔یہ اپنی کتاب ''کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق ''میں روایت کرتے ہیں:((الجاموس عن سبعة الاضحية))ترجمہ:بھینس سات قربانیوں کی طرف سے(کافی) ہے۔

(ہامش الجامع الصغیرللسیوطی، جلد1، صفحہ114، ماخوذ از قربانی ،صفحہ 233، اویسی بک استال، گوجرانوالہ)

یونہی مسند الفردوس میں امام ابوشجاع شیر دیہ بن شہردار دیلمی ہمدانی (المتوفی 509)روایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:((عن علي: الجاموس تجزی عن سبعة في الأضـــحية))ترجمہ:حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ بھینس قربانی میں سات افراد کی طرف سے کافی ہے۔

(الفردوس بماثور الخطاب، باب الجیم ، جلد2، صفحہ124، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ان تمام دلائل سے واضح ہوا کہ بھینس کی قربانی بالاتفاق وبلا شک وشبہہ جائز

آج کل کچھ بدمذہب بھینس کی قربانی کو جائز نہیں مانتے حالانکہ ان کے پاس دلیل نام کی کوئی چیز نہیں۔ رودھو کر صرف یہی کہتے ہیں کہ بھینس کی قربانی کا احادیث میں تذکرہ نہیں ملتا اس لئے بھینس کی قربانی جائز نہیں۔ جبکہ اوپر ہم ثابت کر آئے ہیں کہ قرآن پاک کے لفظ ''الانعام'' اور حدیث پاک کے لفظ ''بقر'' یا ''بقرۃ'' کے عموم کے تحت بھینس بھی آتی ہے۔ لہٰذا ''اَنعام'' یا ''بقر'' کے تحت جو بھی جانور آئیں گے ان کی قربانی جائز ہوگی۔

غیر مقلدین کے فتاوی ''فتاوی علمائے حدیث'' میں ہے: ''بھینس بھی '' بھیمۃ الانعام '' کا فرد ہے، بھیمۃ الانعام کی قربانی منصوص ہے تو بھینس کی قربانی بھی نص قرآنی سے ثابت ہے۔''

(فتاوی علمائے حدیث، باب قربانی، ج 13، ص 71تا74 بحوالہ قربانی، ص 184، اویسی بک سٹال، گوجرنوالہ)

عیوب کا بیان

سوال:اگر قربانی کے جانور میں عیب ہوتو کیا حکم ہے؟

جواب :قربانی کے جانور کو عیب سے خالی ہونا چاہیے اور تھوڑا سا عیب ہوتو قربانی ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی اور زیادہ عیب ہوتو ہوگی ہی نہیں۔

(درمختار ورد المحتار، کتاب الاضحیہ،ج9، ص535، دار المعرفہ،بیروت)

سوال:کس عیب کی وجہ سے قربانی ہو جاتی ہے اور کس کی وجہ سے نہیں ہوتی، تفصیل سے بیان کردیں۔

جواب:عیوب کی تفصیل درج ذیل ہے:

(1)جس کے پیدائشی سینگ نہ ہوں اس کی قربانی جائز ہے اور اگر سینگ تھے مگر ٹوٹ گیا اور مینگ تک (جڑ کے اندر سے) ٹوٹا ہے تو ناجائز ہے اس سے کم ٹوٹا ہے تو جائز ہے۔

(2)جس جانور میں جنون ہے اگر اس حد کا ہے کہ وہ جانور چرتا بھی نہیں ہے تو اس کی قربانی ناجائز ہے اور اس حد کا نہیں ہے تو جائز ہے۔

(3)خصی یعنی جس کے خصیے نکال لیے گئے ہیں یا مجبوب یعنی جس کے خصیے اور عضوتناسل سب کاٹ لیے گئے ہوں ان کی قربانی جائز ہے۔

(4)اتنا بوڑھا کہ بچہ کے قابل نہ رہا یا داغا ہوا جانور یا جس کے دودھ نہ اترتا ہو ان سب کی قربانی جائز ہے۔خارشتی جانور کی قربانی جائز ہے جبکہ فربہ(صحت مند) ہو اور اتنا لاغر ہو کہ ہڈی میں مغز نہ رہا تو قربانی جائز نہیں۔

(5)بھینگے جانور کی قربانی جائز ہے۔اندھے جانور کی قربانی جائز نہیں اور کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو اس کی بھی قربانی ناجائز۔

(6)اتنا لاغر جس کی ہڈیوں میں مغز نہ ہو اور لنگڑا جو قربان گاہ تک اپنے پاؤں سے نہ جا سکے اور اتنا بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو ان سب کی قربانی ناجائز ہے۔

(7) جس کے کان یا دم یا چکی کٹے ہوں یعنی وہ عضو تہائی سے زیادہ کٹا ہو ان سب کی قربانی ناجائز ہے اور اگر کان یا دم یا چکی تہائی یا اس سے کم کٹی ہو تو جائز ہے۔

(8) جس جانور کے پیدائشی کان نہ ہوں یا ایک کان نہ ہو اس کی ناجائز ہے اور جس کے کان چھوٹے ہوں اوس کی جائز ہے۔

(9) جس جانور کی تہائی سے زیادہ نظر جاتی رہی اس کی بھی قربانی ناجائز ہے اگر دونوں آنکھوں کی روشنی کم ہو تو اس کا پہچاننا آسان ہے اور صرف ایک آنکھ کی کم ہو تو اس کے پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ جانور کو ایک دو دن بھوکا رکھا جائے پھر اوس آنکھ پر پٹی باندھ دی جائے جس کی روشنی کم ہے اور اچھی آنکھ کھلی رکھی جائے اور اتنی دور چارہ رکھیں جس کو جانور نہ دیکھے پھر چارہ کو نزدیک لاتے جائیں جس جگہ وہ چارے کو دیکھنے لگے وہاں نشان رکھ دیں پھر اچھی آنکھ پر پٹی باندھ دیں اور دوسری کھول دیں اور چارہ کو قریب کرتے جائیں جس جگہ اس آنکھ سے دیکھ لے یہاں بھی نشان کر دیں پھر دونوں جگہوں کی پیمائش کریں اگر یہ جگہ اوس پہلی جگہ کی تہائی ہے تو معلوم ہوا کہ تہائی روشنی کم ہے اور اگر نصف ہے تو معلوم ہوا کہ بہ نسبت اچھی آنکھ کی اس کی روشنی آدھی ہے۔

(10) جس کے دانت نہ ہوں (یعنی اتنے نہ ہوں کہ وہ چرنے کی صلاحیت نہ رکھے، اگر گھاس چرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے، ہدایہ، خانیہ) یا جس کے تھن کٹے ہوں یا خشک ہوں اس کی قربانی ناجائز ہے بکری میں ایک کا خشک ہونا ناجائز ہونے کے لیے کافی ہے اور گائے بھینس میں دو خشک ہوں تو ناجائز ہے۔

(11) جس کی ناک کٹی ہو یا جس جانور کا ایک پاؤں کاٹ لیا گیا ہو اس کی قربانی ناجائز ہے۔

(12) خنثٰی جانور یعنی جس میں نر و مادہ دونوں کی علامتیں ہوں اور جلاّلہ جو صرف غلیظ کھاتا ہو ان سب کی قربانی ناجائز ہے۔

نوٹ: بھیڑ یا دنبہ کی اون کاٹ لی گئی ہو اس کی قربانی جائز ہے۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج 9، ص 535 تا 537، دارالمعرفہ، بیروت ☆ فتاوی

ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الخامس، ج 5، ص 297تا299، دارالفکر، بیروت ☆ہدایہ، کتاب الاضحیہ، ج 2، ص 358، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

سوال: خریدتے وقت عیب نہ تھا، بعد میں پیدا ہو گیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: جانور کو جس وقت خریدا تھا اس وقت اس میں ایسا عیب نہ تھا جس کی وجہ سے قربانی ناجائز ہوتی ہے بعد میں وہ عیب پیدا ہو گیا تو اگر وہ شخص مالک نصاب ہے تو دوسرے جانور کی قربانی کرے اور مالک نصاب نہیں ہے تو اسی کی قربانی کر لے، یہ اس وقت ہے کہ اس فقیر نے پہلے سے اپنے ذمہ قربانی واجب نہ کی ہو اور اگر اس نے منت مانی ہے کہ بکری کی قربانی کروں گا اور منت پوری کرنے کے لیے بکری خریدی اس وقت بکری میں ایسا عیب نہ تھا پھر پیدا ہو گیا اس صورت میں فقیر کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ دوسرے جانور کی قربانی کرے۔

(ہدایہ، کتاب الاضحیہ، ج 2، ص 359، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج 9، ص 539، دارالمعرفہ، بیروت)

سوال: خریدتے وقت عیب تھا تو کیا حکم ہے؟

جواب: فقیر نے جس وقت جانور خریدا تھا اسی وقت اس میں ایسا عیب تھا جس سے قربانی ناجائز ہوتی ہے اور وہ عیب قربانی کے وقت تک باقی رہا تو اس کی قربانی کر سکتا ہے اور غنی عیب دار خریدے اور عیب دار ہی کی قربانی کرے تو ناجائز ہے اور اگر عیبی جانور کو خریدا تھا اور بعد میں اس کا عیب جاتا رہا تو غنی اور فقیر دونوں کے لیے اس کی قربانی جائز ہے مثلاً ایسا لاغر جانور خریدا جس کی قربانی ناجائز ہے اور اس کے یہاں وہ فربہ ہو گیا تو غنی بھی اس کی قربانی کر سکتا ہے۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج 9، ص 539، دارالمعرفہ، بیروت)

سوال: قربانی کرتے وقت جانور اچھلا کودا جس کی وجہ سے عیب دار ہو گیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: قربانی کرتے وقت جانور اچھلا کودا جس کی وجہ سے عیب پیدا ہو گیا یہ

عیب مضر نہیں یعنی قربانی ہو جائے گی اور اگر اچھلنے کودنے سے عیب پیدا ہو گیا اور وہ چھوٹ کر بھاگ گیا اور فوراً پکڑ لایا گیا اور ذبح کر دیا گیا جب بھی قربانی ہو جائے گی۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص539، دارالمعرفہ، بیروت)

سوال: قربانی کا جانور مر گیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: قربانی کا جانور مر گیا تو غنی پر لازم ہے کہ دوسرے جانور کی قربانی کرے اور فقیر کے ذمہ دوسرا جانور واجب نہیں اور اگر قربانی کا جانور گم ہو گیا یا چوری ہو گیا اور اس کی جگہ دوسرا جانور خرید لیا اب وہ مل گیا تو غنی کو اختیار ہے کہ دونوں میں جس ایک کو چاہے قربانی کرے اور فقیر پر واجب ہے کہ دونوں کی قربانیاں کرے۔

مگر غنی نے اگر پہلے جانور کی قربانی کی تو اگرچہ اس کی قیمت دوسرے سے کم ہو کوئی حرج نہیں اور اگر دوسرے کی قربانی کی اور اس کی قیمت پہلے سے کم ہے تو جتنی کمی ہے اتنی رقم صدقہ کرے ہاں اگر پہلے کو بھی قربان کر دیا تو اب وہ تصدق واجب نہ رہا۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص539، دارالمعرفہ، بیروت)

قربانی کے جانور میں شرکت

سوال :جس شخص میں وجوبِ قربانی کی شرائط پائی جائیں تو اس پر کون سا جانور قربان کرنا واجب ہے؟

جواب :جب وجوبِ قربانی کی شرائط پائی جائیں تو ایک بکری کا ذبح کرنا یا اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ واجب ہے۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص521، دارالمعرفہ، بیروت)

سوال: گائے یا اونٹ میں اگر کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب :ساتویں حصہ سے کم نہیں ہوسکتا بلکہ اونٹ یا گائے کے شرکا میں اگر کسی شریک کا ساتویں حصہ سے کم ہے تو کسی کی قربانی نہیں ہوئی یعنی جس کا ساتواں حصہ یا اس سے زیادہ ہے اس کی بھی قربانی نہیں ہوئی۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص521,525، دارالمعرفہ، بیروت)

سوال: گائے یا اونٹ میں کسی کا حصہ ساتویں حصے سے زیادہ ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب :گائے یا اونٹ میں ساتویں حصہ سے زیادہ کی قربانی ہوسکتی ہے۔ مثلاً گائے کو چھ یا پانچ یا چار شخصوں کی طرف سے قربانی کریں ہوسکتا ہے اور یہ ضرور نہیں کہ سب شرکا کے حصے برابر ہوں بلکہ کم وبیش بھی ہوسکتے ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ جس کا حصہ کم ہے تو ساتویں حصہ سے کم نہ ہو۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص521,525، دارالمعرفہ، بیروت)

گائے اور اونٹ میں سات حصے:

سوال :اونٹ اور گائے کی قربانی میں سات تک حصے ہونے میں کیا دلائل ہیں ؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اونٹ کی قربانی میں دس افراد شریک ہوسکتے ہیں، ان کے دلائل کا کیا جواب ہے؟

جواب :اونٹ اور گائے ہر دو کی قربانی میں صرف سات افراد شریک ہوسکتے

ہیں۔احناف کے علاوہ دیگر جمہور فقہاء کا بھی اسی پر عمل ہے۔

جامع ترمذی میں ہے:((عَنْ جَابِرٍ قَالَ:نَحَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عَامَ الحُدَيْبِيَةِ البَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَفِي البَابِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَائِشَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ ،حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وَغَيْرِهِمْ:يَرَوْنَ الجَزُورَ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ))ترجمہ:حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حدیبیہ والے سال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں گائے اور اونٹ کو سات سات افراد کی طرف سے ذبح کیا۔اس بارے حضرت ابن عمر،حضرت ابو ہریرہ،حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی بھی روایتیں ہیں۔حضرت جابر کی یہ روایت حسن صحیح ہے۔اہلِ علم صحابہ کرام علیہم الرضوان اور دیگر کے نزدیک یہی بات قابل عمل ہے کہ گائے اور اونٹ صرف سات ہی کی طرف سے کفایت کریں گے،اور یہی سفیان ثوری ،شافعی اور احمد کا مذہب ہے علیہم الرحمۃ۔

(جامع الترمذی،بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاشْتِرَاكِ فِي البَدَنَةِ وَالبَقَرَةِ،ج 3،ص239، دارالغرب الاسلامی، بیروت)

سنن ابی داؤد میں ہے:((حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قَالَ:الْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُورُ عَنْ سَبْعَةٍ))ترجمہ:حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:گائے اور اونٹ کی قربانی سات افراد کی طرف سے ہوسکتی ہے۔

(سنن أبی داود،كِتَاب الضَّحَايَا،بَابٌ فِي الْبَقَرِ وَالْجَزُورِ عَنْ كَمْ تُجْزِءُ؟،ج 3،ص98، رقم الحدیث،2809،بیروت)

امام سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی 360ھ) روایت کرتے ہیں:((عَنِ النَّبِيِّ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قَالَ:اَلْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ فِي الْاَضَاحِي))
ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قربانیوں میں اونٹ اور گائے سات کی طرف سے کافی ہو سکتے ہیں۔

(المعجم الأوسط،ج6،ص182،مکتبہ دارالحرمین،قاہرہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: ((الجزور عن سبعة)) ترجمہ: اونٹ سات کی طرف سے ہے۔

(الجامع الصغير،ج1،ص5419،مکتبہ شاملہ☆شرح معانی الاثار،عن کم تجزئ فی الضحایا،ج4،ص175،مطبوعہ عالم الکتب،بیروت)

اس حدیث پاک کو "مخالفین کے محقق" البانی نے بھی صحیح کہا ہے۔

(الجامع الصغير،ج1،ص5419،مکتبہ شاملہ)

امام ملک العلماء ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 585ھ) لکھتے ہیں: " وَلَا يَجُوزُ بَعِيرٌ وَاحِدٌ وَلَا بَقَرَةٌ وَاحِدَةٌ عَنْ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعَةٍ " ترجمہ: ایک اونٹ اور ایک گائے سات سے زیادہ افراد کی طرف سے قربانی کرنا جائز نہیں۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع،ج5،ص70،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

اونٹ کی قربانی میں بھی دس افراد شریک نہیں ہو سکتے،بعض روایات جو اس حوالے سے مروی ہیں، ان میں سے کوئی بھی قابل عمل نہیں،کوئی مؤول ہے، کسی کے راویوں پر کلام ہے، کسی کی متعارض دوسری روایت موجود ہے حتی کہ محدثین نے ان احادیث پر صاف الفاظ میں نسخ کا حکم ارشادفرمایا ہے۔

چنانچہ ایک روایت یہ پیش کی جاتی ہے: ((عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم:اَلْجَزُوْرُ فِي الْاَضْحَى عَنْ عَشَرَةٍ)) ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اونٹ" قربانی میں دس افراد کی طرف سے کافی ہے۔

(المعجم الکبیر،ج10،ص163،مکتبہ ابن تیمیہ،قاہرہ)

یہ روایت قابلِ عمل نہیں ہے۔اور اس کی چند وجوہ ہیں:

وجہ اول: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے معارض یہ حدیث بھی مروی ہے کہ ''اونٹ'' قربانی میں سات افراد کی طرف سے کفایت کرتا ہے۔چنانچہ یہ روایت امام طبرانی کی المعجم الکبیر اور المعجم الاوسط اور علامہ سیوطی کی الجامع الصغیر میں ہے۔اوپر معجم اوسط کے حوالے سے اسے ذکر کیا جاچکا ہے۔

وجہ دوم: اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا مؤقف اس روایت کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک اونٹ صرف سات اشخاص کی طرف سے قربان کیا جاسکتا ہے'' چنانچہ مخالفین کے معتمد و مستند امام ابن حزم ظاہری ''المحلی بالآثار'' میں نقل کرتے ہیں ''عَنِ ابْنِ فُضَيْلٍ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ إبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ :الْبَقَرَةُ، وَالْجَزُورُ عَنْ سَبْعَةٍ ''ترجمہ:حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: گائے اور اونٹ سات افراد کی طرف سے قربان کیے جائیں گے۔

(المحلى بالآثار، كتاب الاضاحى، (مسألة يشترك في الأضحية الواحدة الجماعة) ،ج 6، ص 47، دار الفكر، بيروت)

اس سے معلوم ہوا کہ اونٹ کو دس افراد کی طرف سے قربان کرنے والی حدیث خود حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی منسوخ یا کسی اور وجہ سے ناقابلِ عمل ہے جبھی تو آپ نے اس کے برخلاف قول کیا لہٰذا جب راوی خود ایک حدیث کو قابلِ عمل نہیں جانتے تو اسے بطور حجت پیش کرنا بھی درست نہیں۔

وجہ سوم: مذکورہ روایت ضعیف ہے، اس روایت کو ''مخالفین کے محقق'' البانی نے بھی ضعیف کہا ہے۔

(الجامع الصغیر، ج 1، ص 6395، مکتبہ شاملہ)

ایک روایت جامع ترمذی کی ہے: ((عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ:كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم فِي سَفَرٍ، فَحَضَرَ الْأَضْحَى فَاشْتَرَكْنَا فِي الْبَقَرَةِ سَبْعَةً، وَفِي

الجَزُورِ عَشَرَةً، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ)) ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہم ایک سفر میں حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، قربانی کا وقت آ گیا تو ہم گائے میں سات اور اونٹ میں دس دس افراد شریک ہوئے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن الترمذی، باب ما جاء فی الاشتراک فی البدنۃ والبقر، ج3، ص40، مکتبہ مصطفی البابی الحلبی)

یہ روایت بھی قابل عمل نہیں۔ اور اس کی چند وجوہ ہیں:

وجہ اول: اس روایت میں اضطراب ہے۔

کیونکہ صحیح ابن حبان میں یہی روایت شک کے ساتھ مروی ہے کہ سات افراد شریک ہوئے یا دس، جبکہ سات والی روایتیں یقینی ہیں لہذا سات والی روایات پر عمل کیا جائے گا اور شک والی روایت کو ترک کر دیں گے (اس جواب کا افادہ ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے مرقاۃ میں فرمایا ہے)۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الصلوۃ، باب فی الاضحیۃ، الفصل الثانی، ج 3، ص1086، دار الفکر، بیروت)

صحیح ابن حبان کی وہ روایت یہ ہے: ((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم فِي سَفَرٍ فَحَضَرَ النَّحرُ، فَاشْتَرَكْنَا فِي الْبَقَرَةِ سَبْعَةً وَفِي الْبَعِيرِ سبعة أو عشرة)) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت، وہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے قربانی کا وقت آیا تو ہم سات افراد ایک گائے میں اور سات یا دس افراد ایک اونٹ میں شریک ہوئے۔

(صحیح ابن حبان، باب الهَدْيُ، ذِكْرُ خَبَرٍ ثَانٍ يُصَرِّحُ بِإِبَاحَةِ مَا ذَكَرْنَاهُ، ج9، ص318، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

وجہ دوم: یہ حدیث حسن غریب ہے جیسا کہ امام ترمذی نے فرمایا اور سات والی کئی روایتیں نہایت صحیح ہیں لہذا ان کے مقابل یہ روایت متروک ہے۔ (یہ جواب مفتی

احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔)

(مرأۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح،قربانی کا بیان،فصل ثانی،تحت حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما،جلد 2،صفحہ 374،نعیمی کتب خانہ)

وجه سوم: جمہور کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حجۃ الوداع والی حدیث اس کے لیے ناسخ ہے۔ شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "والجمھور علی انہ منسوخ" جمہور کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے۔ (لمعات التنقیح فی شرح مشکوۃ المصابیح ،ج 4،ص 228،مکتبہ حقانیہ، کوئٹہ)

علی سبیل التنزل اس روایت کی یہ تاویل ہے کہ قیمت میں شرکت مراد ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں "وأما ما أخرجه الحاكم عن جابر:نحرنا يوم الحديبية سبعين بدنة، البدنة عن عشرة، وأخرج الترمذي۔وقال:حسن غريب والنسائي عن ابن عباس قال:كنا مع رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم في سفر فحضر الأضحى فاشتركنا في البقرة سبعة وفي الجزور عشرة، محمول على الاشتراك في القيمة، لا في التضحية "یعنی حضرت جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی احادیث جن میں دس افراد کا ایک اونٹ میں شریک ہونے کا ذکر ہے وہ اضحیہ میں شرکت کے بجائے قیمت میں شریک ہونے پر محمول ہیں۔

(التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد،ج 2،ص 625،دار القلم،دمشق)

یہی کچھ حال اس بارے پیش کی جانے والی دیگر روایات کا بھی ہے۔

سوال: گائے وغیرہ میں شرکت کی تو گوشت کیسے تقسیم کریں گے؟

جواب: شرکت میں گائے کی قربانی ہوئی تو ضرور ہے کہ گوشت وزن کرکے تقسیم کیا جائے اندازہ سے تقسیم نہ ہو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کسی کو زائد یا کم ملے اور یہ ناجائز ہے یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ کم وبیش ہوگا تو ہر ایک اس کو دوسرے کے لیے جائز کردے گا کہہ دے گا کہ اگر کسی کو زائد پہنچ گیا ہے تو معاف کیا کہ یہاں عدم جواز حق شرع ہے اور ان کو اس کے معاف کرنے کا حق نہیں۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ،ج 9، ص 527، دار المعرفہ،بیروت)

اگر وزن کی مشقت سے بچنا چاہیں تو اس کے لیے یہ دو حیلے کر سکتے ہیں:

(1) ذبح کے بعد اس گائے کا سارا گوشت ایک ایسے بالغ مسلمان کو ہبہ کر کے قبضہ دے دیں جو ان کی قربانی میں شریک نہ ہو، اب وہ اندازے سے سب میں تقسیم کر سکتا ہے۔

(2) اس سے بھی آسان طریقہ یہ ہے کہ گوشت تقسیم کرتے وقت اس میں کوئی دوسری جنس (مثلاً کلیجی، تلی، سری پائے وغیرہ) شامل کی جائے تو ابھی اندازے سے تقسیم کر سکتے ہیں، مگر تقسیم میں یہ ضروری ہے ہر حصہ دار کو اس دوسری جنس (کلیجی، تلی، سری پائے) میں سے بھی کچھ نہ کچھ ملے۔

(درمختار ورد المحتار، ج9، ص460☆ابلق گھوڑے سوار، ص16، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: قربانی کے شرکاء میں سے ایک کا انتقال ہو گیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: سات شخصوں نے قربانی کے لیے گائے خریدی تھی ان میں ایک کا انتقال ہو گیا اس کے ورثہ نے شرکا سے یہ کہہ دیا کہ تم اس گائے کو اپنی طرف سے اور اس کی طرف سے قربانی کرو انھوں نے کر لی تو سب کی قربانیاں جائز ہیں اور اگر بغیر اجازت ورثہ ان شرکاء نے کی تو کسی کی نہ ہوئی۔

(ہدایہ، کتاب الاضحیہ، ج2، ص360، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

سوال: قربانی کے کے شرکاء میں ایک کافر (یا ایسا بد مذہب ہے جس کی بد مذہبی حدِ کفر تک پہنچی ہو) ہو تو قربانی کا کیا حکم ہے؟

جواب: گائے کے شرکا میں سے ایک کافر ہے تو کسی کی قربانی نہ ہوئی۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص540، دارالمعرفہ، بیروت)

سوال: قربانی کے شرکاء میں کسی کی نیت قربانی کی نہیں بلکہ صرف گوشت حاصل کرنے کی ہے، تو کیا حکم ہے؟

جواب: ان میں کسی ایک شخص کا مقصود قربانی نہیں ہے بلکہ گوشت حاصل کرنا ہے تو کسی کی قُربانی نہ ہوئی، کیونکہ تمام شرکاء کی نیت تقرب (ثواب کے کام) کی ہونا

ضروری ہے۔ (درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص540، دارالمعرفہ، بیروت)

سوال: قربانی کے شرکاء میں سے بعض کی نیت عقیقہ کی ہے تو کیا حکم ہے؟

جواب: قربانی کے سب شرکا کی نیت تقرُّب ہو اس کا یہ مطلب ہے کہ کسی کا ارادہ گوشت نہ ہو اور یہ ضرور نہیں کہ وہ تقرب ایک ہی قسم کا ہو مثلاً سب قربانی ہی کرنا چاہتے ہیں بلکہ اگر مختلف قسم کے تقرب ہوں وہ تقرب سب پر واجب ہو یا کسی پر واجب ہو اور کسی پر واجب نہ ہو ہر صورت میں قربانی جائز ہے مثلاً دَمِ اِحصار اور احرام میں شکار کرنے کی جزا اور سر منڈانے کی وجہ سے دَم واجب ہوا ہو اور تمتع و قران کا دَم کہ ان سب کے ساتھ قربانی کی شرکت ہوسکتی ہے۔ اسی طرح قربانی اور عقیقہ کی بھی شرکت ہوسکتی ہے کہ عقیقہ بھی تقرب کی ایک صورت ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص540، دارالمعرفہ، بیروت)

سوال: گائے خریدنے کے بعد دوسروں کو اس میں شریک کرنا کیسا ہے؟

جواب: قربانی کے لیے گائے خریدی پھر اس میں چھ شخصوں کو شریک کرلیا سب کی قربانیاں ہو جائیں گی مگر ایسا کرنا مکروہ ہے ہاں اگر خریدنے ہی کے وقت اس کا یہ ارادہ تھا کہ اس میں دوسروں کو شریک کروں گا تو مکروہ نہیں اور اگر خریدنے سے پہلے ہی شرکت کرلی جائے تو یہ سب سے بہتر اور اگر غیر مالک نصاب نے قربانی کے لیے گائے خریدی تو خریدنے سے ہی اس پر اس گائے کی قربانی واجب ہوگئی اب وہ دوسرے کو شریک نہیں کرسکتا۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الثامن، ج5، ص304، دارالفکر بیروت)

قربانی کے بعض مستحبات

سوال: قربانی کے مستحبات بیان کر دیں۔

جواب: قربانی کے کچھ مستحبات درج ذیل ہیں:

(1) مستحب یہ ہے کہ قربانی کا جانور خوب فربہ اور خوبصورت اور بڑا ہو اور بکری کی قسم میں سے قربانی کرنی ہو تو بہتر سینگ والا مینڈھا چت کبرا ہو جس کے خصیے کوٹ کر خصی کر دیا ہو کہ حدیث میں ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ایسے مینڈھے کی قربانی کی۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الخامس، ج 5، ص 300، دار الفکر، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب مایستحب من الضحایا، ج 3، ص 126، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(2) ذبح کرنے سے پہلے چھری کو تیز کر لیا جائے اور ذبح کے بعد جب تک جانور ٹھنڈا نہ ہو جائے اس کے تمام اعضا سے روح نکل نہ جائے اس وقت تک ہاتھ پاؤں نہ کاٹیں اور نہ چمڑا اتاریں۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الخامس، ج 5، ص 300، دار الفکر، بیروت)

(3) بہتر یہ ہے کہ اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے کرے اگر اچھی طرح ذبح کرنا جانتا ہو اور اگر اچھی طرح نہ جانتا ہو تو دوسرے کو حکم دے وہ ذبح کرے مگر اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ بوقت قربانی حاضر ہو حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالی عنہا سے فرمایا: کھڑی ہو جاؤ اور اپنی قربانی کے پاس حاضر ہو جاؤ کہ اس کے خون کے پہلے ہی قطرہ میں جو کچھ گناہ کیے ہیں سب کی مغفرت ہو جائے گی اس پر ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کی یا نبی اللہ (صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم) یہ آپ کی آل کے لیے خاص ہے یا آپ کی آل کے لیے بھی ہے اور عامہ مسلمین کے لیے بھی فرمایا کہ میری آل کے لیے خاص بھی ہے اور تمام مسلمین کے لیے عام بھی ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الخامس، ج 5، ص 300، دار الفکر، بیروت ☆ تبیین الحقائق، کتاب الاضحیہ، ج 6، ص 487، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قربانی کا گوشت

سوال: قربانی کے گوشت کا کیا کرے؟

جواب: قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسرے شخص غنی یا فقیر کو دے سکتا ہے، کھلا سکتا ہے بلکہ اس میں سے کچھ کھا لینا قربانی کرنے والے کے لیے مستحب ہے۔ بہتر یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کرے ایک حصہ فقرا کے لیے اور ایک حصہ دوست و احباب کے لیے اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لیے، ایک تہائی سے کم صدقہ نہ کرے۔ اور کل کو صدقہ کر دینا بھی جائز ہے اور کل گھر ہی رکھ لے یہ بھی جائز ہے۔ تین دن سے زائد اپنے اور گھر والوں کے کھانے کے لیے رکھ لینا بھی جائز ہے اور بعض حدیثوں میں جو اس کی ممانعت آئی ہے وہ منسوخ ہے اگر اس شخص کے اہل و عیال بہت ہوں اور صاحب وسعت نہیں ہے تو بہتر یہ ہے کہ سارا گوشت اپنے بال بچوں ہی کے لیے رکھ چھوڑے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الخامس، ج 5، ص 300، دار الفکر، بیروت)

سوال: اگر میت کی طرف سے قربانی کی تو اس کے گوشت کا کیا کرے؟

جواب: میت کی طرف سے قربانی کی تو اس کے گوشت کا بھی وہی حکم ہے کہ خود کھائے دوست احباب کو دے فقیروں کو دے یہ ضرور نہیں کہ سارا گوشت فقیروں ہی کو دے کیوں کہ گوشت اس کی مِلک ہے یہ سب کچھ کر سکتا ہے اور اگر میت نے کہہ دیا ہے کہ میری طرف سے قربانی کر دینا تو اس میں سے نہ کھائے بلکہ کل گوشت صدقہ کر دے۔

(ردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج 9، ص 542، دار المعرفہ، بیروت)

سوال: کیا قربانی کا گوشت کافر کو دے سکتے ہیں؟

جواب: قربانی کا گوشت کافر کو نہ دے کہ یہاں کے کفار حربی ہیں۔

(بہار شریعت، جلد 3، حصہ 15، ص 345، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: قربانی اگر منت کی ہے تو گوشت کا کیا کرے؟

جواب: قربانی اگر منت کی ہے تو اس کا گوشت نہ خود کھا سکتا ہے نہ اغنیاء کو کھلا

سکتا ہے بلکہ اس کو صدقہ کر دینا واجب ہے وہ منت ماننے والا فقیر ہو یا غنی دونوں کا ایک ہی حکم ہے کہ خود نہیں کھا سکتا ہے نہ غنی کو کھلا سکتا ہے۔

(تبیین الحقائق، کتاب الاضحیہ، ج6، ص486، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حلال جانور کے ممنوع اعضاء

سوال: حلال جانور کے کپورے کھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: کپورے ناجائز و گناہ ہے۔ حدیث پاک میں ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یکْرَہُ مِنَ الشَّاۃِ سَبْعًا: الْمَرَارَۃَ وَالْمَثَانَۃَ والمحیاۃ وَالذَّکَرَ، وَالْاُنْثَیَیْنِ، وَالْغُدَّۃَ وَالدَّمَ، وَکَانَ أَحَبَّ الشَّاۃِ إِلَی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مُقَدَّمُھَا))

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ذبیحہ جانور کے سات اجزاء کو مکروہ فرماتے تھے: مرارہ (پتہ)، مثانہ، حیاء (شرمگاہ)، ذکر، خصیے (کپورے)، غدود اور خون۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بکری کا مقدم حصہ پسند تھا۔

(المعجم الاوسط، من اسمہ یعقوب، ج9، ص181، مطبوعہ دار الحرمین، القاہرہ)

فتاوی عالمگیری میں ہے: ''مَا یَحْرُمُ أَکْلُہُ مِنْ أَجْزَاءِ الْحَیَوَانِ سَبْعَۃٌ: الدَّمُ الْمَسْفُوحُ وَالذَّکَرُ وَالْاُنْثَیَانِ وَالْقُبُلُ وَالْغُدَّۃُ وَالْمَثَانَۃُ وَالْمَرَارَۃُ، کَذَا فِی الْبَدَائِعِ'' حلال جانوروں میں سات چیزیں حرام ہیں (1) بہتا ہوا خون (2) آلہ تناسل (3) دونوں خصیے یعنی کپورے (4) شرم گاہ (5) غدود (6) مثانہ (7) پتہ ایسے ہی بدائع میں ہے۔

(فتاوی عالمگیری، الباب الثالث فی المتفرقات، ج5، ص290، دار الفکر، بیروت)

سوال: اوجڑی کھانا کیسا ہے؟ اگر کوئی شوق سے کھائے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: حلال جانوروں کی اوجھڑی کھانا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ محلِ نجاست ہے۔ کوئی گندی طبیعت والا شوق سے کھائے یا (بغیر اکراہ کے) بے دلی سے کھائے گناہ گار ہے۔ امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''دبر یعنی پاخانے کا مقام، کرش (اوجھڑی)، امعا یعنی آنتیں بھی اس حکم کراہت میں داخل ہیں، بے شک دبر فرج وذکر سے اور کرش وامعا مثانہ سے اگر خباثت میں زائد نہیں تو کسی طرح کم بھی نہیں، فرج

وذکر اگر گزرگاہ بول ومنی ہیں، دبر گزرگاہ سرگین ہے، مثانہ اگر معدن بول ہے شکنہ وروده مخزن فرث ہیں۔'' (فتاوی رضویہ ج20ص238مکتبہ رضویہ،لاہور)

فتاوی فیض الرسول میں ہے:''حلال جانوروں کی اوجھڑی کھانا مکروہ تحریمی قریب حرام کے ہے۔'' (فتاوی فیض الرسول ،ج2،ص 432،شبیر برادرز،لاہور)

سوال: آنتیں کھانا کیسا ہے؟

جواب: ناجائز ہے۔امام اہلِ سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''دبر یعنی پاخانے کا مقام، کرش (اوجھڑی)، امعا یعنی آنتیں بھی اس حکم کراہت میں داخل ہیں، بے شک دبر فرج وذکر سے اور کرش وامعا مثانہ سے اگر خباثت میں زائد نہیں تو کسی طرح کم بھی نہیں، فرج وذکر اگر گزرگاہ بول ومنی ہیں، دبر گزرگاہ سرگین ہے، مثانہ اگر معدن بول ہے شکنہ وروده مخزن فرث ہیں۔''

(فتاوی رضویہ ج20ص238مکتبہ رضویہ،لاہور)

سوال: حلال جانور کی کلیجی کھانا کیسا ہے؟

جواب: حلال جانور کی کلیجی کھانا جائز اور حلال ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((أُحِلَّتْ لَكُمْ مَيْتَتَانِ وَ دَمَانِ فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ فَالْحُوتُ وَالْجَرَادُ وَأَمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ)) ترجمہ: تمہارے لئے دو مرے ہوئے جانور اور دو خون حلال ہیں، دو مردے مچھلی اور ٹڈی اور دو خون کلیجی اور تلی ہیں۔

(ابن ماجہ،باب الکبد والطحال،ج2،ص1102،داراحیاء الکتب العربیہ،بیروت)

سوال: حلال جانوروں میں کل کتنے اعضاء ممنوع ہیں؟

جواب: حلال جانور کے سب اجزاء حلال ہیں مگر بائیس (22) اعضاء ایسے ہیں کہ ان میں بعض حرام ہیں، بعض ممنوع اور مکروہ ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے: (1) رگوں کا خون (2) پتا (3) مثانہ (4،5) علامات مادہ ونر (6) خصیے (7) غدود (جسم کے اندر گانٹھ جسے عربی میں غدہ کہتے ہیں) (8) حرام مغز (9) گردن کے دو پٹھے کہ

شانوں تک کھنچے ہوتے ہیں(10) جگر کا خون(11) تلی کا خون(12) گوشت کا خون جو ذبح کے بعد گوشت میں سے نکلتا ہے(13) دل کا خون(14) پت یعنی وہ زرد پانی جو پتے میں ہوتا ہے(15) ناک کی رطوبت کہ بھیڑ میں اکثر ہوتی ہے(16) پاخانہ کا مقام(17) اوجھڑی(18) آنتیں (19) نطفہ(20) وہ نطفہ جو خون ہوگیا(21) وہ گوشت کا ٹکڑا جو رحم میں نطفے سے بنتا ہے(22) وہ کہ پورا جانور بن گیا اور مردہ نکلا یا بے ذبح مر گیا۔ (ملخص از فتاوی رضویہ، ج20، ص240تا244، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: کیا ذبح شدہ بکری یا بھینس کی کھال حلال ہے؟

جواب: مذبوح حلال جانور کی کھال بے شک حلال ہے، شرعاً اس کا کھانا ممنوع نہیں، اگرچہ گائے بھینس بکری کی کھال کھانے کے قابل نہیں ہوتی۔

(فتاوی رضویہ، ج20، ص233، رضا فائونڈیشن، لاہور)

قربانی کی کھال اور جھول وغیرہ کا بیان

سوال: قربانی کی کھال اور اس کی جھول اور رسی کے کچھ احکام بیان کردیجئے۔

جواب: ان کے چند احکام درج ذیل ہیں:

(1) قربانی کا کھال اور اس کی جھول اور رسّی اور اس کے گلے میں ہار ڈالا ہے وہ ہار ان سب چیزوں کو صدقہ کردے۔

(درمختار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص543، دارالمعرفہ، بیروت)

(2) قربانی کی کھال کو خود بھی اپنے کام میں لاسکتا ہے یعنی اس کو باقی رکھتے ہوئے اپنے کسی کام میں لاسکتا ہے، مثلاً اس کی جانماز بنائے، تھیلی، مشکیزہ، دسترخوان، ڈول وغیرہ بنائے یا کتابوں کی جلدوں میں لگائے یہ سب کرسکتا ہے۔ کھال کا ڈول بنایا تو اسے اپنے کام میں لائے اُجرت پر نہ دے اور اگر اُجرت پر دے دیا تو اس اُجرت کو صدقہ کرے۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص543,544، دارالمعرفہ، بیروت)

(3) قربانی کی کھال کو ایسی چیزوں سے بدل سکتا ہے جس کو باقی رکھتے ہوئے اس سے نفع اٹھایا جائے جیسے کتاب، ایسی چیز سے بدل نہیں سکتا جس کو ہلاک کرکے نفع حاصل کیا جاتا ہو جیسے روٹی، گوشت، سرکہ، روپیہ، پیسہ اور اگر اس نے ان چیزوں کو کھال کے عوض میں حاصل کیا تو ان چیزوں کو صدقہ کردے۔

(درمختار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص543، دارالمعرفہ، بیروت)

(4) اگر قربانی کی کھال کو روپے کے عوض میں بیچا مگر اس لیے نہیں کہ اس کو اپنی ذات پر یا بال بچوں پر صرف کرے گا بلکہ اس لیے کہ اسے صدقہ کردے گا تو جائز ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب السادس، ج5، ص301، دارالفکر، بیروت)

جیسا کہ آج کل اکثر لوگ کھال مدارس دینیہ میں دیا کرتے ہیں اور بعض مرتبہ وہاں کھال بھیجنے میں دقت ہوتی ہے اسے بیچ کر روپیہ بھیج دیتے ہیں یا کئی شخصوں کو دینا ہوتا ہے اسے بیچ کر دام ان فقراء پر تقسیم کردیتے ہیں یہ بیع جائز ہے اس میں حرج نہیں اور حدیث

میں جو اس کے بیچنے کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد اپنے لیے بیچنا ہے۔

(بہار شریعت، جلد3، حصہ15، ص346، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

(5) گوشت کا بھی وہی حکم ہے جو کھال کا ہے کہ اس کو اگر ایسی چیز کے بدلے میں بیچا جس کو ہلاک کر کے نفع حاصل کیا جائے تو صدقہ کر دے۔

(ہدایہ، کتاب الاضحیہ، ج2، ص360، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(6) قربانی کی چربی اور اس کی سری، پائے اور اون اور دودھ جو ذبح کے بعد دوہا ہے ان سب کا وہی حکم ہے کہ اگر ایسی چیز اس کے عوض میں لی جس کو ہلاک کر کے نفع حاصل کریگا تو اس کو صدقہ کر دے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب السادس، ج5، ص301، دار الفکر، بیروت)

(7) قربانی کی کھال یا گوشت یا اس میں کی کوئی چیز قصاب یا ذبح کرنے والے کو اُجرت میں نہیں دے سکتا کہ اس کو اُجرت میں دینا بھی بیچنے ہی کے معنی میں ہے۔

(ہدایہ، کتاب الاضحیہ، ج2، ص361، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(8) قصاب کو اُجرت میں نہیں دیا بلکہ جیسے دوسرے مسلمانوں کو گوشت دیتا ہے اس کو بھی دیا اور اُجرت اپنے پاس سے دوسری چیز دے گا تو جائز ہے۔

(بہار شریعت، جلد3، حصہ15، ص347، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سوال: قربانی کی کھال امام مسجد کو دینا کیسا ہے؟

جواب: قربانی کی کھال امام مسجد کو دینا جائز ہے اگر وہ فقیر ہو، یا غنی ہو اور بطورِ ہدیہ دیں، لیکن اس کی اجرت اور تنخواہ میں دیں تو اس کی دو صورتیں ہیں: (1) اگر وہ اپنا نوکر ہے تو اس کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں۔ (2) اور اگر وہ مسجد کا نوکر ہے اور کھال مہتمم مسجد کے لئے دے دی، اس نے مسجد کی طرف سے امام کی تنخواہ میں دے دی تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

(فتاوی رضویہ، ج20، ص480، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: کیا قربانی کی کھال قبرستان کی چار دیواری بنانے یا قبرستان کی مرمت وغیرہ کے لیے دی جا سکتی ہے؟

جواب: جی ہاں! قربانی کی کھال قبرستان کی چاردیواری بنانے اور اس کی مرمت کے لئے دی جاسکتی ہے کیونکہ حدیث پاک میں قربانی کے گوشت اور کھال وغیرہ کا ایک مصرف یہ بیان کیا گیا کہ ثواب کے کام میں خرچ کرو اور یہ کام بھی ثواب کے کام ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں: ((فَكُلُوا وَادَّخِرُوا وَاتَّجِرُوا)) ترجمہ: کھاؤ، ذخیرہ کرو اور ثواب کے کام میں خرچ کرو۔

(ابوداؤد، باب فی حبس لحوم الاضاحی، ج3، ص100، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ "چرم قربانی۔۔ برائے درستگی قبرستان کے دینا جائز ہے یا نہیں؟" تو جواباً ارشاد فرمایا "چرم قربانی کے باب میں ابھی بیان ہوا کہ ہر قربت روا ہے۔"

(فتاوی رضویہ، ج20، ص471، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: مسجد کو کھال دینا کیسا؟

جواب: مسجد کو بھی کھال دینا جائز ہے۔ امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "قربانی کے چمڑوں کو للہ مسجد دے دینا کہ انہیں یا ان کی قیمت کو متولی یا منتظمانِ مسجد، مسجد کے کاموں مثلاً ڈول، رسی، چراغ، بتی، فرش، مرمت۔۔ وغیرہا میں صرف کریں بلاشبہ جائز و باعث اجر و کارِ ثواب ہے۔"

(فتاوی رضویہ، ج20، ص476، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

قربانی کی کھالیں اسکول کی تعلیم کیلئے دینا کیسا؟:

سُوال: کیا قربانی کی کھالیں اسکول کی مُرَوَّجہ تعلیم کیلئے دے سکتے ہیں؟

جواب: نہیں دے سکتے۔ اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کچھ اس طرح کا سُوال ہوا: قصبہ "سِکندرہ راؤ" میں مدرَسہ اسلامیہ ہے۔ اس میں قراٰن شریف، اُردو، اِنگریزی پڑھائی جاتی ہے، اس کی امداد کیلئے چرمِ قربانی دینا مُوجِبِ ثواب ہے یا نہیں؟ الجواب: مَصرفِ قربانی میں تین باتیں حدیث میں

ارشاد ہوئی ہیں: (۱) کھاؤ اور (۲) ذخیرہ رکھو اور (۳) ثواب کا کام کرو۔

(سُنن ابی داود، ج3، ص 132)

اِنگریزی پڑھنا بیشک کوئی بات ثواب کی نہیں۔ اگر یہ اِحتیاط ہو سکے کہ اُس کے دام صِرف قرانِ مجید و علمِ دین کی تعلیم میں صَرف کئے جائیں تو دے سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ وَاللہُ تعالٰی اَعلَم۔

(فتاوی رضویہ ج20، ص506)

غُربا کو کھالیں لینے دیجئے:

سُوال: اگر کوئی شخص ہر سال غریبوں کو کھال دیتا ہو، اُس کا ذہن بنا کر اپنے مدرَسے یا دیگر دینی کاموں کیلئے کھال لینا اور غریبوں کو محروم کر دینا کیسا ہے؟

جواب: اگر واقعی کوئی ایسا غریب مستحق آدمی ہے جس کا گزارہ اُسی کھال یا زکوٰۃ و فطرہ پر موقوف ہے تو اب اُس کو ملنے والے اِن عطِیات کی اپنے ادارے کیلئے ترکیب کر کے اُس غریب کو محروم کرنے کی اجازت نہیں چُنانچہ اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، امام اَحمد رضا خان علیہ رحمۃُ الرحمٰن فرماتے ہیں: اگر کچھ لوگ اپنے یہاں کی کھالیں حاجت مند یتیموں، بیواؤں، مسکینوں کو دینا چاہیں کہ ان کی صورتِ حاجت روائی یہی ہو، اُسے کوئی واعِظ (یعنی وعظ کہنے والا) یا مدرَسے والا روک کر مدرَسے کیلئے لے لے تو یہ اُس کا ظُلم ہو گا۔ وَاللہُ تعالٰی اَعلَم۔

(فتاویٰ رضویہ ملخصاً، ج 20، ص 501)

اپنی قربانی کی کھال بیچ دی تو؟:

سُوال: کسی نے اپنی قربانی کی کھال بیچ کر رقم حاصل کر لی اب وہ مسجِد میں دے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: یہاں نیت کا اعتِبار ہے۔ اگر اپنی قربانی کی کھال اپنی ذات کیلئے رقم کے عِوض بیچی تو یہ رقم اِس شخص کے حق میں مالِ خبیث ہے اور اس کا صدقہ کرنا واجب ہے لہٰذا کسی شرعی فقیر کو دیدے۔ اور اگر کسی کارِ خیر کیلئے مثلاً مسجِد میں دینے ہی کی نیت سے بیچی تو اب مسجِد میں دینے میں کوئی حَرَج نہیں۔

ذبح سے پہلے قربانی کے جانور سے نفع اٹھانا

سوال: ذبح سے پہلے قربانی کے جانور کے بالوں اور دودھ سے نفع اٹھانا کا کیا حکم ہے؟اسی طرح قربانی کے جانور پر سوار ہونا اور کوئی چیز لادنا کیسا؟

جواب: ذبح سے پہلے قربانی کے جانور کے بال اپنے کسی کام کے لیے کاٹ لینا یا اس کا دودھ دوہنا مکروہ وممنوع ہے اور قربانی کے جانور پر سوار ہونا یا اس پر کوئی چیز لادنا یا اس کو اُجرت پر دینا غرض اس سے منافع حاصل کرنا منع ہے اگر اس نے اون کاٹ لی یا دودھ دوہ لیا تو اسے صدقہ کردے اور اُجرت پر جانور کو دیا ہے تو اُجرت کو صدقہ کرے اور اگر خود سوار ہوا یا اس پر کوئی چیز لادی تو اس کی وجہ سے جانور میں جو کچھ کمی آئی اتنی مقدار میں صدقہ کرے۔ (درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص544، دار المعرفہ، بیروت)

سوال: قربانی کا جانور دودھ والا ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب: جانور دودھ والا ہے تو اس کے تھن پر ٹھنڈا پانی چھڑکے کہ دودھ خشک ہو جائے اگر اس سے کام نہ چلے تو جانور کو دوہ کر دودھ صدقہ کرے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب السادس، ج5، ص301، دار الفکر، بیروت)

سوال: قربانی کا جانور ذبح ہو گیا، اب اس کے بال اپنے کام کے لیے کاٹ سکتا ہے؟اسی طرح تھن میں دودھ ہے تو دوہ سکتا ہے؟

جواب: جانور ذبح ہو گیا تو اب اس کے بال کو اپنے کام کے لیے کاٹ سکتا ہے اور اگر اس کے تھن میں دودھ ہے تو دوہ سکتا ہے کہ جو مقصود تھا وہ پورا ہو گیا اب یہ اس کی مِلک ہے اپنے صرف میں لا سکتا ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب السادس، ج5، ص301، دار الفکر، بیروت)

سوال: قربانی کے لیے جانور خریدا، اس کا بچہ پیدا ہو گیا اس بچے کا کیا حکم ہے؟

جواب: قربانی کے لیے جانور خریدا تھا قربانی کرنے سے پہلے اس کے بچہ پیدا ہوا تو بچہ کو بھی ذبح کر ڈالے اور اگر بچہ کو بیچ ڈالا تو اس کا ثمن صدقہ کردے اور اگر نہ ذبح کیا

نہ بیچ کیا اور ایام نحر گزر گئے تو اس کو زندہ صدقہ کر دے اور اگر کچھ نہ کیا اور بچہ اس کے یہاں رہا اور قربانی کا زمانہ آ گیا یہ چاہتا ہے کہ اس سال کی قربانی میں اسی کو ذبح کرے یہ نہیں کر سکتا اور اگر قربانی اسی کی کر دی تو دوسری قربانی پھر کرے کہ وہ قربانی نہیں ہوئی اور وہ بچہ ذبح کیا ہوا صدقہ کر دے بلکہ ذبح سے جو کچھ اس کی قیمت میں کمی ہوئی اسے بھی صدقہ کرے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب السادس، ج5، ص302,301، دار الفکر، بیروت)

سوال: قربانی کی اس کے پیٹ سے زندہ بچہ نکلا اس کا کیا کریں؟

جواب: قربانی کی اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہے تو اسے بھی ذبح کر دے اور اسے صرف میں لا سکتا ہے اور مرا ہوا بچہ ہو تو اسے پھینک دے مردار ہے۔

(بہار شریعت، جلد3، حصہ15، ص348، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

دوسرے کے جانور کو بلا اجازت قربان کردیا

(1) دو شخصوں نے غلطی سے یہ کیا کہ ہر ایک نے دوسرے کی قربانی کی بکری ذبح کردی یعنی ہر ایک نے دوسرے کی بکری کو اپنی سمجھ کر قربانی کردیا تو بکری جس کی تھی اسی کی قربانی ہوئی اور چونکہ دونوں نے ایسا کیا لہٰذا دونوں کی قربانیاں ہوگئیں اور اس صورت میں کسی پر تاوان نہیں بلکہ ہر ایک اپنی اپنی بکری ذبح شدہ لے لے اور فرض کرو کہ ہر ایک کو اپنی غلطی اس وقت معلوم ہوئی جب اس بکری کو صرف کر چکا تو چونکہ ہر ایک نے دوسرے کی بکری کھا ڈالی لہٰذا ہر ایک دوسرے سے معاف کرالے اور اگر معافی پر راضی نہ ہوں تو چونکہ ہر ایک نے دوسرے کی قربانی کا گوشت بلا اجازت کھا ڈالا گوشت کی قیمت کا تاوان لے لے اس تاوان کو صدقہ کرے کہ قربانی کے گوشت کے معاوضہ کا یہی حکم ہے۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص544، دارالمعرفہ، بیروت)

(2) یہ تمام باتیں اس وقت ہیں کہ ہر ایک دوسرے کے اس فعل پر کہ اس نے اس کی بکری ذبح کر ڈالی راضی ہو تو جس کی بکری تھی اسی کی قربانی ہوئی اور اگر راضی نہ ہو تو بکری کی قیمت کا تاوان لے گا اور اس صورت میں جس نے ذبح کی اس کی قربانی ہوئی یعنی بکری کا جب تاوان لیا تو بکری ذابح (ذبح کرنے والے) کی ہوگئی اور اسی کی جانب سے قربانی ہوئی اور گوشت کا بھی یہی مالک ہوا۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص544، دارالمعرفہ، بیروت)

(3) دوسرے کی قربانی کی بکری بغیر اس کی اجازت کے قصداً ذبح کردی اس کی دو صورتیں ہیں مالک کی طرف سے اس نے قربانی کی یا اپنی طرف سے، اگر مالک کی نیت سے قربانی کی تو اس کی قربانی ہوگئی کہ وہ جانور قربانی کے لیے تھا اور قربان کردیا گیا اس صورت میں مالک اس سے تاوان نہیں لے سکتا اور اگر اس نے اپنی طرف سے قربانی کی اور ذبح شدہ بکری کے لینے پر مالک راضی ہے تو قربانی مالک کی جانب سے ہوئی اور ذابح کی نیت کا اعتبار نہیں اور مالک اگر اس پر راضی نہیں بلکہ بکری کا تاوان لیتا ہے تو مالک کی قربانی

نہیں ہوئی بلکہ ذابح کی ہوئی کہ تاوان دینے سے بکری کا مالک ہوگیا اور اوس کی اپنی قربانی ہوگئی۔

(درمختار وردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص546، دارالمعرفہ، بیروت)

(4) اگر بکری قربانی کے لیے معین نہ ہو تو بغیر اجازتِ مالک اگر دوسرا شخص قربانی کردے گا تو قربانی نہ ہوگی مثلاً ایک شخص نے پانچ بکریاں خریدی تھیں اور اس کا یہ خیال تھا کہ ان میں سے ایک بکری کو قربانی کروں گا اور ان میں سے کسی ایک کو معیّن نہیں کیا تھا تو دوسرا شخص مالک کی جانب سے قربانی نہیں کرسکتا اگر کرے گا تو تاوان لازم ہوگا ذبح کے بعد مالک اس کی قربانی کی نیت کرے بیکار ہے یعنی اس صورت میں قربانی نہیں ہوئی۔

(ردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص547، دارالمعرفہ، بیروت)

(5) دوسرے کی بکری غصب کر لی اور اس کی قربانی کر لی اگر مالک نے زندہ بکری کا اس شخص سے تاوان لے لیا تو قربانی ہوگئی مگر یہ شخص گنہگار ہے اس پر توبہ واستغفار لازم ہے اور اگر مالک نے تاوان نہیں لیا بلکہ ذبح کی ہوئی بکری لی اور ذبح کرنے سے جو کچھ کمی ہوئی اس کا تاوان لیا تو قربانی نہیں ہوئی۔

(ردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص547، دارالمعرفہ، بیروت)

(6) اپنی بکری دوسرے کی طرف سے ذبح کردی اس کے حکم سے ایسا کیا یا بغیر حکم بہرصورت اس کی قربانی نہیں کیونکہ اس کی طرف سے قربانی اس وقت ہوسکتی ہے جب اس کی مِلک ہو۔

(حاشیۃ الشلبیہ بہامش علی تبیین الحقائق، کتاب الاضحیہ، ج6، ص488، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(7) ایک شخص کے پاس کسی کی بکری امانت کے طور پر تھی امین نے قربانی کردی یہ قربانی صحیح نہیں نہ مالک کی طرف سے نہ امین کی طرف سے اگرچہ مالک نے امین سے اپنی بکری کا تاوان لیا ہو اسی طرح اگر کسی کا جانور اس کے پاس عاریت یا اجارہ کے طور پر ہے اور اس نے قربانی کردی یہ قربانی جائز نہیں۔

(ردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج9، ص547، دارالمعرفہ، بیروت)

(8) اپنی طرف سے اور اپنے بچوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی اگر وہ نابالغ ہیں تو سب کی قربانیاں جائز ہیں اور بالغ ہیں اور سب لڑکوں نے کہہ دیا ہے تو سب کی طرف سے صحیح ہے اور اگر انھوں نے کہا نہیں یا بعض نے نہیں کہا ہے تو کسی کی قربانی نہیں ہوئی۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاضحیہ، الباب الخامس، ج5، ص300، دار الفکر، بیروت)

قربانی کرنے کا طریقہ

قربانی کا جانوران شرائط کے موافق ہو جو مذکور ہوئیں یعنی جواس کی عمر بتائی گئی اس سے کم نہ ہواوران عیوب سے پاک ہوجن کی وجہ سے قربانی ناجائز ہوتی ہے اور بہتر یہ کہ عمدہ اورفربہ ہو۔قربانی سے پہلے اسے چارہ پانی دے دیں یعنی بھوکا پیاسا ذبح نہ کریں۔ اور ایک کے سامنے دوسرے کو نہ ذبح کریں اور پہلے سے چھری تیز کرلیں ایسا نہ ہو کہ جانور گرانے کے بعداس کے سامنے چھری تیز کی جائے۔جانور کو بائیں پہلو پراس طرح لٹائیں کہ قبلہ کواوس کا منہ ہواوراپنا داہنا پاؤں اس کے پہلو پر رکھ کر تیز چھری سے جلد ذبح کر دیا جائے اور ذبح سے پہلے یہ دُعا پڑھی جائے:

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰھُمَّ لَکَ وَمِنْکَ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔

اسے پڑھ کرذبح کردے۔قربانی اپنی طرف سے ہوتو ذبح کے بعد یہ دُعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ خَلِیْلِکَ اِبْرَاھِیْمَ علیہ السلام وَ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

اس طرح ذبح کرے کہ چاروں رگیں کٹ جائیں یا کم سے کم تین رگیں کٹ جائیں۔اس سے زیادہ نہ کاٹیں کہ چھری گردن کے مہرہ تک پہنچ جائے کہ یہ بے وجہ کی تکلیف ہے پھر جب تک جانور ٹھنڈا نہ ہو جائے یعنی جب تک اس کی روح بالکل نہ نکل جائے اس کے نہ پاؤں وغیرہ کاٹیں نہ کھال اتاریں اوراگر دوسرے کی طرف سے ذبح کرتا ہے تو مِنِّیْ کی جگہ مِنْ کے بعد اس کا نام لے۔اوراگر وہ مشترک جانور ہے جیسے گائے اونٹ تو وزن سے گوشت تقسیم کیا جائے محض تخمینہ سے تقسیم نہ کریں۔پھراس گوشت کے تین حصے کرکے ایک حصہ فقرا پر تصدق کرے اور ایک حصہ دوست واحباب کے یہاں بھیجے اور ایک اپنے گھر والوں کے لیے رکھے اوراس میں سے خود بھی کچھ کھالے اوراگر اہل وعیال زیادہ ہوں تو تہائی سے زیادہ بلکہ کل گوشت بھی گھر کے صرف میں لاسکتا ہے۔اور قربانی کا چمڑا

اپنے کام میں بھی لاسکتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ کسی نیک کام کے لیے دیدے مثلاً مسجد یا دینی مدرسہ کو دیدے یا کسی فقیر کو دیدے۔ بعض جگہ یہ چمڑا امام مسجد کو دیا جاتا ہے اگر امام کی تنخواہ میں نہ دیا جاتا ہو بلکہ اعانت کے طور پر ہو تو حرج نہیں۔ بحرالرائق میں مذکور ہے کہ قربانی کرنے والا بقرعید کے دن سب سے پہلے قربانی کا گوشت کھائے اس سے پہلے کوئی دوسری چیز نہ کھائے یہ مستحب ہے اس کے خلاف کرے جب بھی حرج نہیں۔

(بحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ، ج2، ص57، مطبوعہ کوئٹہ)

صدرالشریعہ کی نصیحت:

صدرالشریعہ بدرالطریقہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

احادیث سے ثابت ہے کہ سید عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے اس امت مرحومہ کی طرف سے قربانی کی یہ حضور (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) کے بے شمار الطاف میں سے ایک خاص کرم ہے کہ اس موقع پر بھی امت کا خیال فرمایا اور جو لوگ قربانی نہ کر سکے ان کی طرف سے خود ہی قربانی ادا فرمائی۔ یہ شبہہ کہ ایک مینڈھا ان سب کی طرف سے کیونکر ہوسکتا ہے یا جو لوگ ابھی پیدا ہی نہ ہوئے اون کی قربانی کیونکر ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے ہے۔ جس طرح حضور (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) نے چھ مہینے کے بکری کے بچہ کی قربانی ابو بردہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لیے جائز فرمادی اوروں کے لیے اس کی ممانعت کردی۔ اسی طرح اس میں خود حضور (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) کی خصوصیت ہے۔ کہنا یہ ہے کہ جب حضور (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) نے اُمت کی طرف سے قربانی کی تو جو مسلمان صاحب استطاعت ہو اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے نام کی ایک قربانی کرے تو زہے نصیب اور بہتر سینگ والا مینڈھا ہے جس کی سیاہی میں سفیدی کی بھی آمیزش ہو جیسے مینڈھے کی خود حضور اکرم (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) نے قربانی فرمائی۔

(بہار شریعت، جلد3 حصہ15، ص353، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

تلخیص خطبات رضویہ
خطبہ اولیٰ جمعہ

(شروع میں بسم اللہ نہ پڑھے صرف آہستہ سے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھ لیجئے (ماخوذ از فتاوی رضویہ ج۸ ص ۳۰۲)

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ جَمِیْعًا ط وَاَقَامَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعًا ط وَاَشْهَدُاَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ ط وَاَشْهَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَامُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ط اَمَّا بَعْدُ فَیٰٓاَیُّهَاالْمُؤْمِنُوْنَ ط رَحِمَنَا وَرَحِمَکُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی ط اُوْصِیْکُمْ وَنَفْسِیْ بِتَقْوَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِی السِّرِّ وَالْاِعْلَانِ ط فَاِنَّ التَّقْوٰی سَنَامُ ذُرَی الْاِیْمَانِ ط وَاذْکُرُوْااللّٰهَ عِنْدَ کُلِّ شَجَرٍوَّحَجَرٍ ط وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَاتَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ط وَزَیِّنُوْا قُلُوْبَکُمْ بِحُبِّ هٰذَاالنَّبِیِّ الْکَرِیْمِ ط فَاِنَّ الْحُبَّ هُوَ الْاِیْمَانُ کُلُّهٗ ط اَلَااَلَآ اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا مَحَبَّةَ لَهٗ ط رَزَقَنَا اللّٰهُ تَعَالٰی وَاِیَّاکُمْ حُبَّ حَبِیْبِهٖ هٰذَاالنَّبِیِّ الْکَرِیْمِ ط وَحَیَّانَا وَاِیَّاکُمْ عَلٰی مَحَبَّتِهٖ ط وَتَوَفَّانَا وَاِیَّاکُمْ عَلٰی مِلَّتِهٖ ط وَحَشَرَنَا وَاِیَّاکُمْ فِیْ زُمْرَتِهٖ ط وَسَقَانَا وَاِیَّاکُمْ مِنْ شَرْبَتِهٖ ط وَاَدْخَلَنَا وَاِیَّاکُمْ فِیْ جَنَّتِهٖ ط بِمَنِّهٖ وَرَحْمَتِهٖ ط اِنَّهٗ هُوَ الرَّءُوْفُ الرَّحِیْمُ ط اَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط ﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍخَیْرًایَّرَهٗ (۷) وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّایَّرَهٗ(۸)﴾ بَارَکَ اللّٰهُ لَنَا وَلَکُمْ فِی الْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ ط وَنَفَعَنَا وَاِیَّاکُمْ بِالْاٰیَاتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمِ ط اِنَّهٗ تَعَالٰی مَلِکٌ کَرِیْمٌ ط جَوَّادٌ بَرٌّ رَّءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ط اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا ط وَاَسْتَغْفِرُاللّٰهَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَآئِرِالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ط اِنَّهٗ هُوَالْغَفُوْرُالرَّحِیْمُ ط

خطبه ثانیہ جمعہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ط وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ ط وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ط بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ اَرْسَلَهٗ ط صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ اَبَدًا ط لَاسِيَّمَا عَلٰى اَفْضَلِهِمْ بِالتَّحْقِيْقِ ط اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ سَيِّدِنَا اَبِيْ بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ ط وَعَلٰى اَعْدَلِ الْاَصْحَابِ ط سَيِّدِنَا اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ط عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ط رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ ط وَعَلٰى كَامِلِ الْحَيَآءِ وَالْاِيْمَانِ ط سَيِّدِنَا اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ط عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ ط رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ ط وَعَلٰى اَسَدِ اللّٰهِ الْغَالِبِ ط سَيِّدِنَا اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ ط كَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجْهَهُ الْكَرِيْمَ ط وَعَلٰى اِبْنَيْهِ الْكَرِيْمَيْنِ السَّعِيْدَيْنِ ط سَيِّدَيْنَا اَبِيْ مُحَمَّدِ نِ الْحَسَنِ وَاَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَيْنِ ط رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا ط وَعَلٰى اُمِّهِمَا سَيِّدَةِ النِّسَآءِ ط اَلْبَتُوْلِ الزَّهْرَآءِ ط رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا ط وَعَلٰى عَمَّيْهِ الشَّرِيْفَيْنِ الْمُطَهَّرَيْنِ مِنَ الْاَدْنَاسِ ط سَيِّدَيْنَا الْحَمْزَةِ وَالْعَبَّاسِ ط رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا ط اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَّصَرَ دِيْنَ سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ ط عِبَادَ اللّٰهِ رَحِمَكُمُ اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ج يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ط وَلَذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى اَعْلٰى وَاَوْلٰى وَاَجَلُّ وَاَعَزُّ وَاَتَمُّ وَاَهَمُّ وَاَعْظَمُ وَاَكْبَرُ ط

ماخذ ومراجع

قرآن مجید، کلام الہی
(ترجمۂ قرآن کنزالایمان، اعلیٰ حضرت امام احمد رضاخان متوفی 1340ھ)

کتب التفاسیر

(تفسیر الطبری، امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت
(تفسیر ابن ابی حاتم، المؤلف: أبو محمد عبد الرحمن بن محمد بن إدريس، الرازی ابن أبی حاتم (المتوفی 327ه)، مکتبة نزار مصطفی الباز، السعودیة
(الوجیز، ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری (468ھ)، دارالقلم، بیروت)
(تفسیر البغوی، امام ابو محمد الحسین بن مسعود فراء بغوی (516ھ)، دار الکتب العلمیہ، بیروت)
(تفسیرقرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی متوفی 671ھ، دار الفکر، بیروت)
(التفسیر الکبیر، امام فخر الدین محمد بن عمر بن حسین رازی متوفی 606ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت)
(تفسیر الخازن، علاء الدین علی بن محمدبغدادی متوفی 741ھ، اکوڑہ خٹک نوشہرہ)
(تفسیر قادری اردوترجمہ تفسیر حسینی، حسین بن علی کاشفی المتوفی 841، مترجم فخرالدین احمد حنفی رزاقی قادری)
(تفسیر الجلالین، امام جلال الدین محلی متوفی 863ھ وامام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ، باب المدینہ کراچی)
(الدر المنثور، امام جلال الدین بن ابی بکر سیوطی متوفی 911ھ، دار الفکر، بیروت)
تفسیر ابی سعود، المؤلف: أبو السعود العمادی محمد بن محمد بن مصطفی (المتوفی 982ه)، داراحیاء التراث العربی، بیروت)
(روح البیان، مولی الروم شیخ اسماعیل حقی بروسی متوف 1137ھ، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)
(روح المعانی، ابو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت)
(تفسیر خزائن العرفان، حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1391ھ، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

کتب الحدیث و شروح حدیث

(مسند الامام اعظم، امام اعظم ابی حنیفہ نعمان بن ثابت المتوفی 150ھ، نور محمد کتب خانہ، کراچی)
مؤطا امام مالک، المؤلف: مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (المتوفى 179ه، موسسة زاید بن سلطان، ابوظہبی
(الجزء المفقود من المصنف عبد الرزاق، أبو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري اليماني الصنعاني (المتوفى 211ھ، مؤسسة الشرف، لاہور)
(المصنف لابن ابی شیبة، حافظ عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ کوفی عبسی متوفی 235ھ، دار الفکر، بیروت)
(المسند للامام أحمد بن حنبل، امام احمد بن محمد بن حنبل متوفی 241ھ، دار الفکر، بیروت)
(صحیح البخاری، امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت)
الادب المفرد، المؤلف: محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة البخاري، أبو عبد الله (المتوفی 256ه)، المکتبة الاثریة، دارالبشائر الاسلامیہ)

(صحیح مسلم،امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی 261ھ،دار المغنی،عرب شریف)
(سنن ابن ماجه،امام ابو عبد الله محمد بن یزید ابن ماجه متوفی 273ھ،دار المعرفه، بیروت)
(سنن أبی داود،امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی 275ھ،دار احیاء التراث العربی، بیروت)
(جامع ترمذی،امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی 279ھ،دار المعرفه، بیروت)
(مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار،أبو بکر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق بن خلاد بن عبید الله العتکی المعروف بالبزار (المتوفی 292ھ،الناشر :مکتبة العلوم والحکم ،المدینة المنورة)
(سنن نسائی،المؤلف أبو عبد الرحمن أحمد بن شعیب بن علی الخراسانی، النسائی (المتوفی 303 ھ،مکتب المطبوعات الاسلامیه، حلب)
(مسند أبی یعلی،شیخ الاسلام ابو یعلی احمدبن علی بن مثنی موصلی متوفی 307ھ،دار الکتب العلمیه، بیروت)
(صحیح ابن خزیمه،المؤلف :أبو بکر محمد بن إسحاق بن خزیمة بن المغیرة بن صالح بن بکر السلمی النیسابوری (المتوفی 311ھ، المکتب الاسلامی ، بیروت)
(شرح معانی الآثار،المؤلف :أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملک بن سلمة الأزدی الحجری المصری المعروف بالطحاوی (المتوفی 321 ھ، عالم الکتب)
(المعجم الکبیرللطبرانی،المعجم الکبیر ـــ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، متوفی 360ھ،دار احیاء التراث العربی، بیروت)
(المعجم الأوسط للطبرانی،امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی 360ھ،دار احیاء التراث العربی، بیروت)
(الجامع الصغیر،امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی 360ھ،دار الکتب العلمیه،بیروت)
(سنن الدارقطنی،المؤلف :أبو الحسن علی بن عمر بن أحمد بن مهدی بن مسعود بن النعمان بن دینار البغدادی الدارقطنی (المتوفی385ھ،دارالمعرفة ،بیروت)
(المستدرک للحاکم،امام ابو عبد الله محمد بن عبد الله حاکم نیشاپوری متوفی 405 ھ،دار المعرفه، بیروت)
(حلیة الاولیاء لابی نعیم،المؤلف :أبو نعیم أحمد بن عبد الله بن أحمد بن إسحاق بن موسی بن مهران الأصبهانی (المتوفی430ھ)،دارالکتاب العربی ،بیروت
(شعب الإیمان،امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیهقی متوفی 458ھ،دار الکتب العلمیه، بیروت)
(السنن الکبری ،المؤلف :أحمد بن الحسین بن علی بن موسی الخُسْرَوْجردی الخراسانی، أبو بکر البیهقی (المتوفی458ھ، دارصادر ، بیروت)
حیلة الانبیاء فی قبورہم للبیهقی،المؤلف :أحمد بن الحسین بن علی بن موسی الخسْرَوْجردی الخراسانی، أبو بکر البیهقی (المتوفی 458ھ)،مکتبة العلوم والحکم،المدینة المنوره)
(الفردوس بمأثور الخطاب،حافظ ابو شجاع شیرویه بن شهرداربن شیرویه دیلمی،متوفی 509ھ؛دارالکتب العلمیه،بیروت
(تاریخ دمشق الکبیر ،علامه علی بن حسن ، متوفی 571ھ،داراحیاء التراث العربی ،بیروت)

(شرح النووی،امام محی الدین ابو زکریا یحیی بن شرف نووی متوفی 676ھ،باب المدینہ کراچی)
(مجمع الزوائد،حافظ نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی متوفی 807ھ،دار الفکر، بیروت)
(فتح الباری،امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ،دار الکتب العلمیہ، بیروت)
(عمدۃ القاری ،امام بدرالدین ابومحمدمحمودبن احمدعینی ،متوفی 855ھ،دارالفکر بیروت)
(کنز العمال،المؤلف :علاء الدین علی بن حسام الدین ابن قاضی خان القادری الشاذلی الہندی البرہانفوری ثم المدنی فالمکی الشہیر بالمتقی الہندی (المتوفی 975ھ،مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)
(المرقاۃ، کتاب العلم،علامہ ملا علی بن سلطان قاری ،متوفی 1014ھ،دار الفکر، بیروت)
(فیض القدیر،علامہ محمد عبد الرءُوف مناوی متوفی 1031ھ،دار الکتب العلمیہ، بیروت)
(ہامش الجامع الصغیرللسیوطی ، زین العابدین محمد عبد الرؤوف مناوی(المتوفی 1031ھ)، اویسی بک اسٹال، گوجرانوالہ)
(التیسیر شرح الجامع الصغیر،المؤلف :زین الدین محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین الحدادی ثم المناوی القاہری (المتوفی 1031)،مکتبۃ الامام الشافعی ،ریاض
(أشعۃ اللمعات،شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی، متوفی1052ھ، کوئٹہ)
(لمعات التنقیح،شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی، متوفی1052ھ، کوئٹہ)
(الترغیب والترہیب،امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی منذری متوفی 1248ھ،دار الکتب العلمیہ، بیروت)
(التعلیق الممجد علی مؤطا الامام محمد،المؤلف :محمد عبد الحی بن محمد عبد لحلیم الأنصاری اللکنوی الہندی، أبو الحسنات (المتوفی 1304 :ھ،دارالقلم،دمشق)
(مرأۃ المناجیح،حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1391ھ،نعیمی کتب خانہ ، گجرات)
(نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری ،حضرت علامہ مولانا شریف الحق امجدی متوفی 1421ھ، فرید بک سٹال لاہور)

کتب العقائد

(جاء الحق،حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1391ھ،مکتبہ غوثیہ، کراچی)

کتب الفقہ و اصول فقہ

(المدونۃ،المؤلف :مالک بن أنس بن مالک بن عامر الأصبحی المدنی (المتوفی 179 :ھ، درا لکتب العلمیہ، بیروت)
(مبسوط للسرخسی،المؤلف :أبو عبد اللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی (المتوفی : 189ھ،دارالمعرفہ،بیروت)
(المحلی بالاثار لابن حزم،المؤلف :أبو محمد علی بن أحمد بن سعید بن حزم الأندلسی القرطبی الظاہری (المتوفی 456 :ھ،دارالفکر،بیروت)
(البدائع والصنائع،ملک العلماء امام علاء الدین ابو بکربن مسعود کاسانی متوفی 587ھ،داراحیاء التراث العربی،بیروت ودارالکتب العلمیہ،بیروت)
(الفتاوی قاضی خان،قاضی حسن بن منصور بن محمود اوزجندی متوفی 592 ھ،پشاور)
(الہدایۃ،برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی 593ھ،دار احیاء التراث العربی، بیروت)
(المحیط البرہانی،أبو المعالی برہان الدین محمود بن أحمد بن عبد العزیز بن عمر بن مَازَۃ البخاری الحنفی (المتوفی 616ھ)
(المغنی لابن قدامہ، کتاب الزکوۃ، باب صدقۃ البقر،المؤلف :أبو محمد موفق الدین عبد

الله بن أحمد بن محمد بن قدامة الجماعيلي المقدسي ثم الدمشقي الحنبلي، الشهير بابن قدامة المقدسي (المتوفى 620 :ه، مكتبه قاہرہ)
(قواعد الاحكام في مصالح الانام،المؤلف :أبو محمد عز الدين عبد العزيز بن عبد السلام بن أبي القاسم بن الحسن السلمي الدمشقي، الملقب بسلطان العلماء (المتوفى 660ه)،مكتبة الكليات الازہريہ،القاہرہ)
(المجموع شرح المهذب،المؤلف :أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى 676ه)،دارالفكر، بيروت)
(منهاج الطالبين،المؤلف :أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى 676ه)،دارالفكر،بيروت)
(فتح القدير،كمال الدين محمد بن عبد الواحد المعروف بابن ہمام متوفی 681ھ، کوئٹہ)
(المدخل،علامہ محمد بن محمد،المشہور ابن الحاج،متوفی 737ھ،دار الكتب العلمية بيروت)
(تبيين الحقائق،المؤلف :عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (المتوفى 743 :ه)
(التاتارخانية،علامہ عالم بن علاء انصاری دہلوی متوفی 786ھ،باب المدینہ کراچی)
(الجوہرۃ ،علامہ ابوبکر بن علی حداد، متوفی 800ھ،باب المدینہ کراچی)
(بنایہ،المؤلف :أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى 855 :ه، دار الكتب العلميه، بيروت)
(الحاوی للفتاوی،امام جلال الدين عبد الرحمن سيوطی متوفی 911ھ،دار الفكر، بيروت)
(غنیہ المستملی شرح منیة المصلی،شیخ ابراہیم حلبی حنفی متوفی 956ھ،مجتبائی،دہلی)
(البحر الرائق،علامہ زين الدين بن نجيم، متوفی 970 ھ ،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)
(تحفة المحتاج فی شرح النہاج،شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی متوفی 974ھ،المكتبة التجارية الكبرى،مصر)
(فتاوی خیریہ ،علامہ خیرالدین رملی ،دارالمعرفة للطباعة، بيروت)
(تنویر الابصار،علامہ شمس الدين محمد بن عبد الله بن احمد تمرتاشی، متوفی 1004ھ،دارالمعرفة، بيروت)
(نهاية المحتاج الى شرح النهاج،المؤلف :شمس الدين محمد بن أبي العباس أحمد بن حمزة شهاب الدين الرملي (المتوفى 1004 :ه،دارالفكر،بيروت)
(حاشية الشلبيه بہامش على تبيين الحقائق،شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشلبي (المتوفى 1021 :ه،دارالكتب العلميه،بيروت)
(حاشية الشروانى على تحفة المحتاج فی شرح النہاج،علامہ عبد الحميد الشروانی، المكتبة التجارية الكبرى،مصر)
(مراقی الفلاح،علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی، متوفی 1069 ھ،مدینۃ الاولیاء، ملتان والمكتبة العصريه،بيروت)
(نورالايضاح مع الطحطاوی،المؤلف :حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (المتوفى 1069 :ه،قدیمی کتب خانہ، کراچی)
(امداد الفتاح،المؤلف :حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (المتوفى: 1069ه،صدیقی پبلشرز، کراچی)
(حاشیہ شبراملسی على نهاية المحتاج،علامہ شبراملسی متوفی 1087ھ، دارالفكر،بيروت)
(الدر المختار،محمد بن على المعروف بعلاء الدين حصكفي متوفی 1088ھ،دار المعرفہ،

بیروت)
(غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر،المؤلف :أحمد بن محمد مکی،أبو العباس، شہاب الدین الحسینی الحموی الحنفی (المتوفی 1098ھ)
(الفتاوی الہندیۃ،علامہ ہمام مولانا شیخ نظام متوفی 1161ھ وجماعت من علماء الہند،دار الفکر بیروت)
(حاشیۃ الجمل علی شرح منہج،المؤلف :سلیمان بن عمر بن منصور العجیلی الأزہری، المعروف بالجمل (المتوفی 1204ھ)، دار الفکر، بیروت)
(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح،علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی متوفی 1241ھ، کوئٹہ)
(حاشیۃ البجیرمی علی شرح المنہج،المؤلف :سلیمان بن محمد بن عمر البُجَیْرَمِیّ المصری الشافعی (المتوفی 1221ھ)،مطبعۃ الحلبی)
(ردالمحتار،محمد امین ابن عابدین شامی متوفی 1252ھ،دار المعرفۃ، بیروت)
(شرح الاشباہ للمحقق ہبۃ اللہ البعلی)
(الفتاوی الرضویۃ،اعلیٰ حضرت امام احمد رضاخان متوفی 1340ھ،رضا فاؤنڈیشن، لاہور)
(جد الممتار،اعلیٰ حضرت امام احمد رضاخان متوفی 1340ھ،مکتبۃ المدینہ، کراچی)
(الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ،وزارۃ الأوقاف والشئون الإسلامیۃ -الکویت، دارالسلاسل ،الکویت)
(بہار شریعت،مفتی محمد امجد علی اعظمی متوفی 1367ھ، مکتبۃ المدینہ، کراچی)
(فتاوی امجدیہ،مفتی محمد امجد علی اعظمی متوفی 1367ھ، مکتبۃ رضویہ، کراچی)
(وقار الفتاوی،مفتی اعظم پاکستان مفتی وقار الدین قادری متوفی 1413،بزم وقار الدین ،کراچی)
(فتاوی فیض الرسول ،فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی متوفی 1422ھ،شبیر برادرز،لاہور)
(فتاوی فقیہ ملت،فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی متوفی 1422ھ،شبیر برادرز ،لاہور)
(حبیب الفتاوی،مفتی حبیب اللہ نعیمی ،شبیر برادرز،لاہور)
(وقف کے شرعی مسائل،ابوالصالح مفتی محمد قاسم قادری)
(چندے کے بارے میں سوال جواب،امیر اہلسنت امیر دعوت اسلامی حضرت علامہ مولانا ابوبلال محمد الیاس قادری ،مکتبۃ المدینہ، کراچی)

کتب السیرۃ والتراجم

(دلائل النبوۃ للبیہقی ،أحمد بن الحسین بن علی بن موسی الخُسْرَوْجِردی الخراسانی، أبو بکر البیہقی (المتوفی 458ھ)،دارالکتب العلمیۃ، بیروت)
(الشفا،القاضی ابو الفضل عیاض مالکی متوفی 544 ھ،مرکز اہلسنت برکات رضا، ہند)
تہذیب الاسماء واللغات،المؤلف :أبو زکریا محیی الدین یحیی بن شرف النووی (المتوفی 676ھ)،دارالکتب العلمیہ،بیروت
(تذکرۃ الحفاظ،المؤلف :شمس الدین أبو عبد اللہ محمد بن أحمد بن عثمان بن قایماز الذہبی (المتوفی 748ھ)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)
(نصب الرایہ،المؤلف :جمال الدین أبو محمد عبد اللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی (المتوفی 762ھ)،مؤسسۃ الریان للطباعۃ والنشر،بیروت)
(البدایۃ والنہایۃ،عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر دمشقی ،متوفی 774ھ،داراحیاء التراث العربی،بیروت)

(الإصابة في معرفة الصحابة، امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ، دار الکتب العلمیه، بیروت)
(تهذيب التهذيب، المؤلف: أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى 852ھ)، مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت)
(الخصائص الکبری، امام جلال الدین بن ابی بکر سیوطی متوفی 911ھ، دار الکتب العلمیه، بیروت)
(وفاء الوفاء، المؤلف: علي بن عبد الله بن أحمد الحسني الشافعي، نور الدين أبو الحسن السمهودي (المتوفى 911)، دار الکتب العلمیه، بیروت)
(السيرة الحلبية (انسان العیون)، المؤلف: علي بن إبراهيم بن أحمد الحلبي، أبو الفرج، نور الدين ابن برهان الدين (المتوفى 1044ھ)، دار الکتب العلمیه، بیروت)
(مدارج النبوة، شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی 1052ھ، نوریه رضویه لاہور)
(شرح الزرقاني على المواهب اللدنية، المؤلف: أبو عبد الله محمد بن عبد الباقي بن يوسف بن أحمد بن شهاب الدين بن محمد الزرقاني المالكي (المتوفى 1122)، دار المعرفة، بیروت)
نور اليقين في سيرة سيد المرسلين، المؤلف: محمد بن عفيفي الباجوري، المعروف بالشيخ الخضري (المتوفى 1345ھ)، دار الفيحاء، دمشق

کتب التصوف

(مکاشفة القلوب مترجم، امام غزالی متوفی 505ھ، مطبوعه مکتبة المدینه، کراچی)
(المواهب اللدنية، المقصد الرابع، الفصل الثاني، شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی متوفی 932ھ، دار الکتب العلمیه، بیروت)
(مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی متوفی 1034ھ، نولکشور، لکھنؤ)
(نسیم الریاض، شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر خفاجی متوفی 1069ھ، دار الکتب العلمیه، بیروت)

کتب المتفرقه

(الاموال للقاسم بن سلام، المؤلف: أبو عُبيد القاسم بن سلاّم بن عبد الله الهروي البغدادي (المتوفى 224ھ)، دار الفكر، بیروت)
(الاجماع، المؤلف: أبو بكر محمد بن إبراهيم بن المنذر النيسابوري (المتوفى 319ھ)، دار المسلم للنشر والنوريه)
(احکام القرآن للطحاوی، أبو جعفر أحمد بن محمد المعروف بالطحاوي (المتوفى 321ھ)، مرکز البحوث الاسلامیه، استنبول)
(العلل المتناهيه، علامه ابن جوزی (المتوفی 597ھ)، ادارة العلوم الاثریه، فیصل آباد)
(التذکره في الوعظ، علامه ابن جوزی (المتوفی 597ھ)، دار المعرفه، بیروت)
(الميلاد النبوی، علامه ابن جوزی (المتوفی 597ھ))
(جواہر الاولیاء، سید جلال الدین بخاری رحمة الله علیه (متوفی 785ھ)، مطبوعه اسلام آباد)
(بحار الانوار، محمد طاہر بن علی الصدیقی (986، مکتبه دار الایمان، مدینه منوره)
(تاج العروس، محمّد بن محمّد بن عبد الرزاق الزبیدی (المتوفی 1205ھ)، دار احیاء التراث العربی، بیروت)
(حدائق بخشش، اعلی حضرت امام احمد رضا خان متوفی 1340ھ، مکتبة المدینه، کراچی)
(ماہنامه الحدیث حضرو، شماره نمبر 44، جنوری 2008، بحواله قربانی، اویسی بک سٹال، گوجرانواله)
(ماہنامه السنه جہلم، شماره نمبر 14، دسمبر 2009، بحواله قربانی، اویسی بک سٹال، گوجرانواله)
(فتاوی ثنائیه، اویسی بک اسٹال، گوجرانواله)
(فتاوی علمائے حدیث، اویسی بک سٹال، گوجرنواله)

مصنف کی دیگر کتب

مکتبہ امام اہلسنت

Cell:0332-1632626